برِّصغیر اور پوری دنیا میں غلبۂ دین کا داعی

نوائے غزوۂ ہند

شعبان و رمضان ۱۴۴۳ھ | مارچ و اپریل ۲۰۲۲ء

بانی مُدیر: حافِظ طیّب نواز شہید رحمۃ اللہ علیہ

وَلَا تُلۡقُوۡا بِاَيۡدِيۡكُمۡ اِلَى التَّهۡلُكَةِ

اور اپنے آپ کو خود اپنے ہاتھوں ہلاکت میں نہ ڈالو!

ہم جنگ کے لیے روم گئے ہوئے تھے، رومیوں کی فوج میں سے ایک بڑی صف مقابلے کے لیے نکلی جن سے مقابلے کے لیے مسلمانوں میں سے بھی اتنی ہی تعداد میں یا اس سے زیادہ آدمی نکلے۔ ان دنوں مصر پر عقبہ بن عامر حاکم تھے جبکہ لشکر کے امیر فضالہ بن عبید تھے۔ مسلمانوں میں سے ایک شخص نے روم کی صف پر حملہ کر دیا یہاں تک کہ ان کے اندر چلا گیا۔ اس پر لوگ چیخنے لگے اور کہنے لگے کہ یہ خود کو اپنے ہاتھ سے ہلاکت میں ڈال رہا ہے۔ چنانچہ حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور فرمایا؛ اے لوگو! تم لوگ اس آیت (وَلَا تُلۡقُوۡا بِاَيۡدِيۡكُمۡ اِلَى التَّهۡلُكَةِ... یعنی تم خود کو اپنے ہاتھوں ہلاکت میں نہ ڈالو کی) یہ تفسیر کرتے ہو۔ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ آیت ہم انصار کے متعلق نازل ہوئی، اس لیے کہ جب اللہ تعالیٰ نے اسلام کو غالب کر دیا اور اس کے مددگاروں کی تعداد زیادہ ہوگئی تو ہم لوگ آپس میں ایک دوسرے سے کہنے لگے؛ اب اللہ تعالیٰ نے اسلام کو غالب کر دیا ہے اور اس کی مدد کرنے والے بہت ہیں اور ہمارے اموال (کھیتی باڑی وغیرہ) ضائع ہو گئے ہیں، ہمارے لیے بہتر ہوگا کہ ہم ان کی اصلاح کریں۔ چنانچہ اس پر اللہ تعالیٰ نے ہماری بات کے جواب میں یہ آیت نازل فرمائی:

وَلَا تُلۡقُوۡا بِاَيۡدِيۡكُمۡ اِلَى التَّهۡلُكَةِ ۝ (سورۂ بقرہ:۱۹۵)

اور اپنے آپ کو خود اپنے ہاتھوں ہلاکت میں نہ ڈالو۔

چنانچہ ہلاکت یہ تھی کہ ہم اپنے احوال اور کھیتی باڑی کی اصلاح میں لگ جائیں اور جنگ و جہاد کو ترک کر دیں۔ راوی کہتے ہیں کہ ابو ایوب رضی اللہ عنہ ہمیشہ جہاد ہی میں رہے یہاں تک کہ دفن بھی روم ہی کی سرزمین میں ہوئے۔

(جامع ترمذی)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نوائے غزوۂ ہند

جلد نمبر: ۱۵، شمارہ نمبر: ۳

شعبان و رمضان ۱۴۴۳ھ — مارچ و اپریل ۲۰۲۲ء

بحمدِ اللہ... مُسلسل اِشاعت کا پندرھواں ۱۵ سال!

تجاویز، تبصروں اور تحریروں کے لیے اس برقی پتے (Email) پر رابطہ کیجیے: editor@nghmag.com

www.nawaighazwaehind.co

www.nawai.io/Twitter

www.nawai.io/Channel

www.nawai.io/Bot

www.nawai.io/ChirpWire

قیمت: اس مجلّے کی قیمت آپ کی دعا...... اور اس دعوت کو فی اللہ آگے پھیلانا ہے!

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

’’یہ دین ہمیشہ قائم رہے گا (کیونکہ) مسلمانوں میں سے ایک نہ ایک جماعت اس دین کی حفاظت کے لیے قیامت تک لڑتی رہے گی۔‘‘

(صحیح مسلم)

اس شمارے میں

اداریہ

پادشاہوں کی نہیں اللہ کی ہے یہ زمیں! 5

تزکیہ و احسان

بدنظری اور عشقِ مجازی کی تباہ کاریاں اور اس کا علاج 8

قیامت کی نشانیاں

إشراط الساعة (۲) 13

حلقۂ مجاہد

امیر المومنین کی ہدایات 19

شہادت کی قبولیت کی شرائط 21

مجاہد جہاد کیوں چھوڑ جاتا ہے؟ 23

نشریات

ہند میں آبروئے اسلام......ملت کی بیٹی: مسکان! 27

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْاٰنُ

ہلالِ رمضان کا پیغام 29

رمضان المبارک کے آداب 32

رمضان المبارک میں مجاہدین کے کرنے کے کام 36

رمضان میں پیش آنے والے بعض تاریخی واقعات 39

امت کی بیٹی عافیہ!

عافیہ صدیقی 43

انما اشكو بثي وحزني الى الله 47

فکر و منہج

مشکلات نہیں، انعامات پر نظر......! 48

ہندتوا کیا ہے؟ 52

اہلِ ایمان کی باہمی محبت 59

نظریاتی جنگیں 60

عالمی منظر نامہ

اخباری کالموں کا جائزہ 64

ظلمت رات کی......! 69

نوائے امارتِ اسلامیہ......الحکم للہ! الملک للہ!

پوست کی کاشت اور منشیات پر پابندی 71

امارتِ اسلامیہ کے تمام مجاہدین کو ہدایات 72

پاکستان کا مقدر......شریعتِ اسلامی کا نفاذ!

جن کو بننا تھا بتول! 73

شہباز ’سپیڈ‘ اور سمی دین بلوچ 75

......ہند ہے سارا میرا!

’دی کشمیر فائلز‘: ہندتوا دیوں کا نیا ہتھیار 76

عالمی جہاد

عالمی تحریکِ جہاد کے گرم محاذوں سے 80

ناول و افسانے

سحر ہونے کو ہے 86

سلطانیٔ جمہور 94

حقیقی عید 100

وغیرہ وغیرہ

سوشل میڈیا کی دنیا سے 101

اک نظر ادھر بھی 105

اس کے علاوہ دیگر مستقل سلسلے......

اعلانات از ادارہ:

- مجلّہ ’نوائے غزوۂ ہند‘ میں شائع ہونے والے ’مستعار‘ مضامین (بشمول سوشل میڈیا پوسٹس/سٹیٹس/ٹویٹس) مجلّے کی ادارتی پالیسی کے مطابق شائع کیے جاتے ہیں اور ان مضامین وغیرہ میں موجود تمام خیالات اور ان کے مصنفین کے تمام افکار و آرا سے ادارے کا متفق ہونا ضروری نہیں۔

’غزوۂ ہند‘ تمام اہلِ ایمان کا قضیہ ہے اور اس ’غزوے‘ کی حمایت و نصرت تمام اہلِ ایمان بالخصوص برِّ صغیر میں بستے اہلِ ایمان کا فریضہ ہے۔ ’غزوۂ ہند‘ کی دعوت کو پھیلانے اور مضبوط کرنے کی ایک کوشش کا نام ’نوائے غزوۂ ہند‘ ہے۔

نوائے غزوۂ ہند:

- اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے کفر سے معرکہ آرا مجاہدین فی سبیل اللہ کا موقف مخلصین اور محبّین مجاہدین تک پہنچاتا ہے۔
- برِّصغیر، افغانستان اور ساری دنیا کے جہاد کی تفصیلات، خبریں اور محاذوں کی صورتِ حال آپ تک پہنچانے کی کوشش ہے۔
- امریکہ، بھارت، اسرائیل اور اس کے حواریوں کے منصوبوں کو طشت از بام کرنے، اُن کی شکست کے احوال بیان کرنے اور اُن کی سازشوں کو بے نقاب کرنے کی ایک سعی ہے۔

اس لیے...... اسے بہتر سے بہترین بنانے اور دوسروں تک پہنچانے میں ہمارا ساتھ دیجیے!

editor@nghmag.com

پادشاہوں کی نہیں اللہ کی ہے یہ زمیں!

خوشقسمتی سے اگر اہلِ شرف و عزت نے سرکس کا تماشا نہیں دیکھا تو بھی اس کی تفصیلات سے یقیناً ہم سبھی واقف ہیں۔ سرکس کے مندرجات ہمارا مطمح نہیں، سرکس کا 'دجل' ہمارا موضوع ہے۔ سرکس کے اکثر کرتب جو نظر آتے ہیں وہ ہوتے نہیں ہیں۔ دو تین صدیوں سے دنیا کے چند ممالک میں اور پچھلی سات آٹھ دہائیوں سے تقریباً ساری ہی دنیا میں جو جمہوری نظام نافذ ہوا ہے، تو یہ اسی سرکس کی مانند ہے یا اس سرکس سے بھی بدتر۔ اہلِ علم و دانش جانتے ہیں اور ہم بھی گاہے یہ لکھتے ہی رہتے ہیں کہ دنیا کی سبھی 'جمہوریتوں' کو چلانے والی اصل قوت اسٹیبلشمنٹ یا ڈیپ سٹیٹ ہوتی ہے۔

اسٹیبلشمنٹ کے بد نما چہرے کو جس جمہوری غازے نے دہائیوں سے چھپا رکھا تھا وہ عالمی منظر نامے پر پچھلے چند سالوں سے تھوڑا تھوڑا آشکار ہونا شروع ہو گیا ہے[1]۔ افغانستان و عراق میں امریکہ کے براہِ راست قبضے اور یمن، پاکستان، لیبیا، شام اور صومالیہ میں امریکیوں کی غیر مستقیم جنگ (فضائی چھاپوں، ڈرون حملوں اور انٹیلی جنس کارروائیوں کی صورت) نے دنیا میں جمہوریت کے سب سے بڑے علم بردار 'امریکہ' کی جمہوریت کا پردہ فاش کیا، کہ حکومت میں ڈیموکریٹ ہوں یا ری پبلکن، سبھی نے اس غیر عادلانہ، غیر عاقلانہ اور ظالمانہ جنگ کو جاری رکھا۔ پھر افغانستان میں مجاہدینِ امت کی عسکری کارروائیوں کے نتیجے میں امریکی شکست ثم سیاسی حکمتِ عملی کے سبب مذاکرات کی میز پر شکست نے بھی اس حقیقت کو نمایاں کیا۔ افغانستان میں 'ڈیموکریٹ' اوباما جنگ کو مذکرات کے ذریعے ختم کرنا چاہتا تھا، 'ری پبلکن' ٹرمپ نے یہ کر دکھایا اور پھر الیکشن کے بعد منتخب ہونے والے 'ڈیموکریٹ' بائیڈن نے افغانستان سے 'ری پبلکن' شرائط ہی پر انخلا کیا۔ بھارت میں کانگریس ہو یا بی جے پی، دونوں ہی کے ادوار میں باگِ حکومت ہندوستان کے برہمنوں کے ہاتھ میں رہی، ہندتوائی نظریہ ہر دور میں ہی نظر آتا رہا (گو کہ اس کا اصل ظہور بی جے پی کے اقتدار میں آنے کے بعد ہوا)، اور یہ بھارتی اسٹیبلشمنٹ (برہمنوں) ہی کا کمال ہے جس کے سبب آج بھارت کی 'سیکولر' پارٹی 'کانگریس' بھی اقتدار میں آنے کے لیے اپنے آپ کو 'ہندو' ظاہر کرنا شروع ہو گئی ہے۔ پاکستان میں اصل قوت اسٹیبلشمنٹ ہے، اس پر تو اب سوال اٹھانا ہی بے عقلی کی بات ہے۔

چند ماہ قبل ہونے والے بلدیاتی انتخابات میں جب ایک صوبے میں ایک پارٹی نے اکثریت حاصل کی تو اسی پارٹی سے دہائیوں وابستہ رہنے والے ایک سینئر رہنما نے کہا کہ پارٹی کے سربراہ کی جی ایچ کیو کے گیٹ نمبر چار سے پرانی شناسائی ہے۔ عمران خان نے جب چند معاملات میں فوج سے بالا بالا کچھ معاملات کرنے کی کوشش کی تو بقول اسی کے کہ رات کو بارہ بجے عدالتیں کھولی گئیں۔ عدلیہ ہو یا سول بیوروکریسی یا پارلیمان کے اپر و لوئر ہاؤس میں حزبِ اقتدار و حزبِ مخالف کے بینچوں پر بیٹھنے والے، حالیہ 'سلیکٹڈ' حکومت کے بننے اور چند روز قبل رخصت ہونے والی 'سلیکٹڈ' حکومت، یہ سبھی فوجی اسٹیبلشمنٹ کے ماتحت ہیں۔ یہ نظام ایک ایسا شیطانی گھن چکر اور دجل و فریب پر مبنی سرکس ہے جسے کی تولید پیرس و لندن کے ایوانوں میں ہوئی اور جس نظام کی اصلاح ممکن نہیں۔

اٹھا کر پھینک دو باہر گلی میں
نئی تہذیب کے انڈے ہیں گندے

[1] اور اس کا بنیادی سبب افغانستان تا یمن و صومالیہ مجاہدین امت کی جہادی ضربیں ہیں۔

الیکشن، ممبری، کونسل، صدارت
بنائے خوب آزادی نے پھندے

میاں نجّار بھی چھیلے گئے ساتھ
نہایت تیز ہیں یورپ کے رندے

ایک سلیکٹڈ کی رخصتی اور دوسرے سلیکٹڈ کی بارات نے جہاں اسٹیبلشمنٹ کے 'ہونے' کی خبر دی تو ساتھ ہی اسٹیبلشمنٹ کس کے ماتحت ہے اس کا پتہ بھی، اعلانیہ، واضح انداز میں دیا۔ دراصل ان سب واقعات نے ملکِ پاکستان کے نظام کے کھوکھلے 'خُشُبٌ مُّسَنَّدَةٌ' ہونے کا پتہ دیا۔ چند نقاط میں بات سمیٹنے کی کوشش کرتے ہیں:

- آج سے سترّ برس قبل پاکستان کے وردی و بے وردی حکمرانوں نے یہ 'عملی' فیصلہ کیا کہ وہ اس ملک میں 'اقتدارِ اعلیٰ' کا مالک، 'الملک' و 'القہار' و 'المقتدر' کو نہیں بنائیں گے یعنی وحدہٗ لا شریک کی طرف سے محمدِ مصطفیٰ احمدِ مجتبیٰ (فداہ آباؤنا وأبناؤنا وأرواحنا علیہ ألف صلاۃ وسلام) پر اتاری گئی شریعت کو نافذ نہیں کریں گے۔ (اللہ کی مشیت سے اپنی دانست میں) ان حکمرانوں نے جب 'مقتدرِ اعلیٰ' کی کرسی کو خالی کر دیا تو اس کرسی پر کسے بٹھایا جائے، اس پر بحث و مشورہ ہوا۔ نتیجتاً اس وقت کی سول و فوجی اسٹیبلشمنٹ نے فیصلہ کیا کہ وہ امریکی بلاک کا حصہ بنیں گے۔
- پھر ان سترّ سالوں میں دسیوں بار ایسے واضح مناظر دیکھے گئے جنہوں نے ملکِ پاکستان پر اصل حاکم امریکہ کو ثابت کیا۔
- اور پچھلی دو دہائیوں میں جب پاکستان 'دہشت گردی کے خلاف عالمی جنگ' میں اتحادی بنا تو امریکی حاکمیت اور دیسی حکمرانوں کی امریکی غلامی اظہر من الشمس ہو گئی۔ اس عرصے میں حکمرانی کی کرسیوں پر بہت سے وردی و بے وردی بٹھائے اور اتارے گئے۔
- وَمَا قَدَرُوا اللَّهَ حَقَّ قَدْرِهِ کا مظاہرہ کرتے ہوئے 'ریاستِ' پاکستان کے ناخداؤں نے اپنے لادین و بے دین افکار کے سبب چونکہ پہلے روز سے ہی فیصلہ یہ کر رکھا تھا کہ اقتدار تو کوئی بڑی قوت ہی دیتی ہے، اور بڑی قوت یہاں کی اسٹیبلشمنٹ نے امریکہ ہی کو مانا اور اب جب عمران خان کے اقتدار کی کشتی اسٹیبلشمنٹ سے ناچاقی کے سبب ہچکولے کھانے لگی تو عمران خان نے امریکہ کے مقابلے میں بظاہر دوبارہ ابھرتی قوت روس سے رشتے کے تانے بانے جوڑنا چاہے۔
- امریکی ڈیپ سٹیٹ کے آدمی زلمے خلیل زاد نے پاکستان کا ہنگامی دورہ کیا، جنرل باجوہ سے ملاقات کی اور پھر 'اسلام آباد سکیورٹی ڈائیلاگ ۲۰۲۲ء' میں جنرل باجوہ کے ہمراہ شرکت کی۔ اسی مجلس میں جنرل باجوہ نے اپنے اور اسٹیبلشمنٹ کے 'بیانیے' کو واضح کرتے ہوئے کہا کہ پاکستان اور امریکہ کا دیرینہ تعلق ہے، جنرل باجوہ نے روس کی مذمت کی، یوکرین پر روسی حملے کو 'invasion' قرار دیا اور کہا کہ پاکستان ائیر فورس کے کئی طیارے یوکرینی عوام کی امداد کے لیے یوکرین بھیجے گئے ہیں۔
- اس کے بعد جی ایچ کیو اور آبپارہ کے مختلف گیٹوں سے مختلف النوع شناسائیاں رکھنے والوں کی ایک نئی حکومت وجود میں آ گئی۔

جس طریقے پر پاکستان کے ناخداؤں نے امریکہ کو خدا مانا، اسی طرز پر بنگلہ دیش کے حکمرانوں نے امریکہ سے بھی اسفل بھارت کو خدا مان لیا۔ یہ زمین، اس زمین پر قائم ممالک کے آئینوں اور حکمرانوں کی نہیں، اللہ وحدہ لا شریک کی ہے۔ بلا شرکتِ غیرے 'اقتدارِ اعلیٰ' کا مالک وہی ہے، جس نے زمین اور آسمانوں کو چھ روز میں اپنی حکمتِ کاملہ کے ساتھ پیدا فرمایا۔

پس قلب میں یقین اور اعضا و جوارح میں روحِ عمل پھونکنے کی ضرورت ہے اور پھر اپنے قول و فعل سے للکار کر امریکی و اسرائیلی و بھارتی ورلڈ آرڈر اور اس کے غلاموں کو کہنے کی ضرورت ہے:

ع پادشاہوں کی نہیں، اللہ کی ہے یہ زمیں!

اللهم وفقنا كما تحب و ترضى وخذ من دمائنا حتى ترضى. اللهم زدنا ولا تنقصنا وأكرمنا ولا تهنّا وأعطنا ولا تحرمنا وآثرنا ولا تؤثر علينا وأرضنا وارض عنا. اللهم إنّا نسئلك الثّبات في الأمر ونسئلك عزيمة الرشد ونسئلك شكر نعمتك وحسن عبادتك. اللهم انصر من نصر دين محمد صلى الله عليه وسلم واجعلنا منهم واخذل من خذل دين محمد صلى الله عليه وسلم ولا تجعلنا منهم، آمين يا ربّ العالمين!

◆◆◆◆◆

مجلّہ 'نوائے غزوۂ ہند' اہلِ دین و دانش کے نصائح، رائے اور مشورے کا محتاج ہے
اور چاہتا ہے کہ اہلِ دین و دانش کے
قیمتی نصائح، رائے اور مشورے ادارے تک پہنچیں۔

editor@nghmag.com

بد نظری اور عشق مجازی کی تباہ کاریاں اور اس کا علاج

حضرت مولانا شاہ حکیم محمد اختر نوّر اللہ مرقدہٗ

احقر محمد اختر عفا اللہ تعالیٰ عنہ عرض کرتا ہے کہ اس زمانے میں اہلِ تقویٰ، اہلِ دین، اہلِ اصلاح اور جملہ سالکین طریق کے لیے تباہی کا سامان فتنۃُ النساء سے زیادہ فتنۃ الامارد ہے۔ اور چونکہ فتنۃ الامارد میں ظاہری موانع کم ہیں، اس لیے نفس کو شیطان جلد اس فتنے میں مبتلا کر دیتا ہے۔ اور اکثر نامحرم عورتوں کی بدنگاہی تک کا مجرم بناتا ہے۔ حکیم الامت مجدد الملت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں۔

۱۔ غیر محرم عورت یا مرد (خوبصورت نوجوان) سے کسی قسم کا علاقہ (تعلق) رکھنا، خواہ اس کو دیکھنا یا دل خوش کرنے کے لیے اس سے باتیں کرنا، تنہائی میں اس کے پاس بیٹھنا، یا اس کے دل کو خوش کرنے کے لیے اپنے لباس کو سنوارنا اور کلام کو نرم کرنا۔ میں سچ عرض کرتا ہوں کہ اس تعلق سے جو خرابیاں پیدا ہوتی ہیں اور جو مصائب پیش آتے ہیں، ان کو میں تحریر کے دائرے میں نہیں لا سکتا۔

۲۔ عشقِ مجازی عذابِ الٰہی ہے۔ جس طرح دوزخ میں موت اور زندگی کے درمیان انسان پریشان ہوگا (لا یموت فیھا ولا یحییٰ)، اسی طرح بد نظری کے بعد انسان عشقِ مجازی میں مبتلا ہو کر تڑپتا رہتا ہے، سکون کی نیند سے بھی محروم ہو جاتا ہے۔ دنیا اور دین دونوں تباہ ہوں گے اور آخرکار پاگل خانے میں داخل ہوگا۔ پاگل خانے میں آج کل نوے فیصد عشق مجازی کے مریض ہیں جو وی سی آر، سینما، ٹی وی، اور ناول پڑھ کر پاگل ہوئے ہیں۔

۳۔ بد نظری کے بعد عشق مجازی میں مبتلا ہو کر اگر گناہ کی نوبت آ گئی تو فاعل اور مفعول دونوں ہمیشہ کے لیے ذلیل ہو جاتے ہیں (ایک دوسرے سے نظر کبھی نہ ملا سکیں گے)۔ اور جس طرح شفیق باپ چاہتا ہے کہ میرے بیٹے عزت سے رہیں، کسی بد فعلی میں ذلیل نہ ہوں، تو اللہ تعالیٰ کی رحمتِ غیر محدود بھی یہی چاہتی ہے کہ میرے بندے کسی ذلیل فعل سے حقیر اور رسوا نہ ہوں اور تقویٰ کے ساتھ رہ کر باعزت زندگی گزاریں اور حلال پر اکتفا کریں اور حرام سے صبر کریں۔ اور جب اہلِ دنیا دنیا کی لذتوں سے اپنی آنکھیں ٹھنڈی کریں تو میرے خاص بندے میری عبادت اور میرے ذکر کی لذت سے اپنی آنکھیں ٹھنڈی کریں اور یہ ٹھنڈک دائمی ہے، دُنیاوالوں کی ٹھنڈک ہزاروں بلاؤں سے گھری ہوئی اور فانی ہے۔

احقر کے دو شعر ہیں:

دشمنوں کو عیش آب و گِل دیا
دوستوں کو اپنا دردِ دل دیا

ان کو ساحل پر بھی طغیانی ملی
مجھ کو طوفانوں میں بھی ساحل دیا

اسی لیے خواجہ صاحب فرماتے ہیں:

ڈال کر ان پر نگاہِ شوق کو
جان آفت میں نہ ڈالی جائے گی
حُسنِ فانی پر اگر تو جائے گا
یہ منقش سانپ ہے ڈس کھائے گا

مولانا اسعد اللہ صاحب محدث مظاہر العلوم سہارن پور خلیفہ حضرت حکیم الامت مجدد الملت تھانویؒ فرماتے ہیں:

عشقِ بتاں میں اسعد کرتے ہو فکرِ راحت
دوزخ میں ڈھونڈتے ہو جنت کی خوابگاہیں

حُسنِ فانی پر حضرت مرشدنا و مولانا شاہ ابرار الحق صاحب دامت برکاتہم نے خانقاہِ گلشن اقبال میں یہ شعر سنایا:

دورِ نشاط چل بسا گردش جام ہوچکی
ساقیا گلعذار کی ترکی تمام ہوچکی

احقر محمد اختر عفا اللہ تعالیٰ عنہ عرض کرتا ہے کہ بد نظری کرنے والے پر حضور ﷺ کی بد دعا ہے۔ لعن اللہ الناظر والمنظور الیہ...... اللہ تعالیٰ لعنت فرمائے بد نظری کرنے والے پر اور جو بد نظری کی دعوت دے یعنی جو بے پردہ پھرے اس پر بھی۔ اولیا کی بد دعا سے ڈرنے والے سید الانبیاء ﷺ کی بد دعا سے ڈریں۔ اللہ ہم سب کی حفاظت فرمائیں۔

چند دن کا حُسن جادو کی طرح پاگل کرتا ہے پھر کچھ ہی دن میں چہرے کا جغرافیہ بدل جاتا ہے اور بڑھاپے میں تو نقشہ ہی عجیب ہوتا ہے۔ احقر کا اسی فنائے حُسن پر یہ شعر ہے:

ادھر جغرافیہ بدلا اُدھر تاریخ بھی بدلی
نہ اُن کی ہسٹری باقی نہ میری ہسٹری باقی

ایک پرانا شعر یاد آیا:

کسی خاکی پہ مت کر خاک اپنی زندگانی کو
جوانی کر فدا اس پر کہ جس نے دی جوانی کو

اس خطرناک مرض سے کتنے جوانوں کی زندگی تباہ ہوگئی۔ احقر کے اشعار ہے:

سنبھل کر رکھ قدم اے دل! بہارِ حسنِ فانی میں
ہزاروں کشتیوں کا خون ہے بحر جوانی میں
وہ جوانانِ چمن اور ان کا ظالم بانکپن
دیکھتے ہی دیکھتے سب ہوگئے دشت و دمن

بدنظری کے بارے میں جو آیت نازل ہوئی کہ اِنَّ اللّٰہَ خَبِیۡرٌۢ بِمَا یَصۡنَعُوۡنَ...... اور اللہ تعالیٰ تمہاری بدنگاہیوں کی تمام مصنوعات سے باخبر ہے۔ احقر کا شعر ہے:

جو کرتا ہے تُو چھپ کے اہلِ جہاں سے
کوئی دیکھتا ہے تجھے آسماں سے

حق تعالیٰ نے بدنگاہی کے فعل اور عمل کو صنعت سے کیوں تعبیر فرمایا، اس میں کیا حکمت ہے۔ بات یہ ہے کہ بدنگاہی کرنے والا اپنے دل میں معشوق کے لیے اپنی مختلف تمناؤں کا فیچر (تصویر) بناتا ہے۔ خیالی پلاؤ میں کبھی بوسہ لیتا ہے، کبھی سینے سے لگاتا ہے، وغیرہ وغیرہ۔ اسی وجہ سے مختلف صنعتوں سے باخبر ہونے کو حق تعالیٰ نے اس آیت میں ذکر فرمایا ہے۔ چنانچہ علامہ آلوسی سید محمود بغدادی (مفتی بغداد) اپنی تفسیر رُوح المعانی میں اس آیت کی تفسیر چار عنوانات سے ارشاد فرماتے ہیں:

۱۔ باجالۃ النظر: تمہارا نظر گھما گھما کر بدنگاہی کرنے سے اللہ تعالیٰ باخبر ہیں۔

۲۔ باستعمال سائر الحواس: بدنگاہی کرنے والا تمام حواسِ خمسہ سے حرام لذت لینے کی کوشش شروع کردیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کی ہر حرکت سے باخبر ہے۔ یعنی دیکھنے (باصرہ)، سننے (سامعہ)، چکھنے (ذائقہ)، چھونے (لامسہ)، سونگھنے (شامہ)، ہر وقت کے استعمال کو خدا دیکھ رہا ہے۔

۳۔ بتحریک الجوارح: اور اللہ تعالیٰ بدنظری کرنے والے کے تمام اعضاء کی حرکات سے باخبر ہے۔ یعنی محبوب مجازی کو حاصل کرنے کے لیے یہ ہاتھ پاؤں اور جُملہ اعضاء جس طرح استعمال کرتا ہے سب خدا دیکھ رہا ہے اور باخبر ہے۔

۴۔ بما یقصدون بذلک: اور بدنگاہی کرنے والے کا اس بدنگاہی سے جو آخری مقصد ہے یعنی بدفعلی اس سے بھی اللہ باخبر ہے۔ اس جملۂ خبریہ میں جملۂ انشائیہ پوشیدہ ہے۔ یعنی سخت پٹائی ہوئی اور سخت سزا دی جائے گی۔

احقر کو تمام زندگی میں بہت کثیر تعداد میں بدنگاہی اور عشق مجازی کے مریض ملے اور سب نے یہی کہا کہ زندگی تلخ، نیند حرام، بے چینی، موت کی آرزو، خودکشی کے خیالات، صحت خراب، دل میں گھبراہٹ، دل و دماغ کمزور، کسی کام میں جی نہیں لگتا۔ میں نے ہمیشہ یہی عرض کیا کہ عشق مجازی اور غیرُ اللہ کو دل دینے کا یہی عذاب ہے اور یہ شعر احقر اس قسم کے پریشان حالوں کی خدمت میں پیش کرتا ہے۔

ہتھوڑے دل پہ ہیں مغزِ دماغ میں کھونٹے
بتاؤ عشق مجازی کے مزے کیا لوٹے

اصلاحِ عشق مجازی کے سلسلے میں احقر کے چند اشعار اور ملاحظہ ہوں:

نہیں علاج کوئی ذوقِ حسن بینی کا
مگر یہی کہ بچا آنکھ بیٹھ گوشے میں
اگر ضرور نکلنا ہو تجھ کو سُوئے چمن
تو اہتمام حفاظت نظر ہو توشے میں

ان کا چراغ حسن بجھا یہ بھی بجھ گئے
بلبل ہے چشم نم گلِ افسردہ دیکھ کر

یہ حسین جو آج زمین پر چل پھر رہے ہیں ایک قبر میں مٹی ہونے والے ہیں۔ مرنے کے بعد قبر کھول کر دیکھو گے تو صرف مٹی ہی نظر آئے گی۔ اگر اس سے پوچھو کہ اے مٹی تیرا کون سا حصہ گال تھا اور کون سا حصہ بال تھا اور کون سا حصہ آنکھ تھا تو وہاں صرف مٹی ہی ملے گی۔ پہچان نہ سکو گے کہ کون سی مٹی آنکھ تھی، کون سی ناک تھی، کون سی گال تھی۔ اللہ تعالیٰ نے امتحان کے لیے مٹی پر ڈسٹمپر کردیا ہے کہ کون اس ڈسٹمپر پر مرتا ہے اور کون حکمِ پیغمبر پر جان دیتا ہے۔ اگر یہ نقش و نگار اور چمک دمک مٹی پر نہ ہوتی تو پھر امتحان ہی کیا ہوتا اس لیے ڈسٹمبر سے دھوکہ نہ کھایئے، بہت سے سالک اس سے دھوکہ کھا کر تباہ ہوگئے اور اللہ تک نہ پہنچ سکے۔ میرا شعر ہے:

میر مارے گئے ڈسٹمپر سے
ورنہ مٹی کی حقیقت کیا تھی

لہٰذا ایسی فانی چمک دمک سے کیا دل لگانا۔ فنائیتِ حُسن پر احقر کے چند اشعار ملاحظہ ہوں:

کسی گلفام کو کفنا رہا ہوں
جنازہ حسن کا دفنا رہا ہوں
لگانا دل کا ان فانی بتوں سے
عبث ہے، دل کو یہ سمجھا رہا ہوں

شیریں لبی کے ساتھ وہ شیریں دہن بھی تھا
آغوشِ موت میں وہی زیرِ کفن بھی تھا

بلکہ مرنے سے پہلے ہی وقت گزرنے کے ساتھ جب چہرے سے نمک جھڑ جاتا ہے اور ناک نقشے کا جغرافیہ بگڑ جاتا ہے۔

اور کمر جھک کے مثلِ کمانی ہوئی
کوئی نانا ہوا، کوئی نانی ہوئی
ان کے بالوں پہ غالب سفیدی ہوئی
کوئی دادا ہوا، کوئی دادی ہوئی

تو عشق کا بھی جنازہ نکل جاتا ہے اور عاشقانِ مجازی اپنے ہاتھوں سے اپنے عشق کا جنازہ دفن کر کے نہایت حسرت وندامت سے بھاگتے ہیں۔ اس حقیقت پر احقر کے دو شعر:

ان کے چہرے پہ کھچڑی داڑھی کا
ایک دن تم تماشہ دیکھو گے
میر اس دن جنازہ الفت کا
اپنے ہاتھوں سے دفن کردو گے

اس لیے محبت کے قابل صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے جس کے حسن وجمال پر کبھی زوال نہیں بلکہ ہر لمحہ اس کی ایک نئی شان ہے۔ كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِيْ شَأْنٍ...... حق تعالیٰ کی ذات سے ان کی صفات کا انفکاک وانفصال محال ہے۔ برعکس دنیا کے حسینوں کا حُسن ہر لمحہ علیٰ معرض الزوال ہے۔ یہ اجسام قبروں میں اُترنے والے ہیں، کالے بال سفیدی سے بدلنے والے ہیں، کمریں جھکنے والی ہیں، آنکھوں سے کیچڑ بہنے والا ہے، چہروں کے نور سے دُھواں اُٹھنے والا ہے۔ کہاں زندگی ضائع کرتے ہو۔

احقر کے چند شعر ملاحظہ ہوں:

آج کچھ ہیں کل اور کچھ ہوں گے
حُسنِ فانی سے دل لگانا کیا

میر مت مرنا کسی گلفام پر
خاک ڈالو گے انہیں اجسام پر

سانپ جاتا ہے تو لکیر چھوڑ جاتا ہے لیکن حُسن کا سانپ اس طرح جاتا ہے کہ حُسن کے آثار ونشانات کی ایک لکیر بھی باقی نہیں رہتی اس وقت عشاق مجازی حیرت زدہ ہو کر ہاتھ ملتے رہ جاتے ہیں۔

حُسنِ رفتہ کا تماشہ دیکھ کر
عشق کے ہاتھوں کے طوطے اُڑ گئے

حسین صورتوں کا انجام سامنے رہے تو مجاہدہ آسان ہو جائے۔ احقر کا ایک اور شعر ہے:

ان کے بچپن کو ان کے بچپن سے
پہلے سوچو تو دل نہیں دو گے

اور فنائیتِ حسن کا یہ مراقبہ تو نفس کو بہلانے کے لیے ہے تاکہ ایسی عارضی وفانی چیز کی طرف مائل نہ ہو لیکن فنائیتِ حسن کے سبب حسن سے باز رہنا یہ تو بندگی کا نہایت گھٹیا درجہ ہے۔ اس کے معنیٰ تو یہ ہوئے کہ اگر ان حسینوں کا حسن فانی نہ ہوتا تو نعوذ باللہ ہم ان سے دل لگا لیتے۔ لہٰذا عبدیت وبندگی کا اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ ہم یوں کہیں کہ اے اللہ آپ کی محبت اور آپ کی عظمت اور آپ کے جو ہم پر احسانات ہیں ان کا حق تو یہ ہے کہ اگر قیامت تک ان حسینوں کے حُسن پر زوال نہ آئے اور ان کے حُسن کی آب وتاب یوں ہی باقی رہے تب بھی ہم ان کی طرف نظر اُٹھا کر نہ دیکھیں گے۔ کیونکہ جس خوشی سے آپ ناخوش ہوں، آپ کی ناخوشی کی راہوں سے جو خوشی حاصل ہوتی ہے، وہ لعنتی خوشی ہے۔ میرا ہی شعر ہے:

ہم ایسی لذتوں کو قابلِ لعنت سمجھتے ہیں
کہ جن سے رب مرا اے دوستو ناراض ہوتا ہے

اور گناہ کی ذرا سی دیر کی لذت میں ہزاروں کلفتیں اور ہزاروں غم پوشیدہ ہیں۔ گناہ کا ارادہ اس اسکیم کا نقطۂ آغاز ہے جس کے بعد دل میں چین وسکون کا خواب بھی نہیں آسکتا۔

ہر عشقِ مجازی کا آغاز برا دیکھا
انجام کا یا اللہ کیا حال ہوا ہوگا

اس لیے کہ دل میں مردار آیا اور دل مردہ ہوا۔ یہ حسین ایک دن مردہ ہونے والے ہیں۔ اس وقت اگرچہ زندہ ہیں لیکن چونکہ حادث وفانی ہیں لہٰذا جب یہ دل میں آئیں گے تو حدوث وفنا کے اثرات کے ساتھ آئیں گے۔ ایسے قلب میں تعلق مع اللہ کی لذت وحلاوت نہیں رہ سکتی۔ مثلاً ایک کمرے میں آپ لوگ کھانا کھا رہے ہوں، مزے مزے کے کھانے لگے ہوں کہ اتنے میں ایک جنازہ آگیا اور اسی کمرے میں رکھ دیا گیا تو بتائیے اب کھانے کا مزہ آئے گا۔ اسی طرح جب دل میں مُردہ آگیا تو تعلق مع اللہ کا مزہ باقی نہیں رہ سکتا۔ اللہ ایسے قلب میں نہیں آتا جس میں غیرُ اللہ کی بدبُو اور غلاظت بھی ہو۔ حضرت مولانا شاہ محمد احمد صاحبؒ فرماتے ہیں:

نہ کوئی راہ پا جائے نہ کوئی غیر آ جائے
حریم دل کا احمد اپنے ہر دم پاسباں رہنا

اسی لیے اہلُ اللہ ہر وقت اپنے قلب کی نگرانی کرتے ہیں کہ نفس کہیں سے کوئی حرام لذت نہ چُرا لے۔ اس لیے وہ ایسی صورتوں کو بھی قریب نہیں آنے دیتے جن سے احتیاط واجب ہے۔ اس نفس کو تو تھوڑا سا غم ہوتا ہے لیکن اس غم کے فیض سے ان کا دل ہر وقت مست و سرشار اور حق تعالیٰ کے قُربِ عظیم سے مشرف رہتا ہے۔ احقر کا شعر ہے:

مرے ایام غم بھی عید رہے
ان سے کچھ فاصلے مفید رہے

جب آفتاب نکلنے والا ہوتا ہے تو مشرق کا پورا اُفق سرخ ہو جاتا ہے، یہ علامت ہوتی ہے کہ آفتاب طلوع ہونے والا ہے۔ اسی طرح جو شخص اپنی حرام آرزوؤں کے خون سے اپنے دل کے آفاق کو لال کرتا ہے اس دل میں حق تعالیٰ کے قُرب کا آفتاب طلوع ہوتا ہے۔ احقر کے چند شعر ہیں:

وہ سرخیاں کہ خونِ تمنا کہیں جسے
بنتی ہیں شفق میں مطلع خورشید قرب کی
مرا انجامِ الفت میر تم بھی دیکھتے جانا
مری ویرانیاں آباد ہیں خونِ تمنا سے
مگر خونِ تمنا سے جو بنتی ہے شفق احمر
انہیں آفاق سے دل میں طلوع خورشید حق ہو گا

برعکس جو لوگ نظر کی حفاظت نہیں کرتے بالآخر عشق مجازی میں مبتلا ہو کر برباد ہوتے ہیں اور ان کو دنیا ہی میں جس قدر پریشانی کا عذاب ہوتا ہے وہ خود عاشق مجاز ہی محسوس کرتا ہے۔ اور انجام کار کیا ہوتا ہے، کتنے لوگ بجائے اللہ کے اس معشوق کا نام لیتے لیتے مر گئے اور کلمہ نصیب نہ ہوا۔ اس لیے حضرات مشائخ کرام نے فرمایا ہے کہ سالک کے لیے عورتوں اور بے ریش لڑکوں سے میل جول زہر قاتل ہے۔ شیطان جب گمراہی کے ہر رستے سے مایوس ہو جاتا ہے تو صوفیوں کو عورتوں اور لڑکوں کے چکر میں پھنسانے کی کوشش کرتا ہے۔ اس کا یہ حربہ اتنا بڑا ہے کہ جو اس کے چکر میں آیا اس کا راستہ بالکل مارا گیا کیونکہ دوسرے گناہوں سے اتنی دوری اللہ تعالیٰ سے نہیں ہوتی جتنی اس گناہ سے ہوتی ہے۔ مثال کے طور پر اگر جھوٹ بول دیا یا غیبت کر لی یا جماعت کی نماز چھوڑ دی تو مثلاً اللہ تعالیٰ سے چالیس ڈگری قلب کا انحراف ہوا پھر توبہ کر لی اور دل پھر اللہ کی طرف متوجہ ہو گیا لیکن اگر کسی صورت کے عشق میں مبتلا ہو گیا تو قلب کا اللہ تعالیٰ سے ۱۸۰ ڈگری کا انحراف ہوتا ہے، قلب کا قبلہ ہی بدل جاتا ہے۔ اب اگر نماز میں کھڑا ہے تو وہ حسین سامنے ہے، تلاوت کر رہا ہے تو وہ سامنے ہے، ذکر کر رہا ہے تو وہی صورت سامنے ہے۔ قلب کا رُخ اللہ تعالیٰ سے پھر کر ایک گلنے سڑنے والی لاش کی طرف ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ سے اتنا بعد کسی گناہ سے نہیں ہوتا جتنا عشق صورت سے ہوتا ہے۔ شکاری جس چڑیا کا شکار کرنا چاہتا ہے اس کے پروں میں گوند لگا دیتا ہے جس سے وہ اڑ نہیں سکتی اور آسانی سے شکار کر لیتا ہے۔ اسی طرح شیطان جب دیکھتا ہے کہ کوئی سالک بہت تیزی سے اللہ کے راستہ میں ترقی کر رہا ہے، ہر گناہ سے بچ رہا ہے تو کسی صورت کے عشق میں مبتلا کر دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ سے بالکل محروم کر دیتا ہے۔

لہٰذا کتنی ہی حسین صورت سامنے آ جائے ہرگز اس کی طرف گوشۂ چشم سے بھی نہ دیکھیں۔ اس وقت نابینا بن جایئے، آنکھوں میں روشنی ہوتے ہوئے روشنی سے دست بردار ہو جایئے۔ احقر کا شعر ہے:

جب آ گئے وہ سامنے نابینا بن گئے
جب ہٹ گئے وہ سامنے سے بینا بن گئے

کیا اس ارحم الراحمین کو اس بات پر پیار نہیں آئے گا کہ میرا بندہ میری دی ہوئی روشنی کو کس امانت سے خرچ کر رہا ہے۔ جہاں دیکھنے سے میں راضی ہوتا ہوں وہاں دیکھتا ہے، جہاں میں ناراض ہوتا ہوں وہاں اپنی روشنی کو استعمال نہیں کرتا۔ مجھ کو راضی کرنے کے لیے اپنی آرزوؤں کا خون کر رہا ہے، اپنے دل کو میرے لیے غمگین کر رہا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ کی رحمت بھی ایسے دل کا پیار لے لیتی ہے۔ احقر کا شعر ہے:

مرے حسرت زدہ دل پر انہیں یوں پیار آتا ہے
کہ جیسے چوم لے ماں چشمِ نم سے اپنے بچے کو

ایسے ویران ٹوٹے ہوئے دل میں اللہ آ جاتا ہے اور اس دل پر خوشیاں برسا دیتا ہے۔

دلِ ویراں پہ میرا شاہ برساتا ہے آبادی
سمجھ مت میر ان کی راہ میں مرنے کی بربادی

میرے شیخ اول حضرت شاہ عبد الغنی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ ہرے بھرے درخت کے پاس آگ جلا دو تو اس کے تر و تازہ پتے مُرجھا جاتے ہیں اور دوبارہ بہت مشکل سے ہرے بھرے ہوتے ہیں۔ سال بھر کھاد پانی دو تب کہیں جا کر دوبارہ تازگی آتی ہے۔ اسی طرح ذکر و عبادات اور صحبتِ اہلُ اللہ سے قلب میں جو انوار پیدا ہوئے، اگر ایک بد نظری کر لی تو باطن کا ستیاناس ہو جاتا ہے۔ قلب میں دوبارہ ایمانی حلاوت اور ذکرُ اللہ کے انوار بحال ہونے میں بہت وقت لگتا ہے۔ بدنگاہی کی ظلمت بہت مشکل سے دور ہوتی ہے، بہت توبہ و استغفار گریہ و زاری اور بار بار حفاظت کے اہتمام کے بعد کہیں قلب کو دوبارہ حیاتِ ایمانی ملتی ہے۔

احقر عرض کرتا ہے کہ ہم سے جو گناہ نہیں چھوٹ رہے ہیں اس کا سبب یہ ہے کہ ہم اپنی ہمت کو استعمال نہیں کر رہے ہیں۔ اگر گناہ چھوڑنا ناممکن ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ وَذَرُوْا ظَاهِرَ الْاِثْمِ

وَبَاطِنَهٗ (یعنی ظاہری گناہ بھی چھوڑو اور باطنی گناہ بھی چھوڑو) کا حکم نہ دیتے۔ یہ حکم دینا اس بات کی دلیل ہے کہ ہم میں گناہ چھوڑنے کی استطاعت ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کوئی ایسا حکم نہیں دیتے جو ہماری طاقت سے باہر ہو، لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَھَا۔ اصل بات یہ ہے کہ ہم اپنے نفس کی موافقت وحمایت کر رہے ہیں جس کو آجکل کی زبان میں کہتے ہیں کہ نفس کا فیور کر رہے ہیں اسی لیے گناہوں کے فیور (بخار) میں مبتلا ہیں۔ حالانکہ نفس ہمارا سب سے بڑا دشمن ہے اور اس کی دشمنی کی خبر دینے والے مخبر صادق سید الانبیاء ﷺ ہیں۔ ارشاد فرماتے ہیں:

ان اعداء عدوك في جنبيك (تمہارا سب سے بڑا دشمن تمہارے پہلو میں ہے)۔

بتایئے! آپ کا دشمن اگر آپ کو مٹھائی پیش کرے تو آپ اسے قبول کر لیتے ہیں یا فوراً کھٹک جاتے ہیں کہ خدا خیر کرے کہیں اس مٹھائی میں کچھ زہر نہ ملا دیا ہو۔ لیکن افسوس نفس دشمن ہمیں بدنگاہی کی ذرا سی لذت دکھاتا ہے اور ہم اس کو فوراً قبول کر لیتے ہیں حالانکہ بظاہر تو یہ لذت پیش کر رہا ہے لیکن حقیقت میں سزا کا انتظام کر رہا ہے۔ بدنظری کے بعد آخرت کا عذاب تو الگ ہے، دنیا ہی میں دل بے چین ہو جاتا ہے، اس کی یاد میں تڑپے گا، نیندیں حرام ہوں گی اور اللہ سے دوری کے عذاب میں مبتلا ہو گا۔ بدنظری کا گناہ نہایت حماقت کا گناہ ہے۔ کچھ ملنا نہ ملانا مفت میں دل کو تڑپانا۔ بتایئے! پرائے مال پر نظر کرنا حماقت ہے یا نہیں۔ دیکھنے سے کیا وہ چیز مل جائے گی، جو چیز ملنے والی نہیں اسے دیکھ کر دل کو تڑپانا بے وقوفی ہے یا نہیں۔ اور بالفرض اگر مل بھی جائے تب بھی چین نہیں مل سکتا کیونکہ اللہ تعالیٰ کی ناخوشی کی راہوں سے جو خوشی درآمد ہوتی ہے اس کے اندر غم پریشانی اور بے چینی کے سیکڑوں سانپ اور بچھو ہوتے ہیں۔ اللہ کو ناراض کر کے چین کا خواب دیکھنا انتہائی بے وقوفی اور گدھا پن ہے کیونکہ اللہ خوشی اور غم کا خالق ہے۔ جو بندہ اللہ تعالیٰ کو خوش رکھتا ہے، اللہ تعالیٰ کو خوش کرنے کے لیے گناہ سے بچنے کا غم برداشت کرتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ کو خوش کرنے کے لیے اپنے دل کو ناخوش کرتا ہے، اللہ تعالیٰ بھی اس کے دل کو خوش رکھتے ہیں، بغیر اسبابِ خوشی کے اس کے دل میں خوشیوں کا سمندر موجیں مارتا رہتا ہے۔ ایسی خوشی اس کو عطا فرماتے ہیں جو بادشاہوں نے خواب میں نہیں دیکھی اور جو اللہ کو ناراض کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی زندگی کو تلخ کر دیتے ہیں۔

حق تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَمَنۡ اَعۡرَضَ عَنۡ ذِکۡرِیۡ فَاِنَّ لَهٗ مَعِیۡشَةً ضَنۡکًا... جو میری یاد سے اعراض کرے گا میں اس کی زندگی تلخ کر دوں گا۔

جو لوگ عشق مجازی میں مبتلا ہیں اور اس جال سے نکلنا چاہ رہے ہیں لیکن نکل نہیں پا رہے ہیں وہ اگر یہ چھ کام کر لیں تو ان شاء اللہ تعالیٰ نجات پا جائیں گے۔

۱۔ اللہ نے جو ہمت عطا فرمائی ہے اس سے کام لیں۔

۲۔ اللہ تعالیٰ سے عطائے ہمت کی دعا کریں۔

۳۔ خاصانِ خدا سے بالخصوص اپنے دینی مربی یا دینی مشیر سے عطائے ہمت کی دعا کرائیں۔

۴۔ ذکرُ اللہ کا اہتمام کریں۔

۵۔ اسبابِ معصیت یعنی حسین صورتوں سے قلباً و قالباً دوری اختیار کریں۔

۶۔ اور کسی اللہ والے کی صحبت میں آنا جانا رکھیں اور ان سے اصلاحی تعلق قائم کریں۔

بہر حال کیسی ہی بری حالت ہو یا کیسے ہی بُرے تقاضے دل میں پیدا ہوتے ہوں مایوس نہ ہوں۔ یہ محبت کا مادہ تو بڑی اچھی چیز ہے بشرطیکہ اس کا استعمال صحیح ہو۔ جس انجن میں پٹرول زیادہ ہوتا ہے وہ جہاز کو بہت تیزی سے لے اُڑتا ہے بشرطیکہ اس کا رُخ صحیح کر دیا جائے اگر کعبہ کی طرف رُخ کر دیا تو منٹوں میں کعبہ پہنچا دے گا لیکن اگر جہاز کا رخ مندر کی طرف کر دیا تو اتنی ہی تیزی سے مندر پہنچا دے گا۔ عشق کا مادہ تو پٹرول ہے اگر کسی اللہ والے کی صحبت سے، ذکرُ اللہ کی کثرت سے اس کا رُخ صحیح کر دیا جائے تو ایسے لوگ اتنی تیز رفتاری سے اللہ کا راستہ طے کرتے ہیں کہ غیر اہلِ محبت وہاں برسوں میں بھی نہیں پہنچ پاتے۔ چنانچہ بعض رندان بادہ نوش جب اللہ کی طرف آئے تو ایک آہ میں اللہ تک پہنچ گئے۔ جس تیز رفتاری سے وہ حُسنِ مجازی کی طرف بھاگ رہے تھے اتنی ہی تیز رفتاری سے وہ اللہ کی طرف اُڑ گئے۔ ان کے آہ و نالے، گریہ وزاری، ندامت و شکستگی، اور اللہ والے صاحبِ نسبت پر ان کی وارفتگی و آشفتگی نے ان کو ایک لمحہ میں فرش سے عرش پر پہنچا دیا۔ ایسے لوگوں کے لیے احقر کا شعر ہے:

خوبرویوں سے ملا کرتے تھے میر
اب ملا کرتے ہیں اہلُ اللہ سے
مت کرے کوئی تحقیر میر کی
رابطہ رکھتے ہیں اب اللہ سے

☆☆☆☆☆

نبی المرحمة و نبی الملحمة ﷺ

”چونکہ زبانی دعوت و تبلیغ شمشیر وسنان سے جہاد کیے بغیر مکمل نہیں ہوتی، تو اس لیے رہنماؤں کے پیشوا اور مبلغوں کے سردار محمد رسول اللہ ﷺ آخر میں کفار سے جنگ کرنے کے لیے مامور ہوئے اور دینی شعائر کی عزت اور شریعت کی سربلندی وترقی اسی رکن جہاد کی اقامت کی وجہ سے ظہور پذیر ہوئی۔“

(امیر المومنین حضرت سیّد احمد شہید رحمہ اللہ)

THE HEREAFTER

آخرت

شیخ اَنور العولقی شہید رحمہ اللہ

۵

إشراط الساعة

ذیل میں ہم ان فتنوں کا بنظرِ مختصر جائزہ لیں گے جو پیش آچکے ہیں۔

فتنے کی ابتدا

قتلِ عثمانؓ

بخاریؒ کی ایک روایت میں سیدنا حذیفہؓ بن یمان اور سیدنا عمر بن الخطابؓ کے مابین گفتگو کا ذکر ہے۔ فرماتے ہیں کہ ”كُنَّا عِنْدَ عُمَرَ فَقَالَ أَيُّكُمْ يَحْفَظُ حَدِيثَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْفِتْنَةِ كَمَا قَالَ؟ قَالَ فَقُلْتُ: أَنَا۔ قَالَ: إِنَّکَ لَجَرِيءٌ، وَكَيْفَ قَالَ؟ قَالَ قُلْتُ :سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ فِتْنَةُ الرَّجُلِ فِي أَهْلِهِ وَمَالِهِ وَنَفْسِهِ وَوَلَدِهِ وَجَارِهِ يُكَفِّرُهَا الصِّيَامُ وَالصَّلَاةُ وَالصَّدَقَةُ وَالْأَمْرُ بِالْمَعْرُوفِ وَالنَّهْيُ عَنْ الْمُنْكَرِ۔ فَقَالَ عُمَرُ: لَيْسَ هَذَا أُرِيدُ، إِنَّمَا أُرِيدُ الَّتِي تَمُوجُ كَمَوْجِ الْبَحْرِ۔ قَالَ فَقُلْتُ: مَا لَکَ وَلَهَا يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ؟ إِنَّ بَيْنَکَ وَبَيْنَهَا بَابًا مُغْلَقًا! قَالَ: أَفَيُكْسَرُ الْبَابُ أَمْ يُفْتَحُ؟ قَالَ قُلْتُ: لَا بَلْ يُكْسَرُ۔ قَالَ: ذَلِکَ أَحْرَى أَنْ لَا يُغْلَقَ أَبَدًا۔ قَالَ فَقُلْنَا لِحُذَيْفَةَ هَلْ كَانَ عُمَرُ يَعْلَمُ مَنْ الْبَابُ؟ قَالَ نَعَمْ، كَمَا يَعْلَمُ أَنَّ دُونَ غَدٍ اللَّيْلَةَ، إِنِّي حَدَّثْتُهُ حَدِيثًا لَيْسَ بِالْأَغَالِيطِ۔ قَالَ فَهِبْنَا أَنْ نَسْأَلَ حُذَيْفَةَ مَنْ الْبَابُ، فَقُلْنَا لِمَسْرُوقٍ سَلْهُ فَسَأَلَهُ فَقَالَ: عُمَرُ۔

ہم حضرت عمرؓ کے پاس تھے تو انہوں نے پوچھا کہ تم میں سے کون ہے جسے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی فتنوں کے بارے میں حدیث زیادہ یاد ہے؟ میں نے کہا: 'میں ہوں'۔ آپؓ نے فرمایا: 'تو بہت جرأت مند ہے اور وہ حدیث کیسی ہے؟'۔ میں نے کہا: 'میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا، آپ ﷺ فرماتے تھے "آدمی کے گھر والوں اور اس کے مال اور اس کی جان اور اولاد اور پڑوسی میں فتنہ ہے اور ان کا کفارہ روزہ، نماز، صدقہ، نیکی کا حکم کرنا اور برائی سے منع کرنا ہیں"۔ تو حضرت عمرؓ نے فرمایا: 'میں نے ان کا ارادہ نہیں کیا، بلکہ میرا مقصود وہ فتنے ہیں جو سمندر کی موجوں کی طرح آئیں گے'۔ میں نے کہا: 'اے امیر المومنین! آپ کو اس سے کیا غرض ہے، بیشک آپ کے اور ان فتنوں کے درمیان ایک بند دروازہ ہے'۔ حضرت عمرؓ نے دریافت فرمایا: 'اس دروازے کو توڑا جائے گا یا کھولا جائے گا؟' میں نے کہا کہ 'نہیں بلکہ اسے توڑا جائے گا'۔ عمرؓ نے فرمایا: 'اگر ایسا ہے تو پھر کبھی بند نہ کیا جا سکے گا'۔

راوی کہتے ہیں ہم نے حضرت حذیفہؓ سے پوچھا، 'کیا حضرت عمرؓ اس دروازے کے بارے میں جانتے تھے؟'، انہوںؓ نے کہا، 'جی ہاں! وہ اسی طرح جانتے تھے جیسا کہ وہ کل کے آنے سے پہلے رات کو جانتے تھے اور میں نے ان کو ایک حدیث بیان کی جو غلط الروایات سے نہ تھی'۔ پھر ہم حضرت حذیفہؓ سے دروازے کے بارے میں پوچھنے سے خوفزدہ ہوئے تو ہم نے مسروقؒ سے کہا کہ تم ان سے پوچھو۔ انہوں نے پوچھا تو حضرت حذیفہؓ نے کہا: (دروازہ) عمرؓ ہیں۔

سیدنا عمر الفاروقؓ اس امّت اور فتنوں کے درمیان ایک دروازہ تھے۔ ان کے زمانے میں امن و استحکام تھا، کہیں فتنہ و فساد نہیں تھا، وہ اسلام کے پھیلنے اور مستحکم ہونے کا زمانہ تھا۔ آپؓ کی شہادت کے بعد وہ دروازہ جس نے فتنوں کو روک رکھا تھا، وہ کھل گیا اور فتنوں کو داخل ہونے کا موقع مل گیا۔

حضرت سیدنا عمر الفاروقؓ کے بعد سیدنا عثمان بن عفانؓ مسلمانوں کے خلیفہ بنے۔ ان دونوں حضرات کی موت قتل کے نتیجے میں واقع ہوئی۔ مگر قتلِ عثمانؓ اور قتلِ عمرؓ میں فرق یہ تھا کہ عمرؓ کو ایک کافر و مشرک نے قتل کیا، ایک دشمنِ اسلام نے قتل کیا جبکہ عثمانؓ کو اسلام کا نام لینے والوں نے اسلام کے نام پر قتل کیا۔ اس وجہ سے مسلمانوں کے مابین تفرقہ و نااتفاقی کا دروازہ کھل گیا۔

حضرت عثمانؓ کے دورِ خلافت میں بعض ایسے واقعات پیش آئے جو مسلمانوں کے لیے ایک فتنہ تھے، آزمائش تھے۔ ان فتنوں کے نتیجے میں بعض مسلمان اکٹھے ہوئے اور سیدنا عثمانؓ کے گھر کا گھیراؤ کر لیا۔ وہ آپؓ سے مسندِ خلافت دستبردار ہونے کا مطالبہ کرنے لگے۔ احادیث میں وارد ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَا عُثْمَانُ إِنَّهُ لَعَلَّ اللَّهَ يُقَمِّصُکَ قَمِيصًا فَإِنْ أَرَادُوکَ عَلَى خَلْعِهِ فَلَا تَخْلَعْهُ لَهُم“۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: 'اے عثمان ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں ایک قمیص (یعنی خلافت) پہنائیں، اگر لوگ اسے اتارنا چاہیں تو مت اتارنا۔ سیدنا عثمانؓ اس فرمان کی غرض و غایت نہیں سمجھتے تھے۔ لیکن جب لوگوں نے آپؓ سے خلافت چھوڑنے کا مطالبہ کیا تو آپؓ سمجھ گئے۔ اللہ تعالیٰ نے آپؓ کو خلافت عطا فرمائی تھی، اور اب یہ لوگ چاہتے تھے کہ آپؓ اسے چھوڑ دیں، لہٰذا حضرت عثمانؓ نے انکار

کر دیا۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ، آپؓ نے ان لوگوں سے جنگ و مقابلہ کرنے سے بھی انکار کر دیا۔ حضرت علی بن ابی طالبؓ اور آپؓ کے بیٹے، حسنؓ و حسینؓ......سیدنا عثمانؓ کی حفاظت کر رہے تھے۔ سیدنا علیؓ نے حضرت عثمانؓ سے اجازت طلب فرمائی کہ آپ ہمیں حکم دیں، ہم ان (محاصرین) سے لڑائی کریں گے۔ عثمانؓ نے فرمایا: ’’میں اپنی جان کی خاطر خون کا ایک قطرہ بھی بہانا پسند نہیں کرتا۔ میں نہیں چاہتا کہ میری جان کی حفاظت کے لیے کسی کو قتل کیا جائے‘‘۔ حضرت عثمانؓ نے حضرت علیؓ کو جنگ کی اجازت نہیں دی۔ حضرت علیؓ اپنے بیٹوں کے ساتھ حضرت عثمانؓ کے گرد پہرہ دیتے رہے۔ آخر کار حملہ آور عثمانؓ کے گھر کے اندر گھس آئے۔ یہ لوگ ہزاروں کی تعداد میں مدینہ میں پھیلے ہوئے تھے اور انہوں نے حضرت عثمانؓ کے گھر کا محاصرہ کر رکھا تھا۔ بالآخر یہ اندر گھس آئے اور انہوں نے حضرت عثمانؓ کو قتل کیا اور فتنوں کا ایک طویل سلسلہ جاری کر دیا۔

رسول اللہ ﷺ نے حضرت عثمانؓ کی شہادت کی پیشن گوئی فرمائی تھی۔ ایک بار جب آپ ﷺ سیدنا ابو بکرؓ و عمرؓ اور سیدنا عثمانؓ کے ساتھ احد پہاڑ پر کھڑے تھے کہ وہ ہلنے لگا۔ رسول اللہ ﷺ نے پہاڑ سے فرمایا کہ ’’اے احد! ٹھہر جا، تیرے اوپر ایک نبی، ایک صدیق اور دو شہید ہیں‘‘۔

جنگِ جمل

حضرت عثمانؓ کے قتل کے بعد مسلمانوں کے درمیان کوئی خلیفہ نہیں تھا۔ بعض مسلمان حضرت علیؓ کے پاس آئے اور آپ کی بیعت کرنا چاہی۔ مگر حضرت علیؓ نے بیعت لینے سے انکار کر دیا اور فرمایا کہ مسلمانوں کی شوریٰ کا انتظار کرو یہاں تک کہ وہ مل کر کوئی فیصلہ کر لیں۔ ان لوگوں نے حضرت علیؓ سے کہا کہ عثمانؓ کو قتل کیا جا چکا ہے، فتنہ پھیل رہا ہے اور عثمانؓ کے قاتل عالمِ اسلام میں پھیلتے جائیں گے اور مسائل بڑھتے چلے جائیں گے۔ اور وہ حضرت علیؓ سے اصرار کرتے رہے یہاں تک کہ سیدنا علیؓ کو خلیفہ بننے پر راضی کر لیا۔ مسلمانوں کو ایک قائد کی ضرورت تھی جو انہیں جوڑتا اور متحد کرتا۔ لہٰذا ان لوگوں نے اور حضرت زبیرؓ و طلحہؓ نے حضرت علیؓ کی بیعت کر لی۔

قاتلینِ عثمانؓ اب حضرت علیؓ کے لشکر میں شامل ہو گئے، وہ سینکڑوں اور ہزاروں کی تعداد میں تھے، وہ پورے لشکر میں پھیل گئے اور مدغم ہو گئے۔ حضرت عثمانؓ کی مظلومانہ شہادت کے بعد حضرت طلحہؓ، زبیرؓ اور حضرت ام المومنین عائشہؓ سیدنا عثمانؓ کے قتلِ ناحق کا بدلہ لینا چاہتے تھے۔ حضرت عثمانؓ کے یہ قاتلین بھی حضرت علیؓ کے پاس آئے اور ان سے حضرت عثمانؓ کے قاتلوں کے لیے عدالت قائم کرنے کا مطالبہ کیا۔ حضرت علیؓ نے جواب دیا کہ ’’حق یطالب اولیاءہ بدمہ...‘‘۔ یعنی قصاص کا مطالبہ مقتول کے اولیاء کا حق ہے۔ اولیاء سے مراد انسان کے قریب ترین رشتہ دار ہیں۔ شریعتِ اسلامی کے مطابق، اگر کوئی شخص قتلِ عمد کا شکار ہو جائے، تو اس کے قریب ترین عزیز و اقارب انصاف و قصاص کا مطالبہ کرتے ہیں۔ اور یہ انہی کا اختیار ہوتا ہے کہ وہ بدلے میں مقتول کو قتل کی سزا دلوائیں یا دیت کی ادائیگی پر راضی ہو جائیں۔ یعنی یہ حق و اختیار خالصتاً خاندان و اعزا کا ہے، عدالت یا حکمران کا نہیں۔

حضرات طلحہؓ، زبیرؓ اور ام المومنین حضرت عائشہؓ نے حضرت علیؓ کا یہ جواب قبول کیا اور ان سے متفق ہو گئے۔ اس وقت تک معاملہ صحیح رخ پر چل رہا تھا، حالات معمول پر تھے۔ مگر رات کے دوران، حضرت عثمانؓ کے قاتل جو حضرت علیؓ کے لشکر میں مدغم ہو چکے تھے، ان میں سے بعض نے حضرت طلحہؓ، زبیرؓ اور حضرت عائشہؓ کے لشکر پر حملہ کر دیا۔ حضرت طلحہؓ، زبیرؓ اور عائشہؓ اتنے بڑے لشکر کے ساتھ وہاں حضرت علی سے جنگ و قتال کرنے کے ارادے سے نہیں آئے تھے، بلکہ وہ تو انصاف طلب کرنے آئے تھے۔ مگر جب رات کے دوران یہ حملہ ہوا تو حضرت طلحہؓ اور زبیرؓ یہ سمجھے کہ علیؓ نے ان پر حملہ کیا ہے اور یہ جنگ شروع ہو گئی۔ مگر یہ ایک بے حد مختصر لڑائی تھی۔ بالآخر حضرت علیؓ صورتحال پر قابو پانے اور سب کو یہ بتانے میں کامیاب ہو گئے کہ حملہ ان کی جانب سے نہیں کیا گیا، اور ایک بار پھر جانبین کے درمیان صلح اور اتفاق رائے پیدا ہو گیا۔

عن ابی رافع ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال لعلى ابن ابي طالب، انه سيكون بينك و بين عائشة امر. قال انا يا رسول الله؟ قال نعم، قال انا يا رسول الله؟ قال نعم، قال فانا اشقاهم يا رسول الله!، قال: لا ولكن اذا كان ذلك فارددها الى مأمنها"۔

مسند احمد کی ایک روایت کے مطابق حضرت علی بن ابی طالبؓ کو نبی کریم ﷺ نے خبردار کیا تھا کہ ممکن ہے کہ تمہارے اور عائشہ کے مابین کچھ (معاملہ) پیدا ہو جائے، اس پر حضرت علیؓ نے پوچھا کہ کیا میرے (اور امّ المومنین کے مابین؟)، نبی ﷺ نے فرمایا ’ہاں‘۔ آپؓ نے پھر پوچھا ’کیا میرے (اور امّ المومنین کے مابین؟)، آپ ﷺ نے فرمایا: ’ہاں‘۔ اس پر حضرت علیؓ نے کہا: ’پھر تو میں لوگوں میں سب سے بد نصیب ہوں۔ تو نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ، ’’نہیں، بلکہ جب ایسا ہو تو عائشہ کو بحفاظت واپس پہنچا دینا‘‘۔ جنگِ جمل کے موقع پر حضرت علیؓ حضرت عائشہؓ کے پاس تشریف لے گئے اور اپنے لشکر کے بعض قابلِ اعتماد و ذمہ دار ساتھیوں کے ہمراہ انہیں بحفاظت واپس مدینہ پہنچا دیا۔ یہ اس پیشن گوئی کی تکمیل تھی جو نبی کریم ﷺ کی زبان مبارک سے ارشاد ہوئی تھی۔

جنگِ صفین

یہ ایک بہت بڑا فتنہ تھا۔ بخاری و مسلم سے مروی ایک حدیث میں رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: ’’لَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتَّى تَقْتَتِلَ فِئَتَانِ عَظِيمَتَانِ وَتَكُونُ بَيْنَهُمَا مَقْتَلَةٌ عَظِيمَةٌ وَدَعْوَاهُمَا وَاحِدَةٌ‘‘۔ قیامت قائم نہ ہوگی یہاں تک کہ دو عظیم جماعتوں کے مابین جنگ

وجدل نہ ہو جائے اور ان کے درمیان ایک بہت بڑی لڑائی ہو گی اور دونوں کا دعویٰ ایک ہو گا (کہ ہم رضائے الٰہی اور اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے جہاد کر رہے ہیں)۔ ایک ہی دعوے اور ایک ہی مقصد کے لیے دو گروہ کیسے جنگ کر سکتے ہیں؟ بالعموم تو جنگ اور نزع وہیں پیدا ہوتا ہے جہاں رائے اور مقاصد میں ضد اور مقابلہ ہو۔ مگر یہاں اس حدیث کا مصداق جنگِ صفین کو اس لیے کہا جا رہا ہے کیونکہ واقعہ کچھ یوں ہوا کہ قاتلینِ عثمانؓ ہزاروں کی تعداد میں حضرت علیؓ کے لشکر میں شامل تھے۔ حضرت امیر معاویہؓ جو حضرت عثمانؓ کے قریبی رشتہ دار اور ولی تھے، نے حضرت عثمانؓ کے قتل کا بدلہ لینے کے لیے حضرت علیؓ سے قاتلینِ عثمان کو حوالے کرنے کا مطالبہ کیا۔ حضرت علیؓ نے جواب دیا کہ میں ضرور حوالے کروں گا، لیکن پہلے مجھے اپنی خلافت (یعنی حاکمیت و اختیار) قائم کرنے کے لیے تمہاری بیعت کی ضرورت ہے۔ جب تک تم اور تمام مسلمان میری خلافت کی بیعت نہیں کرتے، اور مجھے تمام مسلمانوں پر اختیار حاصل نہیں ہو جاتا، تب تک میں قاتلینِ عثمان کو تمہارے حوالے نہیں کر سکتا۔

حضرت علیؓ کا موقف درست تھا۔ قاتلینِ عثمانؓ ہزاروں کی تعداد میں تھے اور آپؓ کے لشکر میں پھیلے ہوئے تھے۔ اگر آپؓ اس حالت میں جبکہ آپؓ کو تمام مسلمانوں کی متفقہ حمایت حاصل نہ تھی، اتنے بڑے گروہ کو پکڑنے کی کوشش کرتے تو ایک بہت بڑا فتنہ بپا ہو جاتا، جس کا سدِ باب کرنا اس کمزوری کی حالت میں نہایت مشکل ثابت ہوتا۔ مسلمان متحد و متفق ہونے کے بجائے مزید تقسیم و انتشار کا شکار ہو جاتے۔ مگر حضرت معاویہؓ نے اس سے انکار کر دیا اور فرمایا کہ جب تک آپ عثمانؓ کے قاتلوں کو میرے حوالے نہیں کریں گے، تب تک میں آپ کی بیعت نہیں کروں گا۔ یہ حضرت امیر معاویہؓ کا ایک اجتہاد تھا جو درست نہ تھا۔ لیکن ایک غلط اجتہاد کرنے کا مطلب یہ نہیں کہ حضرت امیر معاویہؓ نبی کریم ﷺ کے صحابی اور کاتبِ وحی نہ تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے نہ صرف قرآنِ کریم کی کتابت کا عظیم کام ان کے سپرد کیا تھا بلکہ وہ رشتہ میں ام المومنین امّ حبیبہ بنت ابی سفیان کے بھائی ہونے کے ناتے رسول اللہ ﷺ کے برادرِ نسبتی بھی تھے۔

حضرت علیؓ اور ان کے ساتھیوں کا موقف درست تھا۔ اس کی ایک علامت یہ بھی تھی کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمّار بن یاسرؓ سے فرمایا تھا کہ تقتلك فئة الباطل، تمہیں زیادتی کرنے والا گروہ قتل کرے گا۔ حضرت عمّار بن یاسرؓ حضرت علیؓ کے لشکر میں شامل تھے اور مخالف لشکر، یعنی حضرت امیر معاویہؓ کے لشکر کے ہاتھوں قتل ہوئے۔

الخوارج

حضرت علیؓ اور حضرت امیر معاویہؓ کے مابین جنگ کے دوران، حضرت علیؓ کو بالا دستی حاصل تھی۔ حضرت امیر معاویہ کے لشکر کی حالت اس قدر دگرگوں ہو گئی کہ بالآخر انہوں نے اپنے نیزوں کے ساتھ قرآن مجید کے مصاحف باندھ لیے، جس پر حضرت علیؓ نے جنگ روک دی۔ حضرت علیؓ کے لشکر میں ایسے لوگ موجود تھے جن کا مفاد جنگ اور قتل و غارت گری سے وابستہ تھا، اور وہ جنگ جاری رکھنا چاہتے تھے۔ ان میں بااثر افراد بھی تھے، جیسے قبیلوں کے سردار، جو اس مسئلے کو بھڑکانے اور ہوا دینے کی کوشش میں مصروف تھے۔ یہ لوگ کہنے لگے کہ علی کیسے اپنا ہاتھ روک سکتے ہیں؟ یہ اللہ کا حکم ہے! علیؓ انسانوں کی رائے کو اللہ کے حکم پر ترجیح دے رہے ہیں۔

ابتدا میں، ان لوگوں نے علیؓ پر ایک غلطی کا ارتکاب کرنے کا الزام لگایا۔ اور یہ لوگ اس انتہا تک جا پہنچے کہ آخر میں حضرت علیؓ پر کفر کا الزام لگایا۔ حضرت معاویہؓ کو یہ لوگ پہلے ہی کفر کا مرتکب قرار دے چکے تھے۔ یہ لوگ حضرت علیؓ کے لشکر سے نکل گئے اور یہیں سے انہوں نے اپنا نام 'خوارج' پایا۔ خوارج سے مراد نکل جانے والے یا علیحدہ ہو جانے والے لوگ ہیں۔ حضرت علیؓ نے ان لوگوں سے گفتگو و مذاکرات کرنے کے لیے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو بھیجا۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ ان میں سے چار ہزار کو قائل کر کے واپس لانے میں کامیاب ہو گئے۔ اس کے باوجود ایک کثیر تعداد اپنی فکر اور نظریے پر قائم رہی اور یہی لوگ فرقۂ خوارج کی شروعات ثابت ہوئے۔

خارجی فکر کے بیج رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں بھی موجود تھے۔ خوارج کی بنیادی صفت ان کی شدت و انتہا پسندی ہے۔ بخاریؒ حضرت ابو سعید الخدریؓ سے مروی ایک حدیث ذکر کرتے ہیں: أَنَّ أَبَا سَعِيدٍ الْخُدْرِيَّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ بَيْنَمَا نَحْنُ عِنْدَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ يَقْسِمُ قِسْمًا أَتَاهُ ذُو الْخُوَيْصِرَةِ وَهُوَ رَجُلٌ مِنْ بَنِي تَمِيمٍ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ اعْدِلْ فَقَالَ وَيْلَكَ وَمَنْ يَعْدِلُ إِذَا لَمْ أَعْدِلْ قَدْ خِبْتَ وَخَسِرْتَ إِنْ لَمْ أَكُنْ أَعْدِلُ فَقَالَ عُمَرُ يَا رَسُولَ اللَّهِ ائْذَنْ لِي فِيهِ فَأَضْرِبْ عُنُقَهُ فَقَالَ دَعْهُ فَإِنَّ لَهُ أَصْحَابًا يَحْقِرُ أَحَدُكُمْ صَلَاتَهُ مَعَ صَلَاتِهِمْ وَصِيَامَهُ مَعَ صِيَامِهِمْ يَقْرَئُونَ الْقُرْآنَ لَا يُجَاوِزُ تَرَاقِيَهُمْ يَمْرُقُونَ مِنْ الدِّينِ كَمَا يَمْرُقُ السَّهْمُ مِنْ الرَّمِيَّةِ يُنْظَرُ إِلَى نَصْلِهِ فَلَا يُوجَدُ فِيهِ شَيْءٌ ثُمَّ يُنْظَرُ إِلَى رِصَافِهِ فَمَا يُوجَدُ فِيهِ شَيْءٌ ثُمَّ يُنْظَرُ إِلَى نَضِيِّهِ وَهُوَ قِدْحُهُ فَلَا يُوجَدُ فِيهِ شَيْءٌ ثُمَّ يُنْظَرُ إِلَى قُذَذِهِ فَلَا يُوجَدُ فِيهِ شَيْءٌ قَدْ سَبَقَ الْفَرْثَ وَالدَّمَ آيَتُهُمْ رَجُلٌ أَسْوَدُ إِحْدَى عَضُدَيْهِ مِثْلُ ثَدْيِ الْمَرْأَةِ أَوْ مِثْلُ الْبَضْعَةِ تَدَرْدَرُ وَيَخْرُجُونَ عَلَى حِينِ فُرْقَةٍ مِنْ النَّاسِ قَالَ أَبُو سَعِيدٍ فَأَشْهَدُ أَنِّي سَمِعْتُ هَذَا الْحَدِيثَ مِنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَشْهَدُ أَنَّ عَلِيَّ بْنَ أَبِي طَالِبٍ قَاتَلَهُمْ وَأَنَا مَعَهُ فَأَمَرَ بِذَلِكَ الرَّجُلِ فَالْتُمِسَ فَأُتِيَ بِهِ حَتَّى نَظَرْتُ إِلَيْهِ عَلَى نَعْتِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الَّذِي نَعَتَهُ۔

"حضرت ابو سعید الخدریؓ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا کہ ہم رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی خدمت میں حاضر تھے۔ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کچھ مال تقسیم کر رہے تھے کہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس ذوالخویصرہ، جو قبیلہ بنی تمیم کا ایک شخص تھا، حاضر ہوا۔ اس نے کہا "یا رسول اللہ! انصاف کیجیے!" آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "تیری خرابی ہو اگر میں انصاف نہ کروں گا تو کون ہے جو انصاف کرے گا؟ اگر میں

انصاف نہ کروں تو بہت ناکام و نامراد ہوں گا"۔ حضرت عمرؓ نے عرض کیا کہ "یا رسول اللہ! مجھ کو اجازت دیجیے کہ میں اس کی گردن اڑادوں"۔ فرمایا: "اس کو رہنے دو، اس کے چند ساتھی ایسے ہیں جن کی نمازوں کو دیکھ کر تم اپنی نمازوں کو حقیر سمجھو گے۔ اور ان کے روزوں کے سامنے اپنے روزے کو کمتر۔ وہ قرآن کی تلاوت کریں گے مگر وہ ان کے حلق سے نیچے نہیں اترے گا، (یعنی قرآن ان کے اعمال میں نظر نہیں آئے گا۔ آپ انہیں قرآن پڑھتے سنیں گے اور یہ بہترین تلاوت کرنے والے ہوں گے، مگر ان کے قلب و روح قرآن سے خالی ہوں گے)۔ یہ دین سے اس طرح نکل جائیں گے جس طرح کمان سے تیر نکل جاتا ہے، اس کے پکڑنے کی جگہ دیکھی جائے تو اس میں کوئی چیز معلوم نہ ہوگی۔ اس کے پر دیکھے جائیں تو ان میں کوئی چیز معلوم نہ ہوگی۔ اس کے پر اور پکڑنے کی جگہ کے درمیانی مقام کو دیکھا جائے تو اس میں کوئی چیز دکھائی نہ دے گی حالانکہ وہ گندگی اور خون سے ہو کر گزرا ہے۔ ان کی نشانی یہ ہے کہ ان میں ایک سیاہ آدمی ہوگا، اس کا ایک مونڈھا عورت کے پستان یا پھڑکتے ہوئے گوشت کے لوتھڑے کی طرح ہوگا، جب لوگوں میں اختلاف پیدا ہوگا تو یہ ظاہر ہوں گے۔"

بعض اوقات تیر اپنے ہدف کو اس زور سے جا کر لگتا ہے کہ وہ سیدھا ہدف سے آر پار ہو جاتا ہے۔ وہ اتنی تیزی سے گزرتا ہے کہ خود اس کے اوپر خون کا کوئی دھبّہ بھی باقی نہیں رہتا۔ مراد یہ ہے کہ یہ خوارج اپنی شدت پسندی میں دین سے اتنی تیزی سے نکل جاتے ہیں کہ انہیں یاد بھی نہیں رہتا کہ کب یہ خود دین سے خارج ہو گئے ہیں۔ یہ لوگ کبر و غرور اور کرختگی میں ذوالخویصرہ کے مانند ہیں جس کے کبر کا یہ عالم تھا کہ وہ وقت کے نبی کو انصاف کرنے کا حکم دیتا تھا۔ یہی وہ لوگ تھے جنھوں نے حضرت عثمانؓ کو قتل کیا، صحابہؓ کے درمیان جنگوں کا سبب بنے، اور جب انہوں نے مسلمانوں کے درمیان امن اور اتفاق پیدا ہوتے دیکھا، تو یہ لوگ نکل کر علیحدہ ہو گئے۔

حضرت علیؓ کے لشکر سے علیحدہ ہونے والے ان لوگوں کو نبی کریم ﷺ کی حدیث میں مذکور افراد کا مصداق کیوں قرار دیا جاتا ہے؟ کیونکہ حدیث کے راوی حضرت ابو سعیدؓ کہتے ہیں کہ میں اس امر کی شہادت دیتا ہوں کہ میں نے یہ حدیث نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے سنی ہے اور یہ کہ حضرت علیؓ بن ابی طالب نے ان لوگوں سے جنگ کی ہے۔ میں ان کے ساتھ تھا، انھوں نے حکم دیا وہ شخص تلاش کر کے لایا گیا، میں نے اس میں وہی خصوصیات پائیں جن کو نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اس کے بارے میں بیان فرمایا تھا۔ (یہ وہ شخص تھا جو گہرے رنگ کا حامل تھا اور اس کا ایک مونڈھا عورت کے پستان کی مانند تھا، یعنی اس میں کوئی ہڈی نہیں تھی)۔

خوارج نے حضرت علیؓ سے کہا کہ تم نے حکمِ الٰہی سے دغا کی ہے۔ ان کے اس الزام پر حضرت علیؓ نے انہیں چند رعایتیں دیں اور فرمایا کہ 'میں تمھیں مسلمانوں کے ساتھ مساجد میں نماز پڑھنے کی اجازت دیتا ہوں، جب مسلمانوں میں اموالِ غنیمت تقسیم ہوں گے تو تمہیں بھی تمہارا حصّہ دوں گا اور میں تم سے کوئی تعرض نہ کروں گا جب تک تم مسلمانوں سے کوئی تعرض نہیں کرتے'۔ حضرت علیؓ کی اس فراخدلانہ پیشکش کے باوجود خوارج نے مسلمانوں کا پیچھا نہیں چھوڑا۔

صحابیٔ رسول ﷺ حضرت خباب بن ارتؓ کے بیٹے اپنی اہلیہ کے ساتھ عراق میں سفر کر رہے تھے کہ راستے میں خوارج نے انہیں روک لیا۔ انہوں نے ایک صحابی کا بیٹا ہونے کے طور پر اپنی شناخت کرائی۔ خوارج نے ان سے سوال کیا کہ تم کس کے ساتھ ہو؟ انہوں نے جواب دیا: 'میں تمہارے خلاف نہیں ہوں، مگر میں حق کے ساتھ ہوں'۔ انہوں نے حضرت خباب بن ارتؓ کے بیٹے کو قتل کر دیا۔ ان کی اہلیہ اس وقت حاملہ تھیں، خوارج نے ان کی اہلیہ کا پیٹ چاک کر کے اندر موجود بچّے کو قتل کر دیا اور پھر ان کی اہلیہ کو بھی قتل کر دیا۔ اس واقعے کے بعد حضرت علیؓ نے ان کے خلاف جنگ کا آغاز کر دیا۔ کیونکہ انہوں نے اسی شرط پر اب تک خوارج کو چھوٹ دے رکھی تھی، کہ جب تک وہ مسلمانوں کو تنگ نہیں کرتے، حضرت علیؓ بھی ان سے جنگ نہیں کریں گے۔ لیکن پھر ایک صحابیٔ رسول ﷺ کے بیٹے اور ان کی اہلیہ کے اس بہیمانہ قتل پر انہوں نے خوارج کے خلاف جنگ کا اعلان کر دیا۔

جنگِ نہروند

جنگِ نہروند میں حضرت علیؓ نے خوارج کو شکست دی اور ان کی ایک بڑی تعداد کو قتل کر دیا۔ مذکورِ بالا حدیث کے راوی، حضرت ابو سعید خدریؓ فرماتے ہیں کہ علیؓ نے ہمیں حکم دیا کہ جاؤ اور اس شخص کو تلاش کرو جس کا حلیہ نبی کریم ﷺ نے بیان فرمایا تھا۔ حضرت ابو سعیدؓ فرماتے ہیں کہ ہمیں وہ شخص لاشوں میں پڑا مل گیا اور میں نے اس بعینہ انہی خصوصیات کا حامل پایا جو نبی کریم ﷺ نے بیان فرمائی تھیں۔ اس علامت سے یہ معلوم ہوا کہ نبی ﷺ کی حدیث میں مذکور افراد وہی تھے جن سے حضرت علیؓ نے جنگ کی۔

حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ ان کو قتل کرنے والے کے لیے بہت عظیم اجر کا وعدہ ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کے بارے میں فرمایا: لَئِنْ أَدْرَكْتُهُمْ لَأَقْتُلَنَّهُمْ قَتْلَ عَادٍ، اگر میں ان کو پاتا تو انہیں قومِ عاد کی طرح قتل کرتا (صحیح مسلم)۔

قومِ عاد کو صفحۂ ہستی سے مٹا دیا گیا تھا۔ مکمل طور پہ ختم کر دیا گیا تھا، گویا وہ کبھی تھے ہی نہیں۔ اس قومِ خوارج کے لیے نبی کریم ﷺ نے یہ سزا کیوں تجویز کی؟ اس لیے کیونکہ خوارج کی ذہنیت سے ماسوائے انہیں مکمل طور پہ ختم کر دینے کے، کسی طرح معاملہ نہیں کیا جا سکتا۔ ایسی انتہا کو پہنچی ہوئی شدت پسندی سے دلیل و حجت سے بات نہیں کی جا سکتی۔ یہ لوگ خون بہانا چاہتے ہیں اور امن پر کبھی راضی نہیں ہوتے۔ اگر آپ ان کو اکیلا چھوڑ دیں اور ان سے تعرض نہ کریں، تو بھی وہ آپ کو اکیلا نہیں چھوڑیں گے۔

خوارج کے باعث مسلمانوں کے درمیان بے شمار مسائل پھیلے۔ فتنوں میں سے بعض بڑے فتنے ان کی پیداوار تھے۔ محدّثین کہتے ہیں کہ ان کا کبھی ایسے خوارج سے سابقہ نہیں پڑا جو حدیث گھڑتے ہوں۔ اہل السنۃ میں سے بہت سے لوگوں نے حدیث وضع کی، مگر خوارج کبھی جھوٹ نہیں بولتے، لہٰذا وہ احادیث بھی وضع نہیں کرتے۔ مگر ان کے دماغ انتہائی ضدّی ہوتے ہیں اور یہ خون بہانے اور قتل وغارت گری کو بہت ہلکا سمجھتے ہیں۔

فتنۂ خوارج کوئی وقتی فتنہ بھی نہیں تھا جو صرف اس دور تک محدود ہوتا۔ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں خبردار کیا ہے کہ جب بھی ان کی ایک نسل ختم ہوگی، ایک دوسری نسل پیدا ہو جائے گی یہاں تک کہ دجّال کا وقت آجائے۔ رسول اللہ ﷺ نے یہ نہیں فرمایا کہ خوارج کی پیدائش کا یہ سلسلہ کسی مستقیم طریق پر نسل در نسل جاری رہے گا۔ بلکہ یہ عالمِ اسلام کے مختلف حصّوں میں، مختلف زمانوں میں پیدا ہوتے اور ختم کیے جاتے رہتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کی فکر ایسی ہے کہ یہ کسی بھی خطے میں طویل عرصہ خود اپنا وجود برقرار نہیں رکھ سکتے۔ اگر بیرونی طاقتیں انہیں ختم نہ بھی کریں تو یہ بالآخر آپس میں لڑ مر کر خود اپنے آپ کو تباہ کرلیتے ہیں۔ پھر یہی انتہا پسندی کی فکر نئے لوگوں کے ذہنوں میں جگہ بنالیتی ہے، وہ آپس میں اور دیگر مسلمانوں سے لڑتے ہیں، ان کا بھی خون بہاتے ہیں اور اپنا بھی یہاں تک کہ بالآخر ایک دوسری نسل اپنے آپ کو ختم کرلیتی ہے۔

یمن میں ایک کہاوت ہے ”اسے لڑنے کے لیے کوئی نہ ملا، سو وہ اپنے ہی لوگوں سے لڑ پڑا“۔ یہی خوارج کی ذہنیت ہے۔

عَنْ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَنْشَأُ نَشْءٌ يَقْرَءُونَ الْقُرْآنَ لَا يُجَاوِزُ تَرَاقِيَهُمْ كُلَّمَا خَرَجَ قَرْنٌ قُطِعَ قَالَ ابْنُ عُمَرَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ كُلَّمَا خَرَجَ قَرْنٌ قُطِعَ أَكْثَرَ مِنْ عِشْرِينَ مَرَّةً حَتَّى يَخْرُجَ فِي عِرَاضِهِمْ الدَّجَّالُ

حضرت عبداللہ بن عمر سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ارشاد فرمایا: ”ایک قوم پیدا ہوگی جو قرآن کو پڑھیں گے اور قرآن ان کے نرخرے سے تجاوز نہیں کرے گا، جب بھی وہ ابھریں گے کاٹ دیئے جائیں گے، (حضرت عبداللہ بن عمر فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو فرماتے ہوئے سنا کہ جب کبھی وہ ابھریں گے کاٹ دیئے جائیں گے (اور ایسا) بیس مرتبہ سے زیادہ ہوا) یہاں تک کہ ان کی جماعت میں سے دجال خروج ہوگا“۔ (ابن ماجہ)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ یہ لوگوں میں سب سے برے ہیں۔ کیونکہ یہ کفار و مشرکین سے متعلقہ آیات لیتے ہیں اور انہیں مسلمانوں پر چسپاں کردیتے ہیں۔ یہ مسلمانوں پر کفر کے ارتکاب کا الزام لگاتے ہیں۔ اور یہ ان کی نمایاں خصوصیات میں سے ایک ہے کہ یہ مسلمانوں کی تکفیر کرنے میں بہت جلدی سے کام لیتے ہیں۔

قتلِ حسینؓ بن علیؓ

رسول اللہ ﷺ کو ایک دفعہ حضرت جبرئیلؑ نے تھوڑی سی سرخ مٹی پیش کی اور فرمایا کہ آپ کے نواسے قتل کیے جائیں گے، اور یہ اس علاقے کی مٹی ہے جہاں انہیں قتل کیا جائے گا۔ حضرت حسینؓ کو کربلا میں شہید کیا گیا۔ حضرت علیؓ کی شہادت کے بعد آپؓ کے بیٹے حضرت حسنؓ نے چھ ماہ کی مختصر سی مدت کے لیے مسندِ خلافت سنبھالی، مگر پھر مسلمانوں کی وحدت کے لیے چھوڑ دی۔ حضرت حسنؓ کے بعد، لوگوں نے حضرت حسینؓ کی بیعت کرلی، اور عراق کے بعض قبیلوں نے آپؓ کی مدد و نصرت کا وعدہ کیا۔

اس وعدے کے بھروسے پر حضرت حسینؓ اپنے خاندان، یعنی اہل بیت کے ایک بڑے گروہ کے ساتھ عراق تشریف لے گئے، جہاں بنو امیّہ کے یزید بن معاویہ کے ایک لشکر سے آپؓ نے جنگ کی۔ وہ قبائل جنہوں نے مدد و نصرت کا وعدہ کیا تھا، انہوں نے بے وفائی کی اور آخر میں میدانِ جنگ میں حضرت حسینؓ اہلِ بیت میں سے اپنے چند جانثاروں کے ساتھ تنہا رہ گئے۔ وہ تب تک لڑتے رہے یہاں تک کہ ان کا آخری فرد تک میدانِ جنگ میں لڑتا ہوا شہید ہوگیا۔ وہ سب قتل کردیے گئے۔ میدانِ کربلا رسول اللہ ﷺ کے خاندان کی سب سے بڑی قتل گاہ ثابت ہوئی۔ یہ امّتِ مسلمہ کی تاریخ کا سیاہ ترین باب تھا کہ امت کے افراد نے خود رسول اللہ ﷺ کے خاندان کے ساتھ یہ سلوک کیا۔

یزید بن معاویہ ہی کے دورِ خلافت میں مدینہ میں بھی مسلمانوں کا قتلِ عام کیا گیا۔ کئی دنوں تک یہ قتلِ عام جاری رہا جس میں انصار اور ان کی اولاد کو بے دریغ قتل کیا گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے اسی بارے میں فرمایا تھا کہ میں مدینہ کے گھروں پر آزمائشوں کی بارش ہوتے دیکھ رہا ہوں۔

جھوٹے نبیوں کا فتنہ

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ”لَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتَّى يُبْعَثَ دَجَّالُونَ كَذَّابُونَ قَرِيبٌ مِنْ ثَلَاثِينَ كُلُّهُمْ يَزْعُمُ أَنَّهُ رَسُولُ اللَّهِ“۔

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہوگی یہاں تک کہ تقریباً تیس دجال اور کذاب نکلیں گے، ان میں سے ہر ایک یہ دعویٰ کرے گا کہ وہ اللہ کا رسول ہے“۔

اگر ہم ان تمام لوگوں کو شمار کریں جو دورِ نبوی ﷺ سے لے کر آج تک (یعنی گزشتہ ۱۴۰۰ برس میں) اس امت میں نبوت کے دعویدار رہے ہیں، تو ہمیں تیس سے زیادہ افراد ملیں گے۔ حدیث کی تشریح وتوضیح کرنے والے علما کہتے ہیں کہ حدیث میں تیس جھوٹے دعویداروں سے مراد تیس ایسے لوگ ہیں جو اپنے اس جھوٹے دعوے کے نتیجے میں قدرے مناسب تعداد میں متبعین کا گروہ بنانے میں کامیاب ہوگئے، اور اپنے اس دعوے کی بنا پر مشہور و معروف ہوئے۔

یہاں وہ دیوانے لوگ مراد نہیں جو یہاں وہاں ہر جگہ پائے جاتے ہیں اور نبی ہونے کا دعوی کرتے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں نبوت کے جھوٹے دعویداروں میں سب سے زیادہ مشہور ہونے والے دو لوگ تھے، ایک مسیلمہ کذاب، اور دوسرا یمن میں اسود عنسی۔ان دونوں کا ظہور نبی خاتم المرسلین ﷺ کی زندگی کے آخری دور میں ہوا۔

مسیلمہ کذاب قبیلہ بنو حنیفہ کے بدوؤں میں سے تھا۔ یہ یمامہ کے علاقے کا ایک بڑا قبیلہ تھا۔ قبائلی عصبیت اس کا سب سے بڑا ہتھیار تھا۔ اس نے دعوی کیا کہ جیسے محمد رسول اللہ ﷺ قریش سے تعلق رکھتے ہیں اور وہ شہری لوگ ہیں، اسی طرح میں بنو حنیفہ کا مسیلمہ ہوں اور ہم بدّو لوگ ہیں۔ گویا محمد ﷺ شہریوں کے نبی ہیں اور مسیلمہ دیہاتیوں کا۔ آپ دیکھیں گے کہ یہ جھوٹے نبی ہمیشہ لوگوں کو مختلف پر فریب طریقوں سے گمراہ کرتے ہیں۔ مسیلمہ لوگوں کی نفسیات سے واقف تھا، وہ جانتا تھا کہ بدّوؤں میں قبائلی عصبیت انتہا کو پہنچی ہوئی ہے۔ سو اس نے اسی چیز سے فائدہ اٹھایا۔ اس کا ایک قریبی ساتھی بر سرِ عام یہ کہا کرتا تھا کہ ”بنو حنیفہ کا جھوٹا بھی قریش کے سچے سے بہتر ہے“۔ اس کے پیروکاروں میں سے بھی بہت سوں کو علم تھا کہ مسیلمہ کا دعوی جھوٹا ہے، حتی کہ اس کا قرآن بھی مضحکہ خیز تھا۔

یہ بھی قرآن کا ایک معجزہ ہے۔ آپ دیکھیں گے کہ ذہین اور قابل لوگ، جو شاعری میں بھی اچھے ہوتے ہیں، وہ بھی جب قرآن کی نقل کرنے کی کوشش کرتے ہیں تو ایسا نتیجہ برآمد ہوتا ہے جو ناقابلِ یقین حد تک خراب اور خستہ ہوتا ہے۔

عرب کے سب سے مشہور و معروف اور فصیح و بلیغ شعراء میں شمار ہونے والے ایک نابینا شاعر نے ایک بار دعوی کیا کہ وہ بھی قرآن سی شاعری کر سکتا ہے۔ وہ انا کا مارا ایک مغرور و متکبر انسان تھا۔ کچھ عرصے بعد لوگوں نے اس سے پوچھنا شروع کیا کہ تمہارے قرآن کا کیا ہوا جس کا تم نے وعدہ کیا تھا؟ تو اس نے جواب دیا کہ ”تم وہ بات بھول جاؤ، وہ میرے بس کی بات نہ تھی“۔

مسیلمہ کذاب کے متبعین کی تعداد ہزاروں اور لاکھوں میں تھی۔ یہ ایک بہت بڑا فتنہ تھا، اور اس فتنے کے شعلے حضرت ابو بکر الصدیقؓ کے زمانے تک بجھائے نہ جا سکے۔ آپؓ کے زمانے میں یمامہ میں بالآخر مسیلمہ کے خلاف ایک نہایت خونریز اور فیصلہ کن جنگ لڑی گئی، جس میں مسلمانوں کی جانب سے لڑنے والوں میں سے حفاظِ قرآن کی ایک بڑی تعداد شہید ہو گئی۔ مسیلمہ بالآخر حدیقہ یعنی باغ والی جنگ کے نام سے مشہور ہونے والے معرکے میں مسلمانوں کے ہاتھوں قتل ہوا۔

حفاظ کرام کی اتنی بڑی تعداد میں شہادت ہی قرآن مجید کے جمع اور کتابی شکل میں محفوظ کرنے کی بنیادی وجہ ثابت ہوئی۔ حضرت ابو بکرؓ نے قرآن مجید کے تمام حصّوں کو اکٹھا کرنے کا کام شروع کیا اور یہ کام حضرت عثمانؓ کے زمانے میں جا کر پایۂ تکمیل کو پہنچا۔

قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَا أَنَا نَائِمٌ أُتِيتُ بِخَزَائِنِ الْأَرْضِ فَوُضِعَ فِي كَفِّي سِوَارَانِ مِنْ ذَهَبٍ فَكَبُرَا عَلَيَّ فَأَوْحَى اللهُ إِلَيَّ أَنْ انْفُخْهُمَا فَنَفَخْتُهُمَا فَذَهَبَا فَأَوَّلْتُهُمَا الْكَذَّابَيْنِ اللَّذَيْنِ أَنَا بَيْنَهُمَا صَاحِبَ صَنْعَاءَ وَصَاحِبَ الْيَمَامَةِ

رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا کہ میں ایک دن سو رہا تھا کہ مجھے دنیا کے تمام خزانے دے دیے گئے، پھر میرے ہاتھ میں سونے کے دو کنگن رکھے گئے، جو مجھ پر شاق گزرے، تو مجھے وحی کی گئی کہ ان پر پھونک مارو، میں نے پھونک ماری تو وہ غائب ہو گئے تو میں نے اس کی تعبیر ان دو کذابوں سے کی، جن کے درمیان میں ہوں، یعنی صنعاء والا (عنسی) اور یمامہ والا (مسیلمہ)۔

مسیلمہ کذاب نے نبوت کی ایک دوسری دعویدار عورت، جس کا نام سجّاح تھا، سے شادی کر لی تھی۔ دونوں کے متبعین کچھ عددی حیثیت رکھتے تھے، یہ شادی بھی سیاسی وجوہات کی بنا پر ہوئی۔ جب مسیلمہ قتل ہو گیا تو سجّاح سمجھ گئی کہ نبوت کے اس دعوے میں اس کے لیے کوئی فائدہ نہیں رکھا، لہٰذا وہ اپنے دعوے سے تائب ہو کر دوبارہ مسلمان ہو گئی۔ اسود عنسی کو یمن میں اس کے محل کے اندر فیروز نامی ایک شخص نے قتل کر دیا اور یوں وہ بھی اپنے انجام کو پہنچا۔ ان کے علاوہ ایک شخص طلیحہ اسدی تھا۔ اس نے بھی نبوت کا دعوی کیا مگر بعد میں اسلام قبول کر لیا۔ اس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اس کے بعد اس نے ایک اچھے مسلمان کی زندگی گزاری۔ کہا جاتا ہے طلیحہ یا مسیلمہ، ان میں سے کسی ایک سے جب قرآن کی تلاوت کرنے کو کہا جاتا تو وہ ایسی آیات سناتا جن میں کھانے پینے کا ذکر ہوتا۔ یہاں تک کہ لوگوں نے کہنا شروع کر دیا کہ ہم نہیں جانتے کہ فرشتہ تمہارے دل کے لیے وحی لاتا ہے یا تمہارے معدے کے لیے۔

المختار بن عبید الثقفی نے بھی نبوت کا جھوٹا دعوی کیا۔ جدید زمانے میں قادیانیت کا بانی، مرزا غلام احمد قادیانی کو بھی ان تیس میں شمار کیا جا سکتا ہے کیونکہ اس نے بھی نبوت کا جھوٹا دعوی کیا اور پیروکاروں کی ایک اچھی خاصی تعداد اکٹھی کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ نبوت کے یہ دعوے شریعت کی رو سے کافر ہیں، اور پاکستان (جہاں مرزا قادیانی کا ظہور ہوا) کی حکومت و قانون کے مطابق بھی قادیانیت کفر ہے۔

صلى الله على سيدنا محمد، وعلى آله وصحبه وسلم!

[یہ سلسلۂ مضامین نابغۂ روزگار مجاہد و داعی شیخ انور العولقی شہید رحمۃ اللہ علیہ کے انگریزی میں ارشاد کیے گئے سلسلۂ دروس '*Al-Aakhirah* – The Hereafter' کا اردو ترجمہ ہیں، جو بتوفیق اللہ، قسط وار مجلّہ 'نوائے غزوۂ ہند' میں شائع کیے جا رہے ہیں۔]

امیر المومنین
شیخ هبة الله اخوندزاده نصره الله
کی ہدایات...... مجاہدین کے نام

قیدیوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کیجیے

دشمن کے قیدیوں کا معاملہ مسلمانوں کے امیر کے اختیار میں ہے، نبی کریم ﷺ نے قیدیوں کے ساتھ چار قسم کا برتاؤ کیا ہے۔ آپ ﷺ نے بدر کے دن نضر بن حارث اور عقبہ بن ابی معیط کو گرفتاری کے بعد قتل کر دیا اور غزوۂ بدر میں گرفتار باقی تمام قیدیوں کو فدیے کے عوض رہا کر دیا، آپ ﷺ نے ثمامہ بن اثال کو گرفتاری کے بعد بغیر کسی عوض و بدلہ کے رہا کر دیا اور حضرت سلمہ بن الاکوعؓ کی باندی کے تبادلے میں مسلمانوں کے قیدیوں کو رہا کروایا۔

فَاِذَا لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَضَرْبَ الرِّقَابِ حَتّٰٓي اِذَآ اَثْخَنْتُمُوْهُمْ فَشُدُّوا الْوَثَاقَ فَاِمَّا مَنًّۢا بَعْدُ وَاِمَّا فِدَاۗءً حَتّٰى تَضَعَ الْحَرْبُ اَوْزَارَهَا

”اور جب ان لوگوں سے تمہارا مقابلہ ہو جنہوں نے کفر اختیار کر رکھا ہے، تو گردنیں مارو، یہاں تک کہ جب تم ان کی طاقت کچل چکے ہو، تو مضبوطی سے گرفتار کرلو، پھر چاہے احسان کر کے چھوڑ دو، یا فدیہ لے کر، یہاں تک کہ جنگ اپنے ہتھیار پھینک کر ختم ہو جائے۔“ (سورۃ محمد:۴)

یعنی کے دینِ اسلام کے علاوہ کوئی دین باقی نہ رہ جائے، اور مجاہدؒ کا قول ہے کہ جب تک عیسیٰ علیہ السلام کا زمین پر نزول نہ ہو، حسنؒ کہتے ہیں یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کے سوا دوسروں کی عبادت نہ کی جائے، تب تک اسیروں کے ساتھ ان تین قسم کا سلوک ہوگا۔

امام قرطبیؒ کہتے ہیں کہ مَنًّا اور فِدَاءً کے ساتھ قتل کا ذکر نہیں آیا، کیونکہ ان کے قتل کا ذکر آیت کے شروع میں ہو گیا ہے، کہ ان کی گردنیں مارو۔ تفسیر میں آیا ہے کہ یہ آیت محکم ہے اور امام کے پاس ہر حال میں یہ اختیار ہے کہ وہ قیدی کے ساتھ کیسا برتاؤ کرے، اس کو قتل کر دے، فدیے کے عوض اور اس کے تبادلے کی صورت میں مسلمانوں کو رہا کیا جائے یا بغیر کسی عوض کے رہا کر دے۔

قاضی کو امیر کا وکیل سمجھا جاتا ہے۔ مجاہدین اگر دشمن کے افراد کو قید کرلیں، تو جب تک قاضی ان کے بارے میں فیصلہ جاری نہ کر دے، اپنی مرضی سے اس کو سزا نہ دے، مطلب یہ ہے کہ مجاہدین کو چاہیے کہ قیدیوں کے ساتھ اچھا سلوک کریں۔ تشدد، بھوک، پیاس، دھوپ اور سردی کے ذریعے ان کو تکلیف نہ دی جائے۔

سیرۃ ابن ہشام نے نقل کیا ہے، کہ جب بدر میں مشرکین پکڑے گئے تو نبی کریم ﷺ نے اپنے صحابہ کرامؓ کو ان کے ساتھ نیک سلوک کی نصیحت فرمائی۔

جب صحابہ کرامؓ نے بنی حنیفہ کے سردار ثمامہ بن اثال کو گرفتار کیا اور مسجدِ نبوی کے ایک ستون کے ساتھ اس کو باندھ دیا، تاکہ نبی کریم ﷺ اس کے بارے میں فیصلہ کریں۔ صبح جب آپ ﷺ مسجد تشریف لائے تو دیکھا کہ ثمامہ کو ستون کے ساتھ باندھا ہے، تو آپ ﷺ نے صحابہ کرامؓ سے فرمایا: کیا تم جانتے ہو کہ تم نے کس کو گرفتار کیا ہے؟

صحابہؓ نے جواب دیا، یا رسول اللہ! ہم نہیں جانتے۔

تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا: یہ ثمامہ بن اثال ہے، آپ اپنے قیدی کے ساتھ نیک سلوک کریں۔ پھر آپ ﷺ گھر لوٹ گئے اور فرمایا: جو خوراک گھر میں موجود ہے اس کو جمع کریں اور ثمامہ بن اثال کے لیے بھجوا دیں۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے حکم دیا کہ میرے اونٹنی سے دودھ دوہا جائے اور صبح و شام ثمامہ کو پیش کیا جائے۔ اس کے بعد نبی کریم ﷺ ثمامہ کے پاس تشریف لائے اور اس سے فرمایا، اے ثمامہ! تمہارے پاس کیا ہے؟

اس نے جواب دیا، میرے پاس خیر (خیر خواہی) ہے، اگر آپ نے مجھے قتل کر دیا، تو ایک قاتل کو قتل کیا (میں نے آپ کے ساتھیوں کو قتل کیا تھا، تو اس کے قصاص میں قتل کر دیا جاؤں گا)، اگر آپ میرے ساتھ نیکی کریں گے (مجھے معاف کریں) تو ایک شکر گزار کو معاف کریں گے (میں آپ کا شکریہ ادا کروں گا)، اور اگر مال کا ارادہ ہو تو جتنا چاہیے اتنا میں دے دوں گا۔

نبی کریم ﷺ ثمامہ کے پاس دو دن بعد دوبارہ تشریف لائے اور فرمایا، اے ثمامہ تمہارے پاس کیا ہے؟

اس نے جواب دیا: میرے پاس اس کے علاوہ کچھ بھی نہیں جو میں آپ کو بتا چکا ہوں۔ اس کے بعد پہلے ذکر کی گئی باتوں کو دہرایا۔ نبی کریم ﷺ واپس چلے گئے اور اگلے دن دوبارہ تشریف لائے اور گزشتہ روز کی طرح آپ ﷺ اور اس کے درمیان سوال و جواب ہوئے۔ نبی کریم ﷺ نے اپنے صحابہ کرامؓ کی طرف دیکھا اور فرمایا: ثمامہ کو چھوڑ دو۔ صحابہؓ نے اسے رِہا کر دیا، حالانکہ ثمامہ نے نبی کریم ﷺ کے قتل کا ارادہ کیا تھا، صحابہ کو شہید کیا تھا، لیکن نبی کریم ﷺ نے تمام صحابہ کے درمیان اعلانیہ اس کا خون ہدر قرار دے دیا۔

ثمامہ بن اثال رہائی کے بعد جب مسجد نبوی سے نکلے تو واپس لوٹے اور ایمان لے آئے۔

(صور من حیاۃ الصحابہ)

صحابہ کرامؓ ثمامہ بن اثال کے ساتھ نیک سلوک سے پیش آئے، سوائے ان چار دنوں کے جس میں اسے باندھا تھا، تاکہ فرار نہ ہو یا صحابہ کو نقصان نہ پہنچائے۔ لہٰذا مجاہدین کو چاہیے کہ قیدیوں پر تشدد نہ کریں، بلکہ ان کے لیے صرف باندھنا جائز ہے یا ایک کمرے میں قید کرلیں تاکہ فرار نہ ہو یا مجاہدین کو نقصان نہ پہنچائے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَيُطْعِمُونَ الطَّعَامَ عَلَىٰ حُبِّهِ مِسْكِينًا وَيَتِيمًا وَأَسِيرًا

اور وہ اللہ کی محبت کی خاطر مسکینوں، یتیموں اور قیدیوں کو کھانا کھلاتے ہیں۔

(سورۃ الانسان:۸)

یعنی وہ نیک افراد جو اپنی بھوک کے باوجود اپنے حصے کا کھانا مساکین، یتیموں اور قیدیوں کو کھلاتے ہیں۔ تفسیر طبری میں آیا ہے کہ، اسیر سے مراد دارالحرب کا وہ حربی کافر ہے جو بزورِ قت گرفتار ہوا ہو، یا اس سے مراد وہ شخص ہے جو اہلِ قبیلہ سے ہو اور حق کی کوتاہی میں گرفتار ہوا ہو۔ تو اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان نیک افراد کی تعریف کی ہے جو ان تین قسم کے افراد کو کھانا کھلاتے ہیں۔

اہلِ قبیلہ میں وہ قیدی بھی شامل ہیں جنھوں نے جرائم کا ارتکاب کیا ہو، لہٰذا ان کو بھی قاضی کے حکم سے ماقبل سزا نہ دی جائے اور جب ان کو قید خانے میں منتقل کرنا ہو تو اس وقت بھی اچھے اخلاق سے پیش آئیں اور ان کو باعزت طریقے سے منتقل کریں۔

بنی قریظہ کے قیدیوں کے حوالے سے نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے:

جب موسم گرما میں دوپہر کے وقت گرمی کی شدت زیادہ ہوگئی، تو نبی کریم ﷺ نے بنی قریظہ کے بارے میں فرمایا، کہ ان پر اس دن کی گرمی اور اسلحے کی گرمی جمع نہ کرو، ان کو قیلولہ (دوپہر کے وقت آرام واستراحت) کے ذریعے آرام دو، تاکہ ان کی گرمی دور ہو۔ دوسری روایت میں منقول ہے، کہ ان کے ساتھ اچھے اخلاق سے پیش آؤ، ان کو قیلولہ کرواؤ اور پانی پلاؤ۔ بنی قریظہ پر قتل کا حکم جاری ہوا تھا، لیکن نبی کریم ﷺ نے اس کے باوجود بھی ان کے ساتھ نیک برتاؤ کا حکم دیا۔

(وما علینا إلّا البلاغ المبین!)

بقیہ: شہادت کی قبولیت کی شرائط

اگر میں اسی سوال کو یوں رکھوں سامنے کہ کیا یہ ممکن ہے کہ کوئی شخص شہید ہونے کے بعد بھی سیدھا جنت نہ جائے، اس کو پہلے جہنم سے سزا کاٹنی پڑے......؟ تو یہ ممکن ہے۔ تو بھائیو! یہ نکتہ بہت خطرناک ہے اور اس کی طرف ہر مجاہد کو توجہ کرنے کی ضرورت ہے کہ جہاد میں آنے کا اور شہادت کی راہوں پہ چلنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ آپ کو بلینک چیک مل گیا ہے کہ جو مرضی کرو اب، جس طرح مرضی لوگوں کے حقوق پامال کرو، گناہ تو معاف ہو جانے ہیں۔ انسانوں کے حقوق کی عظمت اتنی زیادہ ہے اور اتنا خطرناک معاملہ ہے کہ قیامت کے دن اس کا حساب اپنی جگہ باقی رہے گا۔

تو یہ میں نے کہا کہ یہ کوئی شاذ رائے نہیں ہے، اس لیے کہ سب ہی محدثین نے اس کے ذیل میں یہی بات لکھی ہے۔ تو ملا علی قاریؒ یہ بات لکھتے ہیں کہ یہ بات اس لیے بھی معقول ہے کہ اگر قرضہ نہیں معاف ہو رہا تو اگر کسی شخص نے ناحق قتل کیا ہو تو وہ معاف ہو جائے گا......؟ صرف پیسے لے کے جس نے واپس نہیں کیے، اس پہ معافی نہیں مل رہی شہید کو، تو اگر اس نے قتل کیا ہو، اس نے چوری کی ہو، اس نے ڈاکہ ڈالا ہو، اس نے عزتوں پہ ہاتھ ڈالا ہو، اس نے عزت اچھالی ہو، اس نے غیبتیں کی ہوں، کہ جس کو حدیث زنا سے بھی زیادہ شدید قرار دیتی ہے، تو وہ کس طرح معاف ہو گا......؟

تو پیارے بھائیو! معاملہ یہ ہے۔ ہر شخص، ہر مجاہد اپنی اپنی زندگیوں میں جھانک کے دیکھ لے اور جو نجات کا متمنی ہے وہ حقوق العباد کی اہمیت اچھی طرح پہچان لے۔

(جاری ہے، ان شاء اللہ)

☆☆☆☆☆

آپ کے سوالات

’نوائے غزوۂ ہند‘ سے سوالات پوچھیے۔ اس سلسلے میں قارئین ’نوائے غزوۂ ہند‘ سے سوالات پوچھ سکیں گے جن کے جوابات، ماہانہ شمارے میں شائع کیے جائیں گے۔

اپنے سوالات درجِ ذیل برقی پتے (email) پر ہمیں بھیجیے:

aapkaysawalat@nghmag.com

شہادت ۵

کی قبولیت کی شرائط

شہید عالمِ ربّانی استاد احمد فاروق رحمہ اللہ

ایک اور حدیث سامنے لاتا ہوں، وہ حدیث بھی عجیب ہے۔ جس طرح ایک اور حدیث میں یہ بتایا کہ مجاہد دو طرح کے ہوتے ہیں، اسی طرح یہ حدیث بتاتی ہے کہ جہاد کے میدان میں قتل ہونے والے تین طرح کے ہوتے ہیں۔ حدیث کہتی ہے: اَلْقَتْلٰى ثَلَاثَة...... جہاد میں مارے جانے والے تین طرح کے ہیں، سب شہید نہیں ہیں۔

۱۔ رَجُلٌ مُؤمِنٌ جَاهَدَ بِنَفْسِهِ وَمَالِهِ فِي سَبِيلِ الله، ایک وہ بندۂ مومن جو اپنی جان و مال سے اللہ کے رستے میں لڑا...... حَتّٰى إِذَا لَقِيَ الْعَدُو قَاتَلَهُمْ حَتّٰى يُقْتَل، یہاں تک کہ جب دشمن سے مقابلہ ہوا، تو ان سے لڑتا رہا یہاں تک کہ اس کو شہید کر دیا گیا...... فَذٰلِكَ الشَّهِيْدُ الْمُمْتَحَن، تو یہ وہ آزمائشوں سے گزر جانے والا، کامیابی سے گزر جانے والا شہید ہے کہ جو...... فِي خَيْمَةِ الله، اللہ کے خیمے میں ہو گا...... تَحْتَ عَرْشِهِ، اللہ کے عرش تلے...... وَلَا يَفْضُلُهُ النَّبِيُّوْنَ إِلَّا بِفَضْلِ دَرَجَةِ النُّبُوَّة، اور انبیاء کو اس پہ صرف نبوت کے اعتبار سے فضیلت حاصل ہو گی۔ اتنے اونچے مقام پہ ہو گا کہ انبیاء کو صرف نبوت کے درجے کے اعتبار سے اس پر فضیلت حاصل ہو گی۔

۲۔ دوسرا...... وَرَجُلٌ مُؤمِنٌ قَرَفَ عَلٰى نَفْسِهِ مِنَ الذُّنُوْبِ وَ الْخَطَايَا، دوسرا وہ بندۂ مومن جس نے اپنی جان پر ظلم کیا، کچھ گناہ اور خطاؤں میں مبتلا ہوا، اللہ کی نافرمانیں کیں۔ اور بعض روایات میں آتا ہے کہ جو اپنے گناہوں سے ڈر گیا۔ اس کو یہ اندیشہ تھا کہ اس کے گناہ اس کو ہلاک کر دیں گے، اس لیے اس نے میدان کا رخ کیا، ان گناہوں کو مٹانے کے لیے...... جَاهَدَ بِنَفْسِهِ وَمَالِهِ فِي سَبِيلِ الله...... پہلا وہ ہے کہ جس نے اپنی زندگی میں بھی اپنے آپ کو گناہوں سے بچایا اور جہاد بھی کیا اور شہید بھی ہوا تو اس کے تو کیا ہی کہنے۔ دوسرا وہ جو گناہ گار ہے لیکن اللہ کے رستے میں لڑتا ہے اپنے گناہوں کو مٹانے کے لیے، لڑتا ہے اللہ کے رستے میں اپنی جان و مال سے...... حَتّٰى إِذَا لَقِيَ الْعَدُو قَاتَلَ حَتّٰى قُتِل، یہاں تک کہ جب اس کا دشمن سے سامنا ہوا تو وہ لڑتا رہا یہاں تک کہ شہید کر دیا گیا۔ حدیث کیا کہتی ہے...... فَتِلْكَ مَصْمَصَةٌ مَحَتْ ذُنُوْبَهُ وَخَطَايَاه، تو یہ شہادت اس کے گناہوں کو دھونے کا اور اس کی خطاؤں کو مٹانے کا ذریعہ بن جائے گی...... إِنَّ السَّيْفَ مَحَّاءٌ لِّلْخَطَايَا، کیوں؟ کیونکہ تلوار خطاؤں کو مٹا دیتی ہے، یہ شہادت جو ہے وہ اس کے گناہوں کا کفارہ بن جائے گی۔ یہ دوسرا شہید ہے، اس کی فضیلت کیا ہے؟...... وأُدْخِلَ مِنْ أَيِّ أَبْوَابِ الْجَنَّةِ شَاءَ، وہ جنت کے جس دروازے سے چاہے گا داخل ہو جائے گا۔ وہ خود جس دروازے سے چاہے گا، اس کو چوائس دی جائے گی کہ جنت کے جس دروازے سے چاہے داخل ہو جائے...... فَإِنَّ لَهَا ثَمْنِيَةَ أَبْوَاب، اور سن لو کہ جنت کے آٹھ دروازے ہیں...... ولِجَهَنَّمَ سَبْعَةُ أَبْوَاب، اور جہنم کے سات دروازے ہیں...... وَبَعْضُهَا أَفْضَلُ مِنْ بَعْض، اور جنت کے جو آٹھ دروازے ہیں، ان میں سے بھی بعض بعض سے افضل ہیں۔

۳۔ تیسرا بندہ جو جہاد ہی میں مارا جا رہا ہے...... وَرَجُلٌ مُنَافِقٌ، بندۂ منافق...... جَاهَدَ بِنَفْسِهِ وَمَالِهِ فِي سَبِيلِ الله، جس نے اپنی جان اور مال دونوں سے اللہ ہی کے رستے میں بظاہر قتال کیا...... حَتّٰى إِذَا لَقِيَ الْعَدُو، یہاں تک کہ جب دشمن سے مقابلہ ہوا...... قَاتَلَ حَتّٰى قُتِلْ، لڑتا رہا یہاں تک کہ مارا گیا...... فَذٰلِكَ فِي النَّار، تو اس کا انجام جہنم ہے...... إِنَّ السَّيْفَ لَا يَمْحُو النِّفَاق، حدیث کا آخری جملہ یہ کہتا ہے کہ تلوار بھی نفاق کو نہیں مٹا سکتی، منافقت کا علاج تلوار بھی نہیں کر سکتی۔ شہادت بھی مل جائے اس کو ظاہراً تو دل میں منافقت ہو گی تو اللہ کے ہاں وہ شہادت قبول نہیں ہو گی۔

پیارے بھائیو! یہ حدیث ہم پہ یہ بات واضح کرتی ہے کہ ہر میدان جہاد میں مرنے والا، ہر کافر سے لڑنے والا شہید نہیں ہوتا، مجاہد نہیں ہوتا۔ اُس کے لیے کچھ صفات ہیں جو شریعت کو مطلوب ہیں، جو اللہ کو مطلوب ہیں۔ وہ پوری کی جائیں گی تو اللہ تعالیٰ راضی ہوں گے، جہاد قبول ہو گا، شہادت قبول ہو گی۔ تو ہر ایک ہم میں سے اللہ سے ڈرے اور ان چاروں صفات کو اپنے اندر پورا کرنے کی کوشش کرے۔

اس سے اگلا جو نکتہ ہے اس حدیث کا وہ اس سے بھی زیادہ ڈرانے والا ہے اور وہ یہ کہ رسول اللہ ﷺ یہ ساری بات فرما کے دوبارہ پوچھتے ہیں کہ تم نے کیا سوال پوچھا تو صحابی دوبارہ سوال دہراتے ہیں کہ میں نے یہ پوچھا کہ اگر میں اللہ کے رستے میں قتل کر دیا جاؤں تو کیا میری بخشش ہو جائے گی، سارے گناہ بخش دیے جائیں گے؟ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ ہاں اگر تم یہ صفات پوری کرو تو بخشش ہو جائے گی...... سوائے قرضے کے، قرضہ معاف نہیں ہو گا...... کیونکہ مجھے جبرائیل علیہ السلام نے ابھی ابھی آ کر یہ بات بتائی ہے کہ سب گناہ معاف ہو جائیں گے لیکن قرضہ معاف نہیں ہو گا۔

تو قرضے کے حوالے سے پہلے تو ایک اصولی بات سمجھ لیں۔ شارحین نے، علامہ قرطبیؒ، ملا علی قاریؒ اور دیگر حضرات نے اس کے ذیل میں جو کچھ لکھا ہے اس کا خلاصہ یہ نکلتا ہے کہ اس سے

تین طرح کے قرض مراد ہیں۔ ایک وہ قرضہ جو کسی نے بلاضرورت لیا فضول کاموں میں خرچ کرنے کے لیے، عبث کاموں میں خرچ کرنے کے لیے۔ اس کو کوئی حقیقی ضرورت نہیں تھی، ایسے ہی فالتو قرضہ لیا پھر اس سے ادا نہیں ہو سکا اور شہید ہو گیا تو شہادت قبول ہو گی، یہ شہادت میں مانع نہیں ہے، یہ نکتہ ذہن میں واضح رکھیں۔ اُن چاروں شرطوں میں سے ایک شرط بھی کم ہو گئی تو شہید نہیں ہو گا۔ لیکن قرضے کے معاملے میں یہ کہا جارہا ہے کہ بعض قرضے ایسے ہیں کہ جو شہادت میں تو مانع نہیں ہے، بندہ شہید ہے، اس کے باقی سب گناہوں کی مغفرت ہو جائے گی لیکن یہ قرضہ معاف نہیں ہو گا۔ کون سا قرضہ......؟

۱۔ وہ قرضہ جو بلاضرورت فضول کاموں میں خرچ کرنے کے لیے لیا، اس کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ تو قرض اتنا چھوٹا معاملہ نہیں ہے، اللہ کے یہاں ایک بوجھ ہے، تو اس لیے اس کو ایسے ہی کھیل تماشے میں نہیں لینا چاہیے۔ یہ جو ہمارے یہاں رواج بن گیا ہے لیزنگ کا، مغرب کی دیکھا دیکھی اب فریج بھی لیزنگ پہ، گھر بھی لیزنگ پہ، زمین بھی لیزنگ پہ، گاڑی بھی، کرتے کرتے سارا کچھ ہی لیزنگ پر آنا شروع ہو گیا ہے۔ تو یہ دین کا سکھایا ہوا طریقہ نہیں ہے، ضرورت کے بغیر یوں ہاتھ پھیلانا درست نہیں۔ تو شریعت نے ہمیں یہ بات سکھائی کہ اگر شہید بھی یہ والا قرضہ لے کر شہادت پائے گا تو قرضہ معاف نہیں ہو گا، اس کو کسی اور طرح وہاں پہ حساب دینا پڑے گا، کہ جو قرضہ بلاضرورت لیا۔

۲۔ دوسرا، استطاعت کے باوجود جو قرضہ ادا نہیں کیا۔ استطاعت تھی لیکن اس نے قرضہ ادا نہیں کیا اور جہاد پہ چلا گیا حالانکہ پیسے تھے اس کے پاس، دے سکتا تھا، تو یہ قرضہ بھی معاف نہیں ہو گا۔

۳۔ تیسرا، وہ قرضہ کہ جس کو لیتے وقت ہی نیت تھی کہ ادا نہیں کرنا اور جہاد کو اس نے صرف بہانہ بنایا قرضہ نہ ادا کرنے کا۔ اس کی نیت ہی پہلے وقت سے یہی تھی کہ اس نے قرضہ ادا ہی نہیں کرنا۔ تو اگر وہ اس طرح مر گیا تو یہ کوئی عذر نہیں ہے۔ اس قرضے کا اللہ کے یہاں جواب دینا پڑے گا، ان تینوں طرح کے قرضے کا۔

لیکن اگر کسی نے حقیقی ضرورت سے قرضہ لیا اور حقیقی ضرورت سے قرضہ لینے کے بعد اس کی نیت بھی یہ تھی کہ وہ ادا کرے گا اس کو، اور پھر اس کے بعد جس وقت جہاد کی فرضیت اس کو سمجھ میں آئی کہ جب جہاد اس پہ فرض ہوا تو اس وقت اس کے پاس عملاً استطاعت نہیں تھی، نہیں ادا کر سکتا تھا۔ تو یہ نیت رکھتے رکھتے کہ جب بھی میرے پاس کہیں سے پیسے آئے تو میں ادا کروں گا اور کسی فضول کام کے لیے نہیں لیے تھے۔ اس شخص کے بارے میں حکم یہ ہے کہ اس کا قرضہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ معاف کریں گے۔ حدیث میں بھی آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس دن مقروض اور قرض خواہ دونوں کو کھڑا کریں گے اور مقروض کی طرف سے قرض خواہ کو اتنا دیں گے، اتنا دیں گے، کہ وہ راضی ہو کے اس کو بخش دے گا اور اللہ تعالیٰ اس کی بخشش کروا دیں گے۔

اور اسی طرح حدیث میں ایک واقعہ آتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن حرام الانصاریؓ کا کہ جو قرضہ لے کر شہید ہوئے اور رسول اکرم ﷺ نے خود گواہی دی ان کی شہادت کی قبولیت کی اور اتنے اعلیٰ الفاظ میں گواہی دی کہ......مَا زَالَتِ الْمَلَائِكَةُ تُظِلُّهُ بِأَجْنِحَتِهَا حَتّٰى رُفِعَ، کہ فرشتوں نے ان کے بلند ہو جانے تک، ان کے اٹھا لیے جانے تک ان کے اوپر اپنے پروں سے سایہ کیا ہوا تھا۔ حالانکہ وہ قرضہ لے کر شہید ہوئے تھے۔ اس لیے کہ وہ قرضہ اس قسم کا تھا جو میں نے آپ سے ذکر کیا کہ حقیقی ضرورت کے تحت لیا گیا اور نیت بھی تھی ادائیگی کی لیکن مالی قلت کی وجہ سے وہ نہ ادا کر سکے۔

تو یہ حکم قرض کے حوالے سے ذہن میں رکھیں، بہر حال قرض ہلکا معاملہ نہیں ہے۔ لیکن جو خطرناک پہلو ہے پیارے بھائیو! اس کا کہہ رہا ہوں وہ ہم سب کو، ہر ہر مجاہد کو اس کی طرف توجہ دینے کی ضرورت ہے۔ اور وہ یہ کہ تمام شارحینِ حدیث نے اس حدیث کے ذیل میں لکھا ہے کہ یہاں اِلَّا الدَّين (سوائے قرضے) کا جو لفظ آیا ہے، اس سے مراد صرف قرضہ نہیں ہے۔ علامہ نوویؒ لکھتے ہیں......اس سے مراد ہے کہ انسانوں کے حقوق کے سوا سب معاف ہو گا۔ یعنی شہید نے حقوق العباد میں جو تقصیر کی ہو گی وہ نہیں معاف ہو گی۔ یہی بات ہے جو علامہ نوویؒ بھی لکھتے ہیں، یہی بات ہے جو ابنِ حجرؒ بھی لکھتے ہیں، یہی بات ہے جو ملا علی قاریؒ بھی لکھتے ہیں۔ تمام معروف شارحینِ حدیث اس بات پہ متفق ہیں کہ شہید کے سب گناہ معاف ہوتے ہیں سوائے حقوق العباد کے۔

تو پیارے بھائیو! مسئلہ بہت خطرناک ہو جاتا ہے۔ شہادت قبول ہو گی، اس کے باقی گناہ معاف ہو جائیں گے لیکن اس کے ساتھ پھر معاملہ کیا ہونا ہے؟ تو معاملہ یہ ہونا ہے... ملا علی قاریؒ لکھتے ہیں کہ سب کچھ معاف ہو گا مسلمانوں کے حقوق کے علاوہ۔ ابنِ حجرؒ کہتے ہیں کہ ہو گا یہ اس کے ساتھ پھر کہ وہاں جانے کے بعد اس کے حقوق العباد کے علاوہ اس کے جتنے گناہ تھے وہ اس کے معاف ہو جائیں گے شہادت کی وجہ سے، پھر دیکھا جائے گا کہ ان گناہوں کی معافی کے بعد اب اس کی نیکیاں ایک طرف رکھی جائیں گی اور اس کی حقوق العباد میں تقصیر دوسری طرف رکھی جائے گی یا حقوق العباد میں جو کوتاہی ہوئی وہ دوسری طرف رکھی جائے گی۔ اگر نیکیاں غالب آگئیں تو پھر اللہ کے یہاں وہ بغیر جہنم میں جائے جنت کا مستحق ٹھہرے گا اور اگر اتنا بدبخت تھا کہ اتنے حقوق العباد میں اس نے کمزوری دکھائی اور اتنے انسانوں کے حقوق ضائع کیے کہ باقی سب گناہ معاف ہونے کے بعد بھی اس کی نیکیاں نہیں غالب آ سکیں، تو ابنِ حجرؒ کہتے ہیں کہ پھر اس کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے کہ اللہ اس کے ساتھ کیا معاملہ کرتے ہیں۔ (باقی صفحہ نمبر 20 پر)

مجاہد جہاد کیوں چھوڑ جاتا ہے؟

ابو البـــراء الإِبّـي

یہ تحریر یمن کے ایک مجاہد مصنف ابوالبراء الإبی کی تصنیف 'تبصرة الساجد في أسباب انتكاسة المجاهد' کا ترجمہ ہے۔ انہوں نے ایسے افراد کو دیکھا جو کل تو مجاہدین کی صفوں میں کھڑے تھے، لیکن آج ان صفوں میں نظر نہیں آتے۔ جب انہیں تلاش کیا تو دیکھا کہ وہ دنیا کے دیگر دھندوں میں پھنسے ہوئے ہیں۔ ایسا کیوں ہوا؟ اور اس سے کیسے بچا جا سکتا ہے؟ یہ تحریر ان سوالوں کا جواب ہے۔ (ادارہ)

آٹھویں وجہ: امنیات کے بہانے حرام میں پڑ جانا

بعض مجاہد جو امنیات کے نام پر بہت آگے نکل جاتے ہیں۔ مثال کے طور پہ امنیات کی خاطر منہ میں 'قات' رکھنا شروع کرتے ہیں، پھر اس کے عادی بن جاتے ہیں۔ اسی طرح سگریٹ پیتے ہیں، داڑھی مونڈتے ہیں، پینٹ پہنتے ہیں اور اسی طرح کی دیگر ناپسندیدہ حرکتیں شروع کر دیتے ہیں۔ اور کتنے ایسے ساتھی ہیں جو ان کاموں کی وجہ سے جہاد چھوڑ بیٹھتے ہیں۔

امنیاتی اقدامات اٹھانے میں اسراف اور افراط بسا اوقات شرعاً یا عقلاً حرام یا منع کردہ کاموں کی طرف لے جاتا ہے۔ ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ حرام اقدامات اٹھانا ناجائز ہے خاص کر اگر شرعاً مباح یا مکروہ راستے موجود ہوں۔ داڑھی مونڈنے جیسے حرام کا ارتکاب در اصل دو برائیوں میں سے کم برائی اختیار کرنے کے اصول کے تحت ہے۔ دنیا بھر میں اپنے بھائیوں کی مدد کرنا لازم فرض ہے، اور یہ فرض اعداد کے بغیر ادا نہیں ہو سکتا۔ لیکن اعداد کی سرزمین تک پہنچنے کے لیے داڑھی مونڈنی پڑتی ہے۔

مناسب ہو گا کہ یہاں کچھ مثالیں پیش کریں تا کہ نکتہ واضح ہو جائے اور اس پر بھائی قیاس کریں تا کہ اس جیسی حرکت سے بچ سکیں۔

1. اسلام میں داڑھی مونڈنے کا حکم ہر کوئی جانتا ہے۔ مجاہد ساتھیوں کو اس کی ضرورت پڑتی ہے کیونکہ اللہ کے دشمنوں کے نزدیک محض داڑھی رکھنا ان پر الزام لگانے کے لیے ایک نشانی ہے اور اسے گرفتار کرنے اور جیل میں ڈالنے کے لیے کافی سمجھتے ہیں۔ اس لیے شریعت میں 'الضرورات تبيح المحظورات' کے قاعدے کے تحت داڑھی مونڈنا جائز بن جاتا ہے (یعنی ضرورت کے تحت منع کردہ کام جائز ہو جاتا ہے)۔ لیکن اس شرط پر کہ ضرورت یقینی یا یقینی کی طرح ہو، نہ کہ خیالی ہو۔

   لیکن اس میں اسراف یہ ہوتا ہے کہ ایسا ساتھی مسلسل مونڈتا رہتا ہے یہاں تک کہ وہ ایسی عادت بن جاتی ہے جیسا کہ باقی دنیادار کرتے ہیں۔ صالح مجاہد کو چاہیے کہ وہ نہ بھولے کہ اجازت بقدر ضرورت ہوتی ہے۔ پس اگر ہر تین دن میں ایک دفعہ مونڈنا کافی ہو تو اس کے لیے ہر دوسرے دن مونڈنا جائز نہیں۔

   نیز اگر داڑھی کو کم کرنا کافی ہو تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ بعض ملحدین کی طرح اس کا کچھ حصہ مونڈے اور دوسرا رہنے دے جسے بعض ملکوں میں 'فرنچ کٹ' کہا جاتا ہے۔

   صالح انسان کو یہ بھی چاہیے کہ وہ ہر دفعہ مونڈتے وقت اپنے دل میں اللہ رب العزت کے سامنے ذلت اور عاجزی کو حاضر کرے۔ جیسے کہ وہ بزبانِ حال یہ کہہ رہا ہو: اے اللہ! میں ضرورت کی وجہ سے ایسا کر رہا ہوں نہ کہ انبیاء کی سنت کو ناپسند کرتے ہوئے۔ ہر دفعہ ایسا کرے تا کہ کچھ عرصے کے بعد اسے اس حرکت میں عار محسوس ہونا ختم نہ ہو جائے۔

   (ہم دوبارہ یہاں دہراتے ہیں کہ مونڈنا ضرورت کی بنا پر ہے، نہ کہ جیسے بہت سے لوگ مجاہدین سے رابطے رکھنے اور ہجرت کرنے سے پہلے ہی اپنے وطن میں شروع کر دیتے ہیں۔ زیادہ سے زیادہ اگر ان سے کوئی سرگرمی ہوتی ہو تو وہ زبان سے حق بات کہنا ہے۔ اور اپنے لیے ایک بہانہ بنا دیتے ہیں کہ جب ان سے کوئی پوچھے تم ایسا کیوں کرتے ہو تو کہتے ہیں: امنیات کی خاطر! وہ ہمیں تو اس بہانے سے دھوکہ دے سکتے ہیں لیکن اللہ رب العزت کو کیسے دھوکہ دیں گے؟)

2. بسا اوقات سرحد پار کرتے ہوئے 'چیونگم' چبانا پڑ جاتی ہے۔ تو اس میں حرج نہیں۔ لیکن صالح انسان کو چاہیے کہ اسے عورتوں اور فاسقوں کی طرح عادت نہ بنا دیں۔

3. کسی جگہ تہمت سے بچنے کے لیے ہاتھ میں سگریٹ یا فحش رسالہ پکڑنا۔ یا اسی طرح کی کوئی اور حرکت۔ اس حوالے سے کچھ ٹھہر کر یہ کہیں گے کہ اگر سگریٹ پکڑنا ناگزیر ہی ہو تو محض پکڑے لیکن آگے بڑھتے ہوئے جلائے نہ، اور اگر ایک کش کافی ہو تو دو تین دفعہ کش نہ لے۔ یہ اسی طرح ہے جیسا کہ اگر زندگی بچانے کے لیے شراب کا ایک گھونٹ پینا ضروری ہو تو دوسرا گھونٹ پینا جائز نہیں (یہ حکم اس بنا پر ہے کہ سگریٹ ناجائز ہو)۔

   اور اگر ایجنسی اہلکاروں کے سامنے سگریٹ اٹھانا کافی ہو تو فحش رسالہ خریدنے کا کوئی جواز نہیں۔ اور اگر سونے کی زنجیر ہاتھ میں پکڑنا کافی ہو تو اسے گلے میں

ڈالنے یا ہاتھ میں ڈالنے کی ضرورت نہیں۔ اور اگر کھانے پینے کے بارے میں باتیں کرنا کافی ہوں تو شک دور کرنے کے بہانے گالی گلوچ اور فحش باتیں کرنا جائز نہیں۔ اپنے آپ کو چھپانے کی خاطر حرام کے اندر پڑ جانا نا قابل قبول ہے۔ مثلاً کوئی شخص کسی مجلس سے نکلتے ہوئے شراب اور زناکاری کی باتیں کرے تاکہ مجلس کی امنیت برقرار رہے۔ اسی طرح اگر کھانے پینے کی باتیں کرنا کافی ہیں تو فرضی میچ کی باتیں کرنے کی ضرورت نہیں۔ وعلیٰ هذا القياس!

(بحواله الموسوعة الامنية)

نویں وجہ: مباحات میں حد سے زیادہ بڑھ جانا

سلف امت کو علم تھا کہ مباحات میں اسراف اور حد سے بڑھ جانے سے بندہ کو کتنا نقصان ہوتا ہے اس لیے انہوں نے اس سے خبردار کیا۔

ام المؤمنین حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں:

أول بلاء حدث في هذه الأمة بعد نبيها الشبع، فإن القوم لما شبعت بطونهم سمنت أبدانهم فضعفت قلوبهم و جمحت شهواتهم.

”اس امت پر نبی کے بعد سب سے پہلی آفت شکم سیری تھی۔ جب لوگوں کے پیٹ بھر گئے تو ان کے جسم بھاری ہو گئے، ان کے دل کمزور ہو گئے اور ان کی شہوتیں تیز ہو گئیں۔“

ابو سلمان دارانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”جس کا پیٹ بھر جائے تو وہ چھ آفتوں میں مبتلا ہوتا ہے:

- مناجات کی لذت ختم ہو جاتی ہے۔
- دانائی کی باتیں یاد نہیں رہتیں۔
- خلق خدا پر شفقت سے محروم ہو جاتا ہے۔ خود شکم سیر ہونے سے سمجھتا ہے کہ لوگوں کا پیٹ بھی بھرا ہے۔
- عبادت بھاری ہو جاتی ہیں۔
- شہوتیں زیادہ ہو جاتی ہیں۔
- تمام مؤمن مسجدوں کے گرد گھومتے ہیں اور شکم سیر کوڑا کرکٹ کے گرد۔“

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ اپنے شاگرد کو مباحات میں بڑھ جانے سے منع کرتے ہیں۔ چنانچہ ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”ایک دن مجھے شیخ الاسلام نے مباحات کے حوالے سے کچھ نصیحت کی کہ یہ اونچے مرتبوں کے خلاف ہے، اگرچہ انہیں چھوڑنا نجات کے لیے شرط نہیں ہے۔ یعنی کہ مباحات میں بڑھنا جائز تو ہے لیکن اسے چھوڑنا اولیٰ ہے۔ کیونکہ وہ بندہ کو اس سے اہم اور افضل چیز سے مشغول کر دیتی ہے۔

بعض مجاہد جوان مباحات میں بہت افراط کرتے ہیں۔ آسائشوں اور سہولتوں میں بہت آگے بڑھ جاتے ہیں۔ مہنگا اور نفیس لباس پہننے میں مبالغہ کرتے ہیں۔ جس سے ان کی طبیعت زنانہ پن کا شکار ہو جاتی ہے۔ ان کا شعور کند ہو جاتا ہے۔ ان کا دین کمزور ہو جاتا ہے۔ وہ اپنے لباس و پوشاک میں ہی مشغول رہتا ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

البذاذة من الإيمان.

”شکستہ حالی ایمان کا حصہ ہے۔“

یعنی کہ لباس کے معاملہ میں زاہدانہ اور عاجزانہ رویہ اپنانا اور مقابلہ بازی اور فخر چھوڑنا۔ انہوں نے امیر المؤمنین حضرت عمرؓ بن خطاب کی وصیت کو نہیں اپنایا کہ:

وإياكم والتنعم، وزي العجم، وتمعددوا واخشوشنوا.

”آسودہ حالی اور عجم کے لباس سے بچو۔ (قبیلہ معد کی طرح) اکھڑ اور موٹے رہن سہن کے عادی بنو۔ خشک اور سخت زندگی گزارو۔“

سلف صالحین یعنی صحابہ، تابعین اور متقی اور پرہیزگار علماء مباحات میں حد سے تجاوز نہ کرتے تھے۔ انہوں نے کھانے پینے، سواری اور رہائش میں آسائشیں چھوڑ دیں۔

مباحات میں توسع بسا اوقات برے اخلاق کا عادی اور اچھی خصلتوں سے چھٹکارے کا سبب بنتا ہے۔ اسی لیے قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

”تمام برائی کو ایک گھر میں رکھا گیا اور اس گھر کی چابی حب دنیا بنائی گئی۔ اور تمام خیر کو ایک گھر میں رکھا گیا اور اس کی چابی زہد بنائی گئی۔“

کتانی صوفی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

”جس چیز پر نہ کوفی اور مدنی کے درمیان اختلاف ہوا، نہ عراقی اور شامی میں؛ وہ دنیا سے بے رغبتی، سخاوت نفس اور لوگوں کو نصیحت کرنا ہے۔“

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

ما ملأ آدمي وعاء شرا من بطنه.

”کسی انسان نے اپنے پیٹ سے بڑھ کر بری طرح کوئی برتن نہیں بھرا۔“

(بروایت ترمذی)

معدہ جب بھر جاتا ہے تو سوچ سو جاتی ہے اور اعضاء خدمت کرنے سے رہ جاتے ہیں۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"بعض شیوخ ہر رات دستر خوان پر کھڑے ہوتے اور کہتے تھے: زیادہ مت کھاؤ، تاکہ زیادہ نہ پیو، تاکہ زیادہ نہ سو، تاکہ موت کے وقت زیادہ حسرت زدہ نہ ہو۔"

حضرت عمرؓ فرماتے ہیں:

إياكم والبطنة في الطعام والشراب، فإنها مفسدة للجسد، مورثة للسقم، مكسلة عن الصلاة، وعليكم القصد فيهما. فإنه أصلح للجسد ، وأبعد من السرف، وإن الله تعالى ليبغض الحبر السمين، وإن الرجل لن يهلك حتي يؤثر شهوته على دينه.

"خبردار کھانے پینے میں زیادتی نہ کرو۔ کیونکہ وہ جسم کو خراب کرتی ہے، بیماریاں پیدا کرتی ہے، نماز میں سستی کا سبب ہے۔ کھانے پینے میں میانہ روی اختیار کرو۔ کیونکہ وہ جسم کے لیے بہتر ہے، فضول خرچی سے بچے رہو گے۔ اللہ تعالی موٹے عالم کو پسند نہیں کرتا۔ شخص ہلاکت میں تب ہی پڑتا ہے جب اپنے دین کے مقابلے میں اپنی شہوت کو ترجیح دیتا ہے۔"

بعض مجاہدین لوگوں کے گھروں میں جاتے ہیں تو وہاں سجاوٹ دیکھتے ہیں۔ پھر چاہتے ہیں کہ اپنے گھر میں بھی ایسا کریں۔ بعض کے ہاں ڈیکوریشن کا سامان دیکھتے ہیں تو اسی طرح اپنے گھر میں بھی لانا چاہتے ہیں۔ اس کی بیوی عام لوگوں کے گھروں میں جاتی ہے جہاں اسے برتن اور تحفے نظر آتے ہیں تو اسی طرح اپنے گھر کے لیے بھی چاہتی ہے اور مجاہد اس کی بات مان لیتا ہے۔

نبی اکرم ﷺ حضرت فاطمہ کے گھر گئے لیکن داخل نہ ہوئے۔ حضرت علیؓ آئے تو انہوں نے یہ واقعہ بیان کیا۔ حضرت علی نے آپ ﷺ سے ذکر کیا اور فرمایا: اے اللہ کے رسول ﷺ آپ ہمارے گھر میں کیوں نہ داخل ہوئے؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

إني رأيت على بابها سترا موشيا، ثم قال: مالي وللدنيا.

"میں نے دروازے پر گلدار پردہ دیکھا۔" پھر فرمایا: "مجھے دنیا سے کیا سروکار۔"

حضرت علیؓ نے واپس آکر بتایا تو حضرت فاطمہؓ نے فرمایا: جیسے کہتے ہیں ویسے کر لیتی ہوں۔ تو انہوں نے کہا: اسے فلاں کے گھر بھیج دو کیونکہ انہیں ضرورت ہے۔"

ممکن ہے کہ یہ حرام نہ ہوتا۔ اس لیے کہ اگر حرام ہوتا تو دوسرے کو بھی دینا ناجائز ہوتا۔ لیکن رسول اللہ ﷺ کو ایسے چیزیں اپنے گھر والوں اور عالی مرتبت والوں کے لیے ناپسند تھیں۔ آپ ﷺ کا گھر سادہ تھا۔ جیسے کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا:

میں نے آپ ﷺ کے گھر میں نگاہ اٹھا کر دیکھی تو اللہ کی قسم مجھے تین چمڑوں کے علاوہ کچھ نظر نہیں آیا، تو میں نے آپ ﷺ سے فرمایا: آپ اللہ سے دعا کریں تاکہ وہ آپ کی امت کے لیے کشادگی فرمائیں۔ اب فارس اور روم بھی فراخی میں ہیں، انہیں دنیا ملی ہے حالانکہ وہ اللہ کی عبادت بھی نہیں کرتے۔ پیغمبر پاک ﷺ ٹیک لگائے ہوئے تھے تو فرمایا:

أو في شك أنت يا بن الخطاب! أولئك قوم عجلت لهم طيباتهم في الحياة الدنيا.

"کیا تمہیں کوئی شک ہے اے ابن خطاب! وہ تو وہ لوگ ہیں جن کے لیے نعمتیں اسی دنیا میں دے دی گئی ہیں۔"

تو میں نے کہا: اے رسول اللہ! میرے لیے مغفرت طلب کریں۔"

نبی اکرم ﷺ ریتیلے بستر پر سوتے تھے یہاں تک کہ اس کا اثر ان کے پہلو پر پڑ جاتا تھا۔

بعض صحابہؓ ان گھروں سے لوٹ جاتے تھے جس کی دیواروں کو پردوں سے ڈھانپا جاتا تھا۔ حضرت سہل بن عبد اللہ بن عمر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میں نے اپنے والد کے زمانے میں شادی کی، تو میرے والد نے لوگوں کو دعوت دی۔ ان میں ابو ایوبؓ بھی تھے۔ لوگوں نے میرے گھر کو سبز پردوں سے سجایا تھا۔ حضرت ابو ایوبؓ آئے اور دیکھ کر کہا: اے عبد اللہ دیواروں کو ڈھانپتے ہو۔ میرے والد کو شرم آئی اور کہا: اے ابو ایوب ہم پر عورتیں غالب آگئیں۔ حضرت ابو ایوبؓ نے فرمایا: مجھے توقع نہ تھی کہ تم پر بھی غالب آجائیں گی...... اور داخل ہونے کے بجائے وہیں سے لوٹ گئے۔

گویا مباحات میں توسع پایا جاتا ہے۔ بعض مجاہدین کے گھر میں اگر داخل ہو تو لگتا ہے کہ راستہ غلط کر دیا ہے۔ آیا یہ وزیر کا گھر ہے، یا امیر کا، یا بڑے تاجر کا۔ اتنی فضول خرچی اور اسراف۔ ممکن ہے اس میں سے بعض جہاد میں سے کچھ چوری کیا ہوا سامان بھی ہو۔

بعض ایسے ہیں جو اپنے گھر کے سامان کی خاطر طاغوت کے سامنے تسلیم ہو جاتے ہیں، والعیاذ باللہ۔ کل کو وہ ایسے کمرے میں سوتا تھا جو لاکھوں میں فروخت ہوتا اور آج وہ کسی درخت کے نیچے، یا کسی غار میں یا کسی چھوٹے سے جھونپڑے میں رہتا ہے تو اس سے صبر نہیں ہوتا اور تسلیم ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالی سے ثابت قدمی کی دعا کیجیے۔

اس سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ ہم اللہ کی حلال کردہ چیزوں کو حرام کر رہے ہیں۔ نبی اکرم ﷺ کو حلوہ اور شہد پسند تھا، پانی سے بھی لطف اندوز ہوتے تھے، مشک کی خوشبو لگاتے تھے۔ ہمارا مقصد آسائش میں مبالغہ اور دکھاوے کے اہتمام سے پرہیز کرنا ہے۔

مباحات میں توسع بلکہ مکروہات میں سے رات کو جاگنا ہے۔ رات کو جاگنا الٰہی سنت کے خلاف ہے۔ اللہ تعالی فرماتے ہیں:

وَ هُوَ الَّذِيۡ جَعَلَ لَكُمُ الَّيۡلَ لِبَاسًا وَّ النَّوۡمَ سُبَاتًا وَّ جَعَلَ النَّهَارَ نُشُوۡرًا (سورۃ الفرقان:۴۷)

”اور وہی تو ہے جس نے رات کو تمہارے لیے پردہ اور نیند کو آرام بنایا اور دن کو اُٹھ کھڑے ہونے کا وقت ٹھہرایا۔“

اور فرمایا:

هُوَ الَّذِيۡ جَعَلَ لَكُمُ الَّيۡلَ لِتَسۡكُنُوۡا فِيۡهِ وَ النَّهَارَ مُبۡصِرًا ؕ اِنَّ فِيۡ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوۡمٍ يَّسۡمَعُوۡنَ (سورۃ یونس:۶۷)

”وہی تو ہے جس نے تمہارے لیے رات بنائی تاکہ اس میں آرام کرو اور دن روشن بنایا (تاکہ اس میں کام کرو)۔“

اللہ تعالیٰ نے رات کو آرام اور پردہ بنایا ہے جو پوری دنیا پر چھا جاتی ہے تو ہل چل ختم ہو جاتی ہے۔ جانور اپنے ٹھکانوں میں چلے جاتے ہیں، پرندے اپنے گھونسلوں میں۔ اس میں انسان کو سکون ہوتا ہے اور وہ دن بھر کام اور تھکاوٹ کے بعد آرام کرتا ہے۔ پھر جب آرام اور نیند پوری ہو جاتی ہے اور کام کاج اور روزی کا وقت آ جاتا ہے تو نور پھیلانے والا اللہ سبحانہ وتعالیٰ صبح کر دیتا ہے۔ جانور اپنے کھانے کے لیے نکلتے ہیں اور پرندے اڑ جاتے ہیں۔ تو تم اے مسلم مجاہد! اس الٰہی سنت اور ربانی حکمت کی خلاف ورزی کیوں کرتے ہو؟

ڈاکٹر فہد حضیری فرماتے ہیں:

”جدید تحقیقات نے ثابت کیا ہے کہ رات کو جاگنا دفاعی نظام پر اثر انداز ہونے والے عوامل میں سے اہم ترین ہے۔ رات کو جاگنا دفاعی نظام کے خلیوں کی حرکت اور ان کی یادداشت کو کمزور کر دیتا ہے۔ اور یہ بھی ثابت شدہ ہے کہ رات جاگنا اعصابی نظام اور احساس کے خلیوں کے کام میں خلل ڈالتا ہے۔ جس سے اعصابی نظام اور دماغ پر انتہائی منفی اثر پڑتا ہے۔ رات جاگنے سے ترکیز، یادداشت اور ردعمل کمزور ہو جاتے ہیں۔ جو شخص نئی چیزیں ایجاد کرنا چاہتا ہے، زیادہ پیداوار چاہتا ہے، عقلی اور جسمانی قوت میں زیادتی چاہتا ہے، اسے سفارش کی جاتی ہے کہ وہ عشاء کے بعد جلدی سوئے اور جلدی اٹھے تاکہ اس کی زندگی منظم ہو اور صحت مستحکم ہو۔“

مباحات میں توسع کی ایک اور مثال جہادی ترانوں کی کثرت ہے۔ شیخ ابو یحیی اللیبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”طلب علم کے لیے فراغت حاصل کرنا۔ اگر اللہ تعالیٰ نے اس کے حصول کے لیے راستہ کھولا ہے تو اللہ پر توکل کرتے ہوئے اس راستے میں جتنا بڑھ سکتے ہو بڑھو۔ اس کے بجائے کہ تم اپنے دن کے اور عمر کے ایک حصے کو ترانے سننے میں لگا دو، جس سے تمہیں کوئی فائدہ نہیں ہونا۔ تو اس کے بجائے یہ وقت کسی درس یا وعظ یا فتاویٰ سننے میں صرف کرو۔ یا اپنے اسباق کے اعادہ میں، یا کسی دوست کے ساتھ دہرائی میں۔ اگر کوئی اور دورہ میسر آئے تو اس میں شریک ہونے کی پوری کوشش کرو۔ اس لیے کہ علم تو درجہ بدرجہ بڑھتا ہے، علم ایک دن یا یکدم حاصل نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

يَرۡفَعِ اللّٰهُ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا مِنۡكُمۡ ۙ وَ الَّذِيۡنَ اُوۡتُوا الۡعِلۡمَ دَرَجٰتٍ (سورۃ المجادلہ:۱۱)

”جو لوگ تم میں سے ایمان لائے ہیں اور جن کو علم عطا کیا گیا ہے خدا ان کے درجات بلند کرے گا۔“

شیخ محمد ناصر الدین البانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”اگر ان ترانوں میں اسلامی مفاہیم ہوں، اور ان میں ساز اور ڈھول اور دف جیسے آلات استعمال نہ ہوں تو ان میں کوئی حرج نہیں۔ لیکن ان کے جواز کے لیے ایک اور اہم شرط ذکر کرنا بھی ضروری ہے۔ اور وہ یہ کہ وہ شریعت کے خلاف نہ ہوں، جیسے کہ غلو وغیرہ۔ اور ایک اور شرط کہ اسے اپنا مشغلہ نہ بنایا جائے، کیونکہ اس طرح قرآن کریم کی تلاوت رہ جاتی ہے، جس پر سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں بہت تاکید ہے۔ اور اس سے علم نافع کا حصول اور اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت بھی رہ جاتی ہے۔“ (بحوالہ مجلہ الاصالہ، عدد دوم)

مباحات میں توسع کی ایک اور مثال نیند کی زیادتی ہے۔ اور ادابی داؤد کے شرح میں لکھا ہے:

”زیادہ سونے کی کئی آفتیں ہیں۔ ان میں سے ایک یہ کہ یہ بزدلی، کمزوری، کم عقلی اور بے وقوفی کی دلیل ہے۔ اس سے سستی، کاہلی اور بے ہمتی کی عادت پڑ جاتی ہے۔ اور عمر کو بے سود گزارنے کی عادت بن جاتی ہے۔ اس سے دل سخت، غافل اور مر جاتا ہے۔ اس پر دلیل بضرورت ہر ایک کو معلوم ہے اور دیکھا جا سکتا ہے۔ اور اقوام کے محاوروں، حکماء کے اقوال، عرب کے اشعار، صحیح احادیث، سلف وخلف کے آثار سے بالتواتر منقول ہے۔ اختصار کی خاطر اور بر مشہور و معلوم ہونے کے سبب یہاں اس پر دلیل ذکر کرنے کی ضرورت نہیں۔“

(جاری ہے، ان شاء اللہ)

نشریات

ہند میں آبروئے اسلام...... ملت کی بیٹی: مسکان!

حکیم الامت، فضیلۃ الشیخ ایمن الظواہری (دامت برکاتہم العالیۃ)

بسم اللہ والحمدللہ والصلاۃ والسلام علی رسول اللہ وعلی آلہ وصحبہ ومن والاہ

دنیا بھر میں موجود میرے مسلمان بھائیو!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

بدھ، ۸ رجب ۱۴۴۳ھ کو الیکٹرانک میڈیا کے چینلوں اور سوشل میڈیا صفحات نے ہندوستان کے ایک کالج میں زیرِ تعلیم ایک مسلمان بہن کا ویڈیو کلِپ نشر کیا جس میں اس بہن نے اپنے الفاظ و اعمال سے روحِ جہاد کو زندہ کر دیا، اس بہن نے ہندو مشرکین کے ایک ہجوم کے سامنے اپنی عزت اور اپنے حجاب کے دفاع میں تکبیر کا نعرہ بلند کیا۔ اللہ تعالیٰ ہماری اس بہن کو اسلام، مسلمانوں اور مسلم خواتین کے سر عزت و افتخار سے بلند کرنے پر بہترین جزائے خیر سے نوازیں۔ اللہ تعالیٰ اس بہن کو امت میں باہمی ہمدردی، باہمی مدد و نصرت، شریعت اور احکامِ دینی پر عمل کی خاطر اتحاد و اتفاق جیسے مثبت جذبات جگانے پر بہترین جزا عطا فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ اسے اپنے دین کا، اپنے حجاب کے ذریعے دفاع کرنے اور اس سے جڑے رہنے، امتِ مسلمہ کی اپنے عقیدے و منہج اور شریعت کے اعتبار سے مشرکین کے عقائد اور مغربی ملحدین کے اخلاقی انحطاط کے مقابلے میں برتری کا عملی ثبوت فراہم کرنے پر بہترین جزا عطا فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ ہماری اس عزت دار بہن کو اعلیٰ ترین انعام و اکرام سے نوازیں۔

پس حقیقت واضح ہو گئی، اور پاکیزہ و پاک باز امتِ مسلمہ اور ذلیل و اخلاق باختہ مشرک و ملحد دشمنوں کے مابین جاری کشمکش کے چہرے پر پڑا نقاب الٹ گیا۔ اللہ تعالیٰ ہماری اس بہن کو بہترین جزا عطا فرمائیں، کہ اس نے عزت اور غیرتِ ایمانی کے معانی زندہ کر دیے۔ الفاظ اس کی توصیف کرنے سے عاجز ہیں اور زبان و بیان کا زور اس کی عظمت کا احاطہ کرنے سے قاصر ہے۔ اللہ تعالیٰ ہماری اس بہن کو اپنے عمل کے ذریعے خدائے تعالیٰ کے اس فرمان پر پورا اترنے پر جزائے خیر سے نوازیں، اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرماتے ہیں:

وَلَا تَهِنُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَنتُمُ الْأَعْلَوْنَ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ○ (سورۃ آلِ عمران: ۱۳۹)

”(مسلمانو) نہ تو ہمت ہارو، اور نہ غم گین ہو، اگر تم واقعی مومن ہو تو تم ہی سربلند ہوگے۔“

اور اس فرمانِ باری تعالیٰ کا مصداق بننے پر کہ:

وَلِلَّهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُولِهِ وَلِلْمُؤْمِنِينَ وَلَٰكِنَّ الْمُنَافِقِينَ لَا يَعْلَمُونَ○ (سورۃ المنافقون: ۸)

”حالانکہ اصل عزت تو اللہ، اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور مومنین کے لیے ہے، لیکن یہ منافق جانتے نہیں۔“

اللہ تعالیٰ اس بہن کو بہترین جزا عطا فرمائیں کہ اس نے زوال پذیر مغربی دنیا کے مقابل ایک احساسِ کمتری میں مبتلا رہنے والی کتنی ہی مسلمان بہنوں کو ایک عملی درس دیا کہ ایک مسلمان عورت کو کیسا ہونا چاہیے: اپنے دین پر فخر کرنے والی، اپنے شعائر سے جڑنے والی اور احکامِ شریعت کی پابندی کرنے والی۔ اللہ تعالیٰ اسے ہندوتوائی بھارت کی حقیقت کھولنے اور اس کی مشرک جمہوریت کا فریب واضح کرنے پر اجرِ عظیم سے نوازیں۔ اور اللہ سبحانہ تعالیٰ آزاد میڈیا کے ان تمام علم برداروں کو بھی بہترین جزا عطا فرمائیں، جنھوں نے یہ ویڈیو نشر کی اور اس واقعے کو منظرِ عام پر لائے۔ میں ان سے کہتا ہوں کہ جو ظلم و ناانصافی ہو رہی ہے، اس کا مقابلہ کریں اور زمینی حقائق لوگوں کے سامنے کھول کھول کر بیان کریں۔

برِّ صغیر میں موجود اپنی مسلمان امّت کے لیے میرا پیغام ہے کہ ہمیں ان مغالطوں اور فریبوں سے جان چھڑانا ہوگی جو ہمیں سرگرداں و پریشان رکھے ہوئے ہیں۔ ہمیں ہندوستان کی مشرک جمہوریت کے سراب سے نکلنا ہوگا جو کبھی بھی مسلمانوں پر ظلم و استبداد جاری رکھنے کے لیے ایک حیلے و بہانے کے سوا کچھ نہ تھی۔ ہمیں اس حقیقت کا ادراک کرنا ہوگا کہ ’انسانی حقوق‘، ’آئین کی بالادستی‘ اور ’قانون‘...... یا اس قسم کے دیگر تخیلاتی اور جھوٹے تصورات...... حقیقی دنیا میں کوئی وجود نہیں رکھتے۔ یہ دھوکہ دہی کی وہی ترکیب ہے جو اس سے پہلے مغرب نے بھی ہمارے خلاف استعمال کی، اور جس کی حقیقت فرانس و ہالینڈ اور سوئٹزرلینڈ نے کھولی جب انہوں نے حجاب پر پابندی لگائی اور عریانی و برہنگی کو قانونی جواز عطا کیا۔

دشمنانِ اسلام وہی ہیں۔ وہ لوگ جو مصر اور الجزائر تا تیونس...... مسلمانوں کے حجاب کے خلاف جنگ لڑ رہے ہیں، یہ وہی موقع پرست گروہ ہے...... لکھاریوں، صحافیوں، حتیٰ کہ دشمنانِ اسلام کے لیے کام کرنے والے بعض اہلِ دستار کا...... جو نقاب و حجاب اور شریعتِ اسلامی پر بڑھ چڑھ کر حملے کرتے ہیں۔ درحقیقت یہ جنگ اسلام کے خلاف ہے، اس کے عقائد و شریعت اور اخلاق و آداب کے خلاف!

اے برّصغیر میں بسنے والی میری مسلمان امّت! آج کا ہمارا معرکہ آگاہی کا معرکہ ہے۔ حقیقت کو سراب سے علیحدہ کرنے کا معرکہ۔ ہمیں یہ سمجھنا ہو گا کہ ہمارے لیے راہِ نجات اپنی شریعت کو مضبوطی سے تھامنے، ایک امتِ واحد کے طور پر متحد ہونے میں ہے۔ چین سے لے کر الجزائر و تیونس تک اور قوقاز سے لے کر صومالیہ تک...... ایک متحد امّت جو بہت سے محاذوں پر ایک ہی جنگ لڑ رہی ہے۔ ہمیں مخلص اور حق پرست علمائے کرام کے گرد اکٹھا ہونے کی ضرورت ہے تاکہ ہم اپنی یہ جنگ عقائد و نظریات کے محاذ پر وسائلِ اعلام اور میدانِ جنگ میں ہتھیاروں کے ساتھ دشمنانِ اسلام کے خلاف استعمال کرتے ہوئے لڑ سکیں۔ اور اس سلسلے میں پہلا قدم آگاہی پھیلانے اور حقائق کو عام کرنے کا ہے۔

اے میری امتِ مسلمہ! ہم پر واجب ہے کہ ہم محض ایک اللہ...... وحدہ لا شریک پر توکل کریں، اور ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کریں۔ ہمیں اس حقیقت کا بھی ادراک کرنا ہو گا کہ ہم مسلمانوں پر مسلّط یہ حکومتیں، بالخصوص پاکستان و بنگلہ دیش کی حکومتیں، ہمارا دفاع نہیں کرتیں بلکہ یہ ہمارے ان دشمنوں کا دفاع کرتی ہیں جن سے ہم بر سرِ پیکار ہیں۔

اے برّصغیر اور پوری دنیا میں بسنے والی میری مسلمان امت! میں اپنی بات مختصر رکھوں گا، کہ جس موقف کا ہم سب نے مشاہدہ کیا ہے وہ زبان و بیان کی قدرت سے کہیں بلند، اعلیٰ و ارفع اور فصیح و بلیغ ہے۔ میں اپنی اس مجاہد بہن کی تکبیر کے سچے نعروں سے بے حد متاثر ہوا، اور ان نعروں نے مجھے یہ چند مصرعے لکھنے پر مجبور کر دیا، باوجود اس کے کہ میں شاعر نہیں ہوں۔ میں امید کرتا ہوں کہ میری مجاہدہ بہن مجھ سے یہ چند الفاظ ان کے ضعف اور نقص کے باوجود قبول کر لے گی۔

حجاب نے سر تان لیا، میں نہیں جھکوں گی
اس نے للکار کر کہا: سیکھ لو مجھ سے اللہ پر یقین
میں عزت ہوں اسلام کی، کینہ پروروں کے برخلاف
میں بیٹی ہوں اسلام کی اور ناموسِ مسلمین
میں تعفن کی فضا میں اخلاق کی بلندی ہوں
میں شرک کے مقابلے میں دعوت ہوں توحید کی
میں روح ہوں ایمان کی اور دہریوں کی موت ہوں
ہدایت چاہنے والوں کو سکھاتی ہوں، روشنی کی راہ دکھاتی ہوں
میں ظالم کے خلاف مظلوم کی صدا ہوں
میں ایک مومن عورت کی استقامت ہوں، حد سے گزرنے والے ظالموں کے خلاف
میں غاصبوں کے خلاف بغاوت کا عنوان ہوں
میں مظلوم و مقہور کی بیداری کا اعلان ہوں
میں غلاموں کے لیے آزادی کا پیغام ہوں
اور ذلت و خواری سے نجات کا عزم
میں وہ تلوار ہوں جو فکر کی کجی کو دور کر دے
میں حضرتِ ابراہیمؑ اور ان کی راہ پر چلنے والوں کی بت شکن کلہاڑی ہوں
میں تمام جہانوں کے رب کو سجدہ کرنے والوں کی بیٹی ہوں
ہندوستان میں بلند کی گئی میری تکبیر کا جواب
بیت المقدس تا کشمیر سبھی مومنین نے دیا
بت اپنے ہی سامنے سر بسجود مشرکوں پر گر گئے
اور پتھر اپنے پوجنے والوں کے ہی سروں پر برسنے لگے
اور وہ چھوٹ گئے جب انہوں نے دیکھا کہ وہ مجھے جھکا نہ سکیں گے
لبیک! اے بہن! ہم تمہارے بھائی پیچھے بیٹھ رہنے والوں میں سے نہیں!
بہنا! ثابت قدم رہنا کہ خدا بہترین مددگار ہے
اور جب سب مدد سے انکار کر دیں تو وہی اللہ بہترین حامی و مددگار ہے
اور یاد رکھو کہ معرکۂ حق وباطل اہلِ یقین کی ثابت قدمی کے سبب جاری ہے!
اور فتح قریب ہے پس فاتحین کے لیے تکبیر بلند کرو!

اللہ اکبر! اللہ اکبر!

میں آپ کو اللہ کی حفظ و امان میں دیتا ہوں۔ اپنی دعاؤں میں مجھے مت بھولیے گا۔

وآخر دعوانا أن الحمد للہ ربّ العالمین وصلی اللہ علی سیدنا محمد وعلی آلہ وصحبہ وسلم!

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

☆☆☆☆☆

اللہ کا نظام اپنے دلوں پر قائم کریں!

”کسی زمین کو حاصل کرنے سے پیشتر اللہ کا نظام اپنے دلوں پر قائم کریں۔ فرنگی کی ڈیڑھ سو سالہ غلامی سے جو دل زنگ آلود ہو چکے ہیں، انہیں ایمان کی کسوٹی پر پرکھیں تاکہ کفر کے نظامِ حکومت کی جو آلائشیں اس پر جم چکی ہیں، وہ صاف ہو جائیں۔ آپ نے کوئی زمین حاصل کر بھی لی تو جو نظام آپ قائم کریں گے وہ انسانوں کا بنا ہوا ہوگا۔ جس کی ہر شق کفر کے آئین سے ماخوذ ہو گئی۔“

(امیر شریعت حضرت مولانا سیّد عطاء اللہ شاہ بخاری ؒ)

ہلالِ رمضان کا پیغام

مفکرِ اسلام مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ

لیجیے! پورے ایک سال کے بعد مجھے آپ حضرات کی زیارت پھر نصیب ہو رہی ہے۔ میں آپ کے لیے رمضان کا پیغام لے کر آیا ہوں۔ وہ پیغام ہے تقویٰ کا اور صبر کا، رحمت کا اور مغفرت کا، تلاوت کا اور عبادت کا اور رضائے الٰہی کا۔ میں ایک ماہ تک آپ حضرات کی مہمانی میں رہوں گا اور دیکھوں گا کہ آپ کے روزے کیسے گزرتے ہیں؟ آپ کی عبادت و تلاوت کا کیا حال ہے؟ آپ کتنا وقت عبادت میں صَرف کرتے ہیں اور اپنے مالک کی یاد میں گزارتے ہیں؟ پھر میں آپ سے اجازت لے کر رخصت ہوں گا اور دوسرا چاند میری جگہ لے گا، عید کا مبارک اور نیا چاند، اور عید تو خود رمضان کا انعام ہے۔ اگر رمضان نہ ہوتا تو عید بھی نہ آتی، اگر مشقت نہ ہوتی تو راحت کا بھی لطف نہ آتا، شب بیداری نہ ہوتی تو نیند کا بھی پورا مزہ نہ آ سکتا، اگر بھوک نہ ہوتی تو کھانا بھی اچھا معلوم نہ ہوتا۔ اس لیے عید اپنی تمام مسرتوں اور لذتوں کے باوجود رمضان کی رہینِ منت ہے اور اس طرح میں صرف رمضان ہی کا سفیر نہیں بلکہ عید کا بھی سفیر ہوں۔

زہد اور صبر کا مہینہ:

ہاں! تو میں آپ کے لیے زہد، مجاہدہ اور صبر کا پیغام لایا ہوں۔ میں بھوک اور پیاس اور شب بیداری کا سفیر ہوں اور کھانے پینے اور دوسری دنیاوی لذتوں سے آپ کا ہاتھ روکنے کے لیے آیا ہوں۔ اس لیے اگر میری آمد سے آپ حضرات کو گرانی ہو اور آپ "واپس جاؤ" کے نعروں کے ساتھ میرا استقبال کریں اور مجھ کو "بھوک اور پیاس کا پیامبر" اور "مشقت و تکلیف کا قاصد" کے ناموں سے نوازیں تو مجھ کو مطلق تعجب نہ ہوگا۔ خاص کر اس صورت میں جب کہ انتہائی گرمی کے زمانے میں مَیں آپ کے یہاں آیا ہوں، لیکن اس کے باوجود میں نے دیکھا کہ آپ نے میرا بڑی گرم جوشی اور محبت کے ساتھ استقبال کیا۔ آدمی مسجدوں اور اپنے مکانوں کی چھتوں پر کھڑے ہوئے میری ایک جھلک دیکھ لینے کے لیے بے قرار تھے، اور گویا انہوں نے اس بیکراں نیلے آسمان میں مجھے شکار کرنے کے لیے اپنی نگاہوں کا ایک جال سا بچھا دیا تھا۔ جب انہوں نے مجھے دیکھ لیا تو ان کے چہرے خوشی سے چمک اٹھے اور مسرت و خوشی کے الفاظ ان کی زبانوں سے بے ساختہ نکلنے لگے۔ ایسا معلوم ہوا جیسے وہ تھوڑی دیر کے لیے بھول گئے ہوں کہ میں کس ذمہ داری اور کن مطالبات کو لے کر آیا ہوں۔

میرے خیال میں تو ایسے آدمی کا اس زندہ دلی اور گرم جوشی سے استقبال کرنا جو ایک پُر مشقت کام یا ایک تلخ پیغام لے کر آیا ہو، بہت بڑی بات ہے۔ اور حقیقت میں یہ تو ایمان کا کرشمہ ہے اور یہ ایمان ہی کی طاقت ہے جو ایک شاق چیز کو آسان کر دیتی ہے اور دشمن کو دوست بنا دیتی ہے۔

دس گنے سے سات سو گنے کا ثواب:

آپ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث سنی یا پڑھی ہو گی کہ

كُلُّ عَمَلِ ابْنِ آدَمَ يُضَاعَفُ، الْحَسَنَةُ عَشْرُ أَمْثَالِهَا إِلَى سَبْعِ مِائَةِ ضِعْفٍ، قَالَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ: إِلَّا الصَّوْمَ، فَإِنَّهُ لِي، وَأَنَا أَجْزِي بِهِ، يَدَعُ شَهْوَتَهُ وَطَعَامَهُ مِنْ أَجْلِي

"انسان کے ہر اچھے عمل میں دس گنے سے لے کر سات سو گنے تک اضافہ کیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ سوائے روزے کے، کہ وہ میرے لیے ہے اور میں ہی اس کا بدلہ دوں گا، بندہ اپنی خواہشات اور اپنا کھانا پینا صرف میری خاطر چھوڑتا ہے۔" (مسلم: حدیث ۲۷۰۷)

اور فرمایا:

اِنَّ فی الجَنَّةِ بَابًا يُقَالُ له الرَّيَّانُ يَدخُلُ منه الصَّائِمُونَ یوم القِيَامَةِ لَا يَدخُلُ منه اَحَدٌ غَيرُہُم يُقَالُ اَينَ الصَّائِمُونَ؟ فَيَدخُلُونَ مِنْهُ فَاِذادَخَلُوااَغلِقَ فلم يَدخُل منه اَحَدٌ

"جنت میں ایک دروازہ ہے، جس کا نام "ریان" ہے، قیامت کے دن اس سے صرف روزہ دار داخل ہوں گے اور جب وہ داخل ہو جائیں گے تو دروازہ بند کر دیا جائے گا اور پھر کوئی اس میں داخل نہ ہو سکے گا۔"
(مسلم: حدیث ۲۷۱۰)

اور فرمایا:

مَنْ صَامَ رَمَضَانَ إِيمَانًا وَاحْتِسَابًا غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ

"جس نے اللہ کے وعدوں پر یقین رکھتے ہوئے اور اس کے اجر و ثواب کی امید میں رمضان کے روزے رکھے، اس کے تمام گزشتہ گناہ معاف کر دیے جائیں گے۔" (بخاری: حدیث ۳۸)

اگر یہ حدیثیں نہ ہوتیں جن پر آپ ایمان لائے ہیں، اگر یہ نعمتیں نہ ہوتیں جن کی طمع آپ اپنے اندر پاتے ہیں، یا مختصر الفاظ میں اگر ایمان آپ کے قلب میں پیوست نہ ہوتا تو بخدا یہ

روزہ اس گرمی میں کبھی آپ کے لیے آسان نہ ہوتا۔ اس لیے کہ انسان چھوٹی لذت کسی بڑی لذت کی امید ہی میں چھوڑ سکتا ہے، اور مختصر راحت کسی طویل آرام کے یقین ہی کی وجہ سے ترک کر سکتا ہے۔ اور حقیقت میں روزہ دار کو جو خوشی حاصل ہوتی ہے وہ روزہ خور کو کبھی نہیں حاصل ہو سکتی۔ بلکہ روزہ دار کے لیے دو ایسی فرحتیں رکھی گئی ہیں کہ کسی دوسرے کے لیے نہیں ہیں۔ ہمارے اور آپ کے نبی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لِلصَّائِمِ فَرْحَتَانِ يَفْرَحُهُمَا؛ إِذَا أَفْطَرَ فَرِحَ، وَإِذَا لَقِيَ رَبَّهُ فَرِحَ بِصَوْمِهِ

”روزہ دار کے لیے دو خوشیاں ہیں جو اس کو حاصل ہوں گی، جب افطار کرے گا اس وقت اس کو خوشی حاصل ہو گی، اور جب اپنے رب سے ملے گا تو اپنے روزہ پر خوش ہو گا۔“ (بخاری: حدیث ۱۹۰۴)

میری اپنی انفرادیت اور خصوصیت:

میں یہ نہیں کہتا کہ نماز، زکوٰۃ کوئی بڑی چیز نہیں اور اس کا زندگی پر کوئی اثر نہیں۔ میں اس بات سے پناہ چاہتا ہوں کہ محسن کی ناشکری کروں اور صاحبِ فضل کے فضل کا انکار کروں۔ جب کہ آپ جانتے ہیں کہ میرے اور ان احکاماتِ دینیہ میں کتنا برادرانہ اور مخلصانہ رشتہ ہے۔ لیکن اگر اجازت دیجیے تو میں یہ کہوں گا کہ میں دین کے ایک شعبے کی زیادہ واضح اور طاقت ور نمائندگی کرتا ہوں۔ اور وہ ہے اطاعت اور قربانی کا شعبہ۔ میں جس گھر کو بھی دیکھتا ہوں، یہی نظر آتا ہے کہ لوگوں نے اپنے منہ پر تالے لگا لیے ہیں اور گویا طلوعِ فجر سے لے کر آفتاب ڈوبنے تک انہوں نے کھانے پینے کی چیزوں پر ہاتھ لگانے تک کی قسم کھا رکھی ہے۔ طرح طرح کے لذیذ کھانے ان کے اشارے کے منتظر رہتے ہیں اور گویا ان کے ہاتھ میں ہوتے ہیں، بلکہ کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ان کی وجہ سے ان کے منہ میں پانی آنے لگتا ہے، اور ہونٹ اس کے مزے کے لیے بے قرار ہو جاتے ہیں۔ وہ کیا چیز ہے جو آپ کے اور ان لذیذ کھانوں کے درمیان حائل ہو جاتی ہے اور آپ کا ہاتھ پکڑ لیتی ہے؟ ٹھنڈا پانی آپ کے سامنے موجود ہوتا ہے اور آپ لُو اور شدید تپش کے باوجود اس کی طرف ہاتھ نہیں بڑھا سکتے اور اپنی پیاس نہیں بجھا سکتے۔ خدا کا حکم ہی تو ہے جو آپ کو اس سے باز رکھتا ہے۔ اس سے اندازہ کیجیے کہ یہ اطاعت و قربانی کتنی بڑی ہے اور یہ فنائیت کا کیسا نمونہ ہے!

میں نے اقتدار و جلال کے بہت سے نمونے دیکھے ہیں، اور اطاعت و فرماں برداری کے بہت سے مناظر کا مشاہدہ کیا ہے۔ لیکن میں آپ سے کہہ سکتا ہوں کہ میں نے بہت سے ایسے آدمیوں کو دیکھا جو دن کو جرائم سے دست کش ہو جاتے ہیں اور رات کو دوبارہ اس میں مشغول رہتے ہیں، اور ظاہری طور پر اطاعت کا مظاہرہ کرتے ہیں، اور پولیس کی آنکھ میں بھی کالک ڈالتے ہیں، بلکہ اگر میں یہ کہوں تو بے جا نہ ہو گا کہ یہ لوگ خود اپنے ساتھ خیانت کرتے ہیں۔ لیکن اس موقع پر جس اطاعت و فرماں برداری اور وفاداری و جاں نثاری، جس اخلاص اور صبر اور ثابت قدمی کے نمونے دیکھے، وہ میں نے کسی دنیاوی اقتدار و عزت کی وجہ سے نہیں دیکھے۔

ایک آدمی ہے جس کو پیاس نے بے تاب کر رکھا ہے، پانی کے گلاس بھرے ہوئے سامنے رکھے ہیں، لیکن مجال نہیں کہ اس کو وہ اپنے ہونٹوں سے لگا لے۔ ایک مسلمان باورچی ہے، جو روزہ رکھے ہوئے دن بھر طرح طرح کے کھانے تیار کرتا ہے اور گرمی و تپش برداشت کرتا ہے، وہ چاہتا تو اس میں سے کچھ لے کر کھا سکتا تھا، لیکن محض ایمان اس کو اس چیز سے باز رکھتا ہے کہ تھوڑے سے چٹخارے کے لیے اپنے رب کو ناراض کر بیٹھے۔

جب سورج ڈوب جاتا ہے اور روزے دار اللہ کا نام لے کر افطار کرتے ہیں اور کہتے ہیں ذَهَبَ الظَّمَأُ، وَابْتَلَّتِ الْعُرُوقُ، وَثَبَتَ الْأَجْرُ إِنْ شَاءَ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ، ”پیاس دور ہو گئی، رگیں تر ہو گئیں اور ان شاء اللہ اجر ثابت ہو گیا“۔ اس وقت کوئی کھانے کے لیے ایک منٹ نہیں رکتا، بلکہ اس وقت نہ کھانا ایسی ہی معصیت اور گناہ ہے جیسے دن کو روزہ نہ رکھنا۔ معلوم ہوا کہ مومن حکم کا غلام ہے، حکم ہی سے وہ روزہ رکھتا ہے اور حکم ہی سے افطار کرتا ہے۔ اپنی طرف سے کچھ اضافہ یا ترمیم کرنے کا حق اس کو حاصل نہیں ہے۔

اسی چیز کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لا يَزَالُ النَّاسُ بِخَيْرٍ مَا عَجَّلُوا الْفِطْرَ

”جب تک لوگ افطار کرنے میں جلدی کرتے رہیں گے، اس وقت تک وہ خیر میں رہیں گے۔“ (بخاری: حدیث ۱۹۵۷)

یہی وجہ ہے کہ عید و بقر عید میں روزہ رکھنا بہت بڑا گناہ بتایا گیا ہے، کیونکہ یہ کھانے پینے کے دن ہیں، ان دنوں میں روزہ رکھنے کا مطلب یہ ہے کہ خدا کی تو نافرمانی کی گئی اور اپنے نفس کی فرماں برداری کی گئی۔

کھانے پینے میں اعتدال اور دوسروں کی مدد کر کے میرا ساتھ دیجیے:

موجودہ دور میں لوگ کھانے پینے میں بہت اسراف سے کام لیتے ہیں، یہاں تک کہ کبھی کبھی اس پُرخوری کی وجہ سے اپنے لیے ہلاکت کا سامان بھی کر لیتے ہیں۔ ان کے دل پتھر ہو جاتے ہیں اور ان کے احساسات بالکل مردہ، ان کو نہ کسی کے فقر کا خیال رہتا ہے اور نہ کسی کی بھوک کا، کسی ایسے منظر کو دیکھ کر ان کے کان پر جوں بھی نہیں رینگتی، وہ اتنا سیر ہو کر کھاتے ہیں کہ وہ بھوک کا مطلب بھی بھول جاتے ہیں۔ وہ یہ سمجھ نہیں سکتے کہ بھوک سے انسان کو کیا تکلیف ہوتی ہے؟ اگر ایسا ہی ہوتا اور وہ ہمیشہ سیر ہو کر کھاتے رہتے، تو ان کو بھوک کا تجربہ کیسے ہوتا؟ وہ بھوکوں اور فقیروں پر کیسے رحم کرتے؟ جو بھوک کا نام ہی نہ جانتا ہو، وہ بھوکے پر کیسے رحم کھا سکتا ہے؟

میں ہر سال آکر دولت مندوں اور خوش حال لوگوں کو بھوک کا تجربہ کرا جاتا ہوں، شاید وہ یہ سمجھیں کہ غریب لوگ کس بھوک اور فاقے کا شکار ہیں، شاید وہ ان کی مدد کے لیے آمادہ ہوں اور ان کے اندر رحم کا جذبہ پیدا ہو۔

اس سوسائٹی کا اصل مرض یہی کھانے کا مرض ہے نہ کہ بھوک، جیسا کہ بہت سے لوگ سمجھ بیٹھے ہیں۔ کھانے کا یہ حد سے بڑھا ہوا شوق ہی تو ہے جس نے بہت سے اخلاقی و مادی امراض آپ کی سوسائٹی میں پیدا کیے۔ یہ سب بے صبری، شدتِ حرص اور لالچ کا نتیجہ ہے۔

میں ہر سال اسی مقصد سے آتا ہوں کہ اس شدت اور بے صبری میں کچھ تخفیف کر سکوں اور لوگوں میں کھانے پینے اور رہنے سہنے کے معاملے میں اعتدال کا ذوق پیدا ہو۔ اس لیے کہ یہی وہ چیز ہے جس کو اللہ تعالیٰ میری آمد کے ساتھ آپ لوگوں پر فرض کرتا ہے۔ جس نے ایک مہینہ کے روزے رکھ لیے، اس کی خواہشات میں اور اس کی ذہنی بھوک میں ضرور تھوڑی سی کمی آنی چاہیے۔ یہی وجہ ہے کہ صرف کھانے اور پینے ہی سے نہیں روکا گیا بلکہ ہر قسم کے فسق و فجور سے بچنے کا حکم دیا گیا ہے۔ غیبت، جھوٹ، چغل خوری، لڑائی، فساد اور تمام بری باتوں سے روکا گیا ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اگر کوئی روزہ سے ہو تو نہ وہ بری بات کہے اور نہ لڑے جھگڑے، اگر کوئی اس کو گالی دے یا اس سے لڑنے پر آمادہ ہو تو اسے کہہ دے کہ میں روزے سے ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا:

مَنْ لَمْ يَدَعْ قَوْلَ الزُّورِوَالْعَمَلَ بِهِ وَالْجَهْلَ فَلَيْسَ لِلَّهِ حَاجَةٌ فِي أَنْ يَدَعَ طَعَامَهُ وَشَرَابَهُ

”جس نے جھوٹ اور بری بات کہنا اور اس پر عمل کرنا نہیں چھوڑا تو اللہ تعالیٰ کو اس کی بھی کوئی حاجت نہیں ہے کہ وہ اپنا کھانا پینا چھوڑے۔“

(بخاری: حدیث ۱۹۰۴)

جو شخص ان شرائط و آداب کے ساتھ روزہ رکھے گا، اور روزے کی روح کو اپنے اندر پیدا کرے گا وہ اعلیٰ اخلاق، پاکیزگیٔ نفس اور عفت و طہارت کا اعلیٰ نمونہ بنا سکتا ہے۔

میں نے اپنا پیغام پہنچا دیا اور اپنی بات ختم کرلی۔ اب رخصت ہونا چاہتا ہوں، اجازت دیجیے، خدا حافظ!

☆☆☆☆☆

بقیہ: رمضان میں مجاہدین کے کرنے کے کام

الدنیا سجن المؤمن وجنة الكافر

”دنیا مومن کے لیے قید خانہ ہے اور کافر کے لیے جنت۔“

آخری عشرے کا اعتکاف:

آخری عشرے میں اعتکاف کی کوشش کریں۔ وگرنہ کم از کم طاق راتیں ضرور قیام اللیل میں گزاریں۔

نصاب برائے حفظ:

قرآن مجید کی بعض سورتیں جو بھول چکی ہوں از سرِ نو یاد کرنے کی کوشش کریں۔

آخر میں یہ عرض ہے کہ اللہ تعالیٰ کا بے پایاں فضل و کرم ہے کہ اس نے ہمیں ایک بار پھر رمضان کی برکات سے مستفید ہونے کا موقع عنایت فرما دیا، چنانچہ اس کے ایک ایک لمحے کو غنیمت جان کر عبادتِ الٰہی میں وقف ہو جائیں۔

افطاری کے وقت بہت زیادہ کھانے سے پرہیز کریں۔ نفس تو یہ چاہے گا کہ پورا دن بھوکا پیاسا رہنے کے بدلے چٹخارے دار کھانے ملیں۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ آپ اپنے نفس کی باگیں ڈھیلی چھوڑ دیتے ہیں یا قابو کرلیتے ہیں۔ افطار کے وقت انواع و اقسام کی نعمتوں سے لطف اندوز ہوتے وقت گوانتاناموکے پنجروں میں قید اپنے بھائیوں کو ضرور یاد رکھیے گا اور اگر ان کی یاد سے آپ کی آنکھیں بھر آئیں تو امید رکھیں کہ ان شاء اللہ ہمارے لیے راہِ جہاد میں چلنا آسان ہو جائے گا۔

بقیہ: عافیہ صدیقی از شیخ ابو یحییٰ

سو اے گروہِ مجاہدین! اپنے ربّ پر توکل کرتے ہوئے اور اس کے سچے وعدوں پر یقین رکھتے ہوئے فتح کے اس راستے پر گامزن رہیے! سختیوں پر صبر اور آسانیوں پر شکر کو اپنا وطیرہ بنائیے! اس راہ پر لگنے والے زخم ہی آپ کا زادِ راہ ہیں۔ اور اگر ربّ کی رضا ہی آپ کا مقصود ہے تو ہر مشکل آپ کے لیے آسان ہے۔ اور پھر جب منزل ربّ کی جنت ہو، تو راستے کی طوالت کا کیا غم؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَاُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ (سورۃ آل عمران: ۱۸۵)

"سو جسے آگ سے بچا لیا گیا اور جنت میں داخل کر دیا گیا تو وہ کامیاب ہو گیا۔ اور دنیا کی زندگی تو ہے ہی دھوکے کا سامان۔“

وَاللّٰهُ مَعَكُمْ وَلَنْ يَّتِرَكُمْ اَعْمَالَكُمْ (سورۃ محمد: ۳۵)

”اور اللہ تمہارے ساتھ ہے اور وہ ہرگز تمہارے اعمال میں کمی نہ کرے گا۔“

وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين.

رمضان المبارک کے آداب

حضرت مولانا محمد اسلم شیخوپوری شہید نوّر اللہ مرقدہٗ

یہ مہینہ پھر کہاں!

میرے بزرگو اور دوستو! دن بھی آتے رہیں گے اور راتیں بھی آتی رہیں گی۔ مہینے بھی آتے رہیں گے لیکن یہ مہینہ پھر نہیں آئے گا۔ یہ مہینہ نیکیوں کا موسم بہار ہے، عبادت و مغفرت کا سالانہ جشن ہے، نہ معلوم پھر میسر آئے یا نہیں۔ ہمارے کتنے ہی جاننے والے گزشتہ سال ہمارے اندر موجود تھے اور آج نہیں ہیں، اور جو آج موجود ہیں نہ معلوم ان میں سے کتنے اگلے سال نہیں ہوں گے۔ پھر یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ وہ صحت اور فرصت کے لمحات جو ہمیں آج میسر ہیں وہ اگلے سال میسر نہ ہوں۔ خدارا! اس مہینے کی عظمت پہچانیے، ان لمحات کی قدر کیجیے۔ یہ وہ مہینہ ہے جس میں شیاطین قید کر دیے جاتے ہیں، یہ وہ مہینہ ہے جس میں ایسی رات بھی ہے جو ہزار مہینوں سے افضل ہے۔ یہ وہ مہینہ ہے جس میں جنت آراستہ کی جاتی ہے، روزانہ بے شمار لوگوں کو جہنم سے آزادی کا پروانہ دیا جاتا ہے، عبادت کا ثواب کئی گنا بڑھا کر دیا جاتا ہے، دعائیں قبول ہوتی ہیں، اللہ کا منادی پکار پکار کر کہتا ہے: اے نیکی کرنے والے! آگے بڑھ، جلدی کر، اور اے گناہ کرنے والے! رک جا، باز آ جا، یہ گناہوں کا مہینہ نہیں، یہ تو توبہ اور مغفرت کا مہینہ ہے۔ ارے ظالم! لوگ اپنی گردنیں جہنم سے آزاد کر رہے ہیں، تُو کیوں محروم رہتا ہے؟ اپنے مالک و خالق کے سامنے جھک جا اور دامن پھیلا کر درخواست کر:

اللھم اعتق رقابنا من النار ورقاب أبائنا وأمھاتنا وازواجنا واولادنا واقاربنا وجمیع المسلمین والمسلمات والمومنین والمومنات اللھم اعتقھم جمیعا اللھم اعتق رقابھم من النیران

اے اللہ! ہماری گردنوں کو جہنم کی آگ سے آزادی عطا فرما نیز ہمارے والدین، آباواجداد، ہماری بیویوں، اولاد، عزیزواقارب اور تمام مسلمان اور مومن مردوں اور عورتوں کو بھی اے اللہ! آزاد فرما دے۔ اے اللہ! جہنم کی آگ سے بچالے۔

اللھم إنا نسئلک الجنة ونعوذبک من النار

اے اللہ! ہم آپ سے جنت کی درخواست کرتے ہیں اور جہنم کی آگ سے پناہ مانگتے ہیں۔

رمضان کی عظمت پہچاننے والے:

جن لوگوں نے رمضان کی عظمت کو پہچان لیا تھا اور روزوں کی فضیلت کو جان لیا تھا، وہ رمضان المبارک کا ایسے انتظار کرتے تھے جیسے کسی انتہائی قریبی اور معزز مہمان کا انتظار کیا جاتا ہے۔

مشہور تابعی معلی بن الفضل رحمہ اللہ رمضان المبارک کے بارے میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے اشتیاقِ انتظار کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

کانو یدعون اللہ ستة اشھران یبلغھم رمضان ثم یدعونه ستة اشھران یتقبله منھم

”چھ ماہ تک وہ یہ دعا کرتے تھے کہ اے اللہ! ہمیں رمضان تک پہنچا پھر بقیہ چھ ماہ تک وہ یہ دعا کرتے کہ اے اللہ! ہمارے صوم وصلوٰۃ کو قبول فرما۔“

خود رسول کائنات ﷺ کے بارے میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ جب رجب کا چاند دیکھتے تو یہ دعا فرماتے:

اللھم بارک لنا فی رجب و شعبان و بلغنا رمضان

”اے اللہ! ہمیں رجب اور شعبان کے مہینوں میں برکت عطا فرما اور ہمیں رمضان تک پہنچا۔“

جب شعبان کا مہینہ آتا تو حضور اکرم ﷺ کے اشتیاق کا یہ عالم ہوتا کہ آپ شعبان ہی میں روزے رکھنا شروع فرما دیتے۔ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ قریب قریب شعبان کا پورا مہینہ آپ ﷺ روزے رکھتے تھے اور جب رمضان المبارک کا مہینہ آ جاتا تو پھر آپ ﷺ کی عبادت و تلاوت اور جود وسخاوت کا کوئی ٹھکانہ نہ ہوتا۔ آپ ﷺ تیز چلنے والی ہوا سے بھی زیادہ سخاوت فرماتے تھے۔

تلامذہ کا حال:

جب استاذ کا یہ عمل اور یہ انداز تھا تو اس باکمال استاد کے سعادت مند تلامذہ کیوں پیچھے رہتے! وہ رمضان المبارک کا حق ادا کرتے تھے، راتوں کو قیام اور دن کو صیام ان کا دستور تھا، حالتِ سفر میں اگرچہ روزہ رکھنا فرض نہیں لیکن صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اس حالت میں بھی سخت تکلیف برداشت کر کے روزہ رکھ لیتے تھے۔ اگر کبھی غلطی سے صحابہ کرامؓ سے روزہ ٹوٹ جاتا تو ان پر مصیبت کا پہاڑ ٹوٹ پڑتا۔ ایک صحابی روزہ توڑ بیٹھے تو بال نوچتے ہوئے اور سینہ کوبی کرتے ہوئے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہنے لگے: ”میں تو ہلاک ہو گیا“۔ صحابہ کرام صرف خود ہی روزے نہیں رکھتے تھے بلکہ اپنے بچوں سے بھی روزے رکھواتے تھے۔ ایک دفعہ حضرت عمرؓ نے کسی بدمست کو بازار میں کھاتے ہوئے دیکھا تو اسے سزا دی اور فرمایا: ”ہمارے بچے بھی روزہ رکھتے ہیں اور تمہارا یہ حال ہے!“۔

صحابہ کرامؓ صرف فرض روزے ہی نہیں رکھتے تھے بلکہ نفلی روزے بھی رکھتے تھے۔ حضرت زیدؓ بن سہل نے رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد مسلسل چالیس سال روزے رکھے اور عید کے علاوہ کسی دن کا روزہ نہیں چھوڑا۔ حضرت عبد اللہؓ بن عمرو ہمیشہ روزہ رکھتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کو منع کیا اور فرمایا کہ ہر مہینہ صرف تین دن روزہ رکھا کرو، لیکن انہوں نے اصرار کیا کہ مجھ میں اس سے زیادہ روزے رکھنے کی طاقت ہے، تو آپ ﷺ نے ان کو صومِ داؤدی کی اجازت دے دی، یعنی ایک دن کا ناغہ دے کر دوسرے دن کا روزہ رکھو۔

یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے اس حقیقت کو پالیا تھا کہ لذت صرف پیٹ بھر کر کھانے ہی میں نہیں بلکہ اسے خالی رکھنے میں بھی ہے۔ مزہ صرف ٹھنڈے مشروبات کے پینے ہی میں نہیں بلکہ پیاس کی تلخی برداشت کرنے میں بھی ہے۔ بلکہ سچی بات تو یہ ہے کہ بے شمار لوگ ایسے ہیں جنہیں مرغن غذاؤں اور رنگا رنگ مشروبات میں وہ مزہ نہیں آتا جو اللہ والوں کا بھوکا اور پیاسا رہنے میں آتا ہے۔ کتنے ہی لوگ ہیں جو ریشم و کمخواب کے بستر پر کروٹیں بدلتے ہوئے رات گزار دیتے ہیں اور انہیں نیند تو کیا اونگھ بھی نصیب نہیں ہوتی اور کتنے ہی ایسے خدا شناس ہیں جو سنگ ریزوں کے فرش پر لیٹ کر اپنی نیند پوری کر لیتے ہیں۔ کتنے ہی دولت و ثروت میں ڈوبے ہوئے لوگ ہیں جو سنگ مرمر سے بنے ہوئے وسیع و عریض محلات میں بے چین رہتے ہیں اور کتنے ہی فقر آشنا اہلُ اللہ ہیں جو خس پوش جھونپڑیوں میں سکون اور راحت کی زندگی گزار رہے ہیں۔

یاد رکھیے! راحت اور چیز، اور اسبابِ راحت اور چیز ہیں۔ ضروری نہیں کہ جو راحت کے اسباب جمع کر لے اسے راحت بھی حاصل ہو جائے۔ حقیقی راحت دولت سے نہیں، محلات سے نہیں، گاڑیوں سے نہیں، کارخانوں سے نہیں، خورد و نوش کے سامان کی فراوانی سے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے احکامات کو پورا کرنے سے حاصل ہوتی ہے۔

جس بندے کی نظر اللہ تعالیٰ کی رضا پر ہوتی ہے وہ اس کی راہ میں بھوکا اور پیاسا رہتا ہے تو اسے سکون ملتا ہے، وہ اللہ کی راہ میں مال لٹاتا ہے تو اسے خوشی حاصل ہوتی ہے، وہ جان کی بازی لگاتا ہے تو اس کا دل مطمئن ہوتا ہے۔ وہ سب کچھ گنوا کے بھی کہتا ہے؛

فزت ورب الكعبة

رب کعبہ کی قسم میں تو کامیاب ہو گیا!

اور سچی بات تو یہ ہے کہ کسی عمل میں کچھ نہیں رکھا ہے، نہ نماز میں کچھ رکھا ہے، نہ روزے میں کچھ رکھا ہے، نہ جہاد میں کچھ رکھا ہے، نہ صدقہ و خیرات میں کچھ رکھا ہے، نہ حج و عمرہ میں کچھ رکھا ہے، نہ تبلیغ و تدریس میں کچھ رکھا ہے، جو کچھ ہے وہ مالکِ حقیقی کی رضا میں ہے۔ ایسی نمازیں، ایسے روزے، ایسے صدقات اور ایسے عمرے، جن سے اس مالک کی رضا حاصل نہ ہو، وہ کسی کام کے نہیں۔ حضرت ذکی کیفی مرحوم و مغفور کیا خوب فرما گئے ہیں۔

عشق تسلیم و وفا کے سوا کچھ بھی نہیں
وہ وفا سے خوش نہ ہوں تو پھر وفا کچھ بھی نہیں

اور غالبؔ نے اس مفہوم کو یوں ادا کیا ہے

نہ تو ہجر ہی اچھا نہ وصال اچھا ہے
یار جس حال میں رکھے وہی حال اچھا ہے

روزہ رکھنے والے دوست یاد رکھیں کہ ہم سے کوئی ایسا عمل نہ ہو جائے جو ہماری صبح سے شام تک کی بھوک پیاس کو غارت کر دے اور ہم اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے بجائے ان کو ناراض کر بیٹھیں۔

میرے محبوب میری ایسی وفا سے توبہ
جو ترے دل کی کدورت کا سبب بن جائے

روزے کے آداب:

ظاہر ہے ہم میں سے کوئی بھی یہ نہیں چاہتا کہ اس کا دن بھوکا پیاسا رہنا اور راتوں کا قیام ضائع ہو جائے اور ماہِ مبارک اس کے لیے عطا کے بجائے حرمان کا سبب بن جائے۔ اس لیے ہمیں روزے کے آداب کا اہتمام کرنا ہو گا، اگر ہم ان آداب کا اہتمام کرتے ہوئے روزے رکھیں گے تو ان شاء اللہ یہ روزے قیامت کے دن ہماری شفاعت کریں گے اور ہم 'باب الریّان' سے جنت میں داخل ہوں گے۔ علما اور مشائخ نے روزے کے چھ آداب بیان فرمائے ہیں:

۱۔ نگاہ کی حفاظت

روزے کا سب سے پہلا ادب یہ ہے کہ نگاہ کی حفاظت کی جائے۔ جناب رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

”نظر ابلیس کے تیروں میں سے ایک زہر آلود تیر ہے۔“

یہ تیز جا کے سیدھا دل پر لگتا ہے اور دل کو زہرناک کر دیتا ہے، دل میں تقویٰ اور ایمان کا نور اس وقت تک پیدا نہیں ہو سکتا جب تک نگاہ کی حفاظت نہ کی جائے اور جب اللہ تعالیٰ کے خوف سے نگاہ کی حفاظت کی جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ دل میں ایسا ایمانی نور نصیب فرماتے ہیں، جس کی حلاوت اور لذت دل میں محسوس ہوتی ہے۔

۲۔ زبان کی حفاظت:

روزے کا دوسرا ادب زبان کی حفاظت ہے، زبان اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت بھی ہے اور امانت بھی، زبان کا صحیح استعمال ہمیں جنت میں لے جا سکتا ہے اور اس کا غلط استعمال جہنم میں لے جانے کا ذریعہ بن سکتا ہے۔ ترمذی شریف میں حدیث ہے، رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں:

”لوگوں کو جہنم میں چہروں کے بل ان کی زبانوں کی کرتوتیں ہی لے کر جائیں گی۔“

حضرت عقبہؓ بن عامر روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ نجات کا کیا طریقہ ہے؟ تو آپ ﷺ نے جواب دیا کہ تین کام کرلو، تم جنت میں داخل ہونے کے حق دار ہو جاؤ گے۔ ایک تو یہ کہ اپنی زبان کی حفاظت کرو۔ دوسرا، اپنا زیادہ وقت گھر میں گزارو (اِدھر اُدھر بازاروں میں بھی فضول نہ گھومو)، تیسرا، یہ کہ اپنے گناہوں پر رویا کرو۔

زبان کی حفاظت تو ہر حال میں ضروری ہے لیکن روزے کی حالت میں اس کی حفاظت اور بھی زیادہ ضروری ہے، اسی لیے حضور اکرم ﷺ نے روزہ دار کو خاص طور ہر فحش بات یا جہالت کی بات کرنے سے منع فرمایا ہے اور فرمایا کہ اگر دوسرا لڑائی جھگڑے کی بات کرے بھی تو تم نہ کرو اور اس سے کہہ دو کہ میرا روزہ ہے، میں تمہاری لغویات کا جواب نہیں دے سکتا۔ خاص طور پر روزہ کی حالت میں غیبت اور جھوٹ سے بچنا بہت ضروری ہے۔ بعض علما کے نزدیک تو اس سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔

۳۔ کان کی حفاظت:

روزے کا تیسرا ادب کان کی حفاظت ہے۔ یاد رکھیے! جن چیزوں اور باتوں کا زبان سے نکالنا ناجائز ہے، ان کا سننا بھی ناجائز ہے۔ نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ غیبت کرنے والا اور سننے والا دونوں گناہ میں شریک ہیں۔ کتنے ہی لوگوں کے بارے میں بتایا جاتا ہے کہ وہ روزہ تو رکھ لیتے ہیں، پھر روزہ گزارنے کے لیے گانے سنتے ہیں، فلمیں اور ڈرامے دیکھتے ہیں۔ گویا کانوں اور آنکھوں کے راستے گناہوں کی غلاظت اپنے دل کے برتن میں اتارتے ہیں۔ بتلایئے! ایسے روزے سے کیا حاصل ہوا؟ اور یہ لوگ یوں کہتے ہیں کہ ہم روزہ گزارنے کے لیے ایسا کرتے ہیں اور صحیح بات یہ ہے کہ واقعی ایسے لوگوں کا روزہ گزر جاتا ہے۔ جیسے لوگ کہتے ہیں فلاں گزر گیا یعنی مر گیا، تو ایسے ہی ان لوگوں کا روزہ بھی گزر جاتا ہے۔ کتنے خسارے کی بات ہے کہ دن بھر بھوکے پیاسے بھی رہے لیکن حاصل بھی کچھ نہ ہوا۔

۴۔ تمام اعضا کی حفاظت:

روزے کا چوتھا ادب یہ ہے کہ زبان، کان اور آنکھ کے علاوہ باقی اعضا کی بھی گناہ سے حفاظت کریں۔ یہ جو اعضا اللہ تعالیٰ نے ہمیں دیے ہیں، یہ اعمال پیدا کرنی کی مشینیں ہیں۔ آنکھ عمل پیدا کرنے کی مشین ہے، زبان عمل پیدا کرنے کی مشین ہے، کان عمل پیدا کرنے کی مشین ہے، ہماری مرضی ہے کہ ہم ان مشینوں سے اللہ تعالیٰ کی رضا والے اعمال پیدا کریں یا اس کی ناراضی والے اعمال پیدا کریں۔

ہاتھوں سے کسی پر ظلم نہ کریں، کسی کی چیز نہ چرائیں، پیروں سے گناہ کی جگہ اور گناہ کی طرف چل کر نہ جائیں، پیٹ میں حرام غذا نہ جانے دیں۔ حرام کی مثال زہر کی سی ہے، زہر جسم کے لیے خطرہ ہے اور حرام روح کے لیے خطرہ ہے۔ حرام کھانے سے دل میں کثافت پیدا ہوتی ہے، دل تاریک ہو جاتا ہے اور حرام سے جو جسم پلتا ہے، اس پر جہنم واجب ہو جاتی ہے۔ کم از کم رمضان المبارک میں اس بات کا اہتمام کر لیجیے کہ حرام کا ایک لقمہ بھی ہمارے پیٹوں میں نہ جانے پائے۔ شاید اس ماہِ مقدس کی برکت سے ہمیں سال کے باقی گیارہ مہینوں میں بھی حلال روزی پر قناعت کرنے کی توفیق نصیب ہو جائے۔

۵۔ زیادہ نہ کھائیں:

روزے کا پانچواں ادب یہ ہے کہ اگرچہ مال حلال ہو پھر بھی بہت زیادہ نہ کھائیں بلکہ جب کچھ بھوک باقی ہو تو کھانا چھوڑ دیں۔

صوفیا رمضان کے علاوہ عام دنوں میں چار چیزوں کا مجاہدہ کراتے تھے: ۱۔ تقلیلِ طعام (کم کھانا)، ۲۔ تقلیلِ کلام (کم بولنا)، ۳۔ تقلیلِ منام (کم سونا)، ۴۔ تقلیلِ اختلاط مع الانام (لوگوں سے کم ملنا)۔

صوفیائے کرام اپنے مریدین کو کم کھانے پر بڑے بڑے مجاہدے کرایا کرتے تھے۔ یہاں تک کہ فاقہ کشی کی نوبت آجاتی تھی۔ لیکن حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی صاحب قدس اللہ سرہٗ فرماتے ہیں کہ یہ زمانہ اس قسم کے مجاہدوں کا نہیں، اب تو لوگ ویسے ہی کمزور ہیں۔ اگر کھانا کم کر دیں گے تو کوئی بیماریاں پیدا ہونے کا اندیشہ ہے۔

آج کے دور میں انسان ایک بات کی پابندی کر لے تو تقلیلِ طعام کا مقصد حاصل ہو جائے گا۔ وہ یہ کہ جب کھانا کھانے بیٹھے تو ایک مرحلہ ایسا آئے گا جب دل میں تردد پیدا ہو گا کہ اب مزید کچھ کھاؤں یا نہ کھاؤں، پس جب یہ تردد پیدا ہو جائے تو اس وقت کھانا چھوڑ دے تقلیلِ طعام کا منشا پورا ہو جائے گا۔

مگر یاد رکھیے کہ تقلیلِ طعام سے مسلمان کا مقصود اللہ تعالیٰ کی رضا ہونی چاہیے۔ یہ الگ بات ہے کہ اس کے ضمن میں صحت کی درستگی اور وزن اعتدال پر رہنے کا مقصد بھی خود بخود حاصل ہو جائے گا۔ جب عام حالات میں تقلیلِ طعام پر زور دیا جاتا ہے تو رمضان المبارک میں تو اس کا اور بھی زیادہ اہتمام کرنا چاہیے کیونکہ روزے سے مقصود شہوانیہ اور بہیمیہ کا کم کرنا اور قوت نورانیہ اور ملکوتیہ کا بڑھانا ہے، مگر ہمارے ہاں تو جناب حال یہ ہے کہ رمضان المبارک میں لوگ جتنا کھاتے ہیں، شاید غیر رمضان میں نہ کھاتے ہوں۔ افطاری میں اتنا کچھ کھا لیتے ہیں کہ پھر نمازِ عشاء اور قیام اللیل کی ہمت نہیں ہوتی اور اگر بالفرض نماز کے لیے کھڑے بھی ہو جائیں تو نماز میں اونگھتے رہتے ہیں۔

سحری میں اتنا کھاتے ہیں کہ نمازِ فجر کا پڑھنا مشکل ہو جاتا ہے اور پھر کمال یہ کہ اتنا کھانے کے بعد پھر سو بھی جاتے ہیں، جس کی وجہ سے بخارات دماغ کو چڑھ جاتے ہیں۔ چنانچہ جب سو کر اٹھتے ہیں تو دماغ بوجھل ہو جانے کی وجہ سے کسی کام کے قابل نہیں رہتے۔ ایک جگہ حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ آدمی کے لیے چند لقمے کافی ہیں جن سے کمر سیدھی رہے، اگر کوئی شخص بالکل کھانے پر تُل جائے تو اس سے زیادہ نہیں کہ ایک تہائی (پیٹ) کھانے کے لیے رکھے، ایک تہائی پینے کے لیے اور ایک تہائی خالی رکھے۔

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا نور اللہ مرقدہٗ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے آقا حضرت مولانا خلیل احمد صاحب نور اللہ مرقدہٗ کو پورے رمضان المبارک میں دیکھا ہے کہ افطار و سحر دونوں وقت کی مقدار تقریباً ڈیڑھ چپاتی سے زیادہ نہیں ہوتی تھی۔ کوئی خادم عرض بھی کرتا تو فرماتے کہ بھوک نہیں ہوتی، دوستوں کے خیال سے بیٹھ جاتا ہوں۔ اور اس سے بڑھ کر حضرت مولانا شاہ عبد الرحیم صاحب رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق سنا ہے کہ کئی کئی دن مسلسل ایسے گزر جاتے تھے کہ تمام شب کی مقدار سحر و افطار بے دودھ کی چائے کے چند فنجان کے سوا کچھ نہ ہوتی تھی۔ ایک مرتبہ حضرت کے مخلص خادم حضرت مولانا شاہ عبد القادر رائے پوری نور اللہ مرقدہٗ نے لجاجت سے عرض کیا کہ ضعف بہت ہو جائے گا، حضرت کچھ تناول ہی نہیں فرماتے، تو حضرت نے فرمایا کہ الحمد للہ جنگ کا لطف حاصل ہو رہا ہے۔

حضرت شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ کا بڑا پیارا شعر ہے، فرماتے ہیں:

ندا ندا تن پروراں آگہی
کہ پر معدہ باشدز حکمت تہی

پیٹ بھر کر کھانے والوں کو اس بات کی خبر نہیں کہ بھرا ہوا معدہ حکمت سے خالی ہوتا ہے۔

۶۔ خوف و رجا:

روزے کا بلکہ ہر عبادت کا ایک اہم ادب یہ ہے کہ انسان قبولیت کی امید رکھے مگر ڈرتا بھی رہے کہ شاید میرا قیام و صیام اور صدقہ و خیرات قبول بھی ہوا یا نہیں، کیونکہ قیامت کے دن بہت سے ایسے لوگوں کو بھی جہنم میں ڈال دیا جائے گا جو بظاہر دنیا میں بڑی عبادت کرتے تھے مگر دل میں اخلاص نہ تھا، اللہ کی رضا پیشِ نظر نہ تھی بلکہ نمود و نمائش اور ریاکاری کا جذبہ دل میں بیٹھا ہوا تھا۔ صاحبِ ایمان کا شیوہ ہی یہ ہوتا ہے کہ نیکی کرتا ہے، قبولیت کی امید بھی رکھتا ہے مگر ڈرتا بھی ہے کہ کہیں میری محنت ضائع نہ ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ اپنے راستے میں خرچ کرنے والوں کے بارے میں فرماتے ہیں:

وَالَّذِيْنَ يُؤْتُوْنَ مَآ اٰتَوْا وَّقُلُوْبُهُمْ وَجِلَةٌ اَنَّهُمْ اِلٰى رَبِّهِمْ رٰجِعُوْنَ (سورۃ المؤمنون: ۶۰)

"اور وہ جو دیتے ہیں (اللہ کی راہ میں) تو جو کچھ دیتے ہیں اس طرح دیتے ہیں کہ ان کے دل ڈرتے رہتے ہیں کہ وہ اپنے رب کی طرف لوٹنے والے ہیں۔"

یہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے ایمان والوں کی نشانی بتائی ہے کہ میرے راستے میں خرچ بھی کرتے ہیں اور ڈرتے بھی ہیں کہ ایک دن اللہ کے حضور پیش ہونا ہے، معلوم نہیں وہاں قبول ہوتا بھی ہے یا نہیں ہوتا اور اصل چیز تو میرے دوستو! قبولیت ہے، چھوٹا سا عمل ہو لیکن رب کی بارگاہ میں قبول ہو جائے تو ہمارے وارے نیارے ہو جائیں گے۔ اور بہت بڑا عمل ہو لیکن وہاں قبول نہ ہو تو کس کام کا؟

عمل کرنے کے بعد اکڑنا، اِترانا اور جتلانا عمل کو باطل کر دیتا ہے اور عمل کرنے کے بعد ڈرتے رہنا اور مزید عاجزی اختیار کرنا، اسے قبولیت کے قریب کر دیتا ہے۔

کوشش اور دعا:

آیئے ہم بھی کوشش کریں اور دعا بھی کریں کہ ہمارا رمضان المبارک ان آداب کا لحاظ رکھتے ہوئے گزر جائے اور یہی دو چیزیں اہم ہیں یعنی کوشش اور دعا۔

خالی خولی دعا بھی کافی نہیں اور نری کوشش بھی کافی نہیں بلکہ دونوں چیزوں کی ضرورت ہے۔ اپنی سی کوشش بھی کرتے ہیں کہ کم از کم اس مہینے میں ہم حلال روزی پر اکتفا کر لیں، حرام کے قریب نہ جائیں، گناہوں کو یکسر چھوڑ دیں۔ آنکھ، کان، زبان کی حفاظت کر لیں، غیبت، جھوٹ اور بہتان تراشی سے باز آ جائیں۔ اپنے نفس کو بہلائیں کہ میاں صرف ایک مہینے کی بات ہے، ایک مہینہ اللہ کی رضا کے مطابق گزار لو، اگر آپ اپنے نفس کو بہلانے اور گناہوں سے باز رکھنے میں کامیاب ہو گئے تو ان شاء اللہ سال کی بقیہ گیارہ مہینے بھی اسی طرح گزارنے کی توفیق مل جائے گی۔ کوشش کے ساتھ دعا بھی کرتے رہیں کہ اے اللہ! میں کمزور ہوں، چاہتا ہوں کہ ماہِ مقدس تیری رضا کے مطابق گزر جائے، مگر میرا چاہنا کس کام کا، جب تک تو نہ چاہے! بس اپنے فضل و کرم سے اس مبارک مہینے کو اس طریقے سے گزارنے کی توفیق عطا فرما دے کہ مجھے تیری رضا حاصل ہو جائے، میں جہنم سے بچ جاؤں اور جنت میں داخل ہونے کا حق دار بن جاؤں۔

میرے بھائیو! آخری گزارش یہ ہے کہ اگر کسی کو اس طریقے سے رمضان المبارک گزارنے کی توفیق حاصل ہو جائے تو حیًّا و میّتًا اس گناہ گار کو بھی دعاؤں میں یاد رکھیں۔ کیونکہ میں آپ کی دعاؤں کا بہت زیادہ محتاج ہوں، دامن نیک اعمال سے خالی ہے اور آخرت کا سفر بڑا مشکل ہے۔ جب مخصوص اوقات میں اپنے لیے دعا کریں تو اس ناقص انسان کے لیے بھی دعا کر دیں تو اللہ تعالیٰ آپ کو اس احسان کا بدلہ ضرور دیں گے۔

☆☆☆☆☆

رمضان المبارک میں مجاہدین کے کرنے کے کام

حافظ طیب نواز شہید علیہ الرحمۃ

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شعبان کے آخر میں وعظ فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا:

”لوگو تم پر عظمت اور برکت والا مہینہ سایہ فگن ہو رہا ہے، ایسا مہینہ جس میں ایک رات ایسی ہے جو ہزار مہینوں سے بہتر ہے، اس کے روزے اللہ تعالیٰ نے فرض قرار دیے ہیں اور اس کی رات کا قیام نفل ہے، جس نے بھی اس مہینے میں نیکی کی وہ ایسے ہے جس طرح عام دنوں میں فرض ادا کیا جائے، اور جس نے رمضان میں فرض ادا کیا گویا کہ اس نے رمضان کے علاوہ ستر فرض ادا کیے، یہ ایسا مہینہ ہے جس کا اول رحمت اور درمیان مغفرت اور آخری حصہ جہنم سے آزادی ہے۔“(الترغیب والترھیب)

رمضان المبارک ہمارے لیے اپنی انفرادی اصلاح کے لحاظ سے بہت اہم ہے۔ چنانچہ چند گزارشات پیش خدمت ہیں، اللہ تعالیٰ ہمیں عمل کی توفیق سے نوازے، آمین۔

تجدید نیت:

سب سے پہلا کام یہ ہے کہ ہم اپنی نیت خالص کریں اور اللہ تعالیٰ کے حضور یہ عہد باندھیں کہ صرف رمضان ہی نہیں بلکہ بقیہ سال بھر بھی اللہ کی اطاعت سے انحراف نہیں کریں گے۔ رمضان شروع ہونے سے پہلے نیت نہیں کر سکے تب بھی کوئی بات نہیں۔ اس وقت ’ایمان اور احتساب‘ کے ساتھ بقیہ دن گزارنے کی نیت کر لینی چاہیے۔

تزکیۂ نفس کا درست اسلوب:

تزکیۂ نفس کا صحیح اسلوب تو وہی ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے مطابق ہو۔ کیونکہ دین کی تکمیل ہو چکی ہے اور اتباع سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہی میں تمام فلاح پوشیدہ ہے اور اس کا اچھا ذریعہ اہل اللہ کی صحبت ہے۔

اپنا محاسبہ کیجیے:

اللہ تعالیٰ تو علیم و بصیر ہے۔ وہ ہر کھلے اور چھپے راز سے واقف ہے، تاہم دنیا میں انسان کا سب سے بڑا محرم خود اس کی اپنی ذات ہی ہے۔ بل الانسان علی نفسه بصیرة...... لہٰذا اپنی خامیوں کی فہرست تیار کریں اور عزم مصمم کریں کہ ان شاء اللہ اسی رمضان کے اندر ان سے چھٹکارا پانا ہے۔ کیونکہ انسان کو گناہ پر مائل کرنے والی دو ہی چیزیں ہیں۔ ایک اس کا نفس امارہ اور دوسرا شیطان الرجیم۔ اور احادیث میں تصریح ہے کہ رمضان میں شیاطین جکڑ دیے جاتے ہیں لہٰذا اب صرف نفس کی تحریص ہی باقی رہ جاتی ہے۔ اسے بھی روزہ اتنا کمزور کر دیتا ہے کہ وہ کوئی قابلِ ذکر قوت نہیں رہتی۔

لہٰذا اگر آپ رمضان میں اپنی خامیوں سے جان نہیں چھڑا سکے تو پھر کبھی بھی نہیں چھڑا سکیں گے، الا ان یشاء اللہ۔ چنانچہ ابھی سے عزم کریں کہ اپنی خامیوں کو دور کرنا اور خوبیوں کو مزید بڑھانا ہے۔ مثلاً اگر کوئی شخص غیبت جیسی قبیح عادت میں مبتلا ہے تو اس کے لیے سنہری موقع ہے کہ وہ اپنی زبان کو قابو کر سکے۔ یاد رہے کہ غیبت کو مردہ بھائی کا گوشت کھانے سے تشبیہ دی گئی ہے۔ نیز اسے زنا سے بدتر ٹھہرایا گیا ہے۔ لہٰذا غیبت کرنے والا فرد اس گناہ کے گھناؤنے پن کا تصور کر کے اس کو چھوڑنے کی کوشش کر سکتا ہے۔

ہم غیبت کیوں کرتے ہیں؟

بالعموم محض اپنی زبان کا چسکا پورا کرنے کے لیے۔ یا یوں سمجھ لیں کہ غیبت دراصل زبان کی شہوت ہے۔ بسا اوقات غیر ضروری اور لایعنی گفتگو کرتے رہنے کی عادت بھی غیبت میں ڈھل جاتی ہے۔ کیونکہ موضوعِ گفتگو تو بہر حال چلتے ہی رہنا چاہیے نا......! بہتر یہ ہے کہ ہم رمضان میں اپنی یہ عادت بنائیں کہ کوئی لایعنی بات زبان سے نہیں نکالنی، دوسرے لفظوں میں ہمیں تقلیلِ کلام کو اپنانا ہو گا۔ غیبت دوسرے مسلمان کی غیر موجودگی میں اُس کا ایسا ذکر ہے جو اس کے سامنے کیا جائے تو اسے برا لگے۔ غیبت سے بچنے کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ کسی کی غیر موجودگی میں اس کا ذکر کیا ہی نہ جائے۔ نہ رہے گا بانس نہ بجے کی بانسری...... آزمائش شرط ہے۔

غیبت تو خیر بہت بڑا گناہ ہے، ہمیں تو بحیثیت مسلمان آفات اللسان کی ہر شکل سے خود کو بچانا چاہیے۔ اس کا بہترین طریقہ یہی ہے کہ کم از کم رمضان کی حد تک تو یہ طے کر ہی لیں کہ کم سے کم گفتگو کرنی ہے اور ایسی کوئی بات زبان سے نہیں نکالنی جو آخرت کی میزان میں حسنات کے پلڑے میں نہ ڈالی جا سکے۔

غیبت ہی کی طرح ایک دوسری خطرناک بیماری جس کی طرف آج کل کے معاشرے میں بہت کم دھیان دیا جاتا ہے، وہ ہے بد نظری۔ اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو اس بری بلا سے بچائے۔ بد نظری چاہے دانستہ ہو رہی ہو یا نادانستہ طور پر، بہر حال بعض اوقات نیک لوگ بھی یا یوں کہہ لیں کہ بظاہر متشرع وضع رکھنے والے بھی اس روگ کا شکار ہو جاتے ہیں۔

اس سے بچنے کا حقیقی نسخہ تو یہی ہے کہ آدمی محض اتنا تصور کر لے کہ جب میں بد نظری کے گناہ سے اپنی آنکھیں گندی کر رہا ہوں، تو کیا آخرت میں انہی آنکھوں سے دیدارِ الٰہی سے مشرف ہو سکوں گا۔ سبحان اللہ! کہاں یہ فانی حسن اور کہاں جمالِ الٰہی!

یہ بات تو شاید آپ نے کہیں پڑھی ہو گی کہ محرمات کی طرف دیکھنے سے اجتناب کرنے والے کو عبادات میں حلاوت نصیب ہوتی ہے۔ کاش لوگ نگاہوں کی چوری کرتے ہوئے اتنا سوچ لیں کہ کیا وہ اپنے والدین کے سامنے ایسی حرکت کر سکتے ہیں؟ اور یقیناً کوئی حیادار آدمی ایسا نہیں کر سکتا۔ تو پھر اس رب کریم سے حیا کیوں نہیں آتی؟ بہر حال بد نظری سے بچا جا سکتا ہے، بازاروں میں اپنی آمد و رفت کم سے کم کر کے اور (ہر قسم کے) غیر محرموں کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے سے اجتناب کر کے۔ کوشش کریں کہ اس ماہ مبارک میں زیادہ سے زیادہ اوقات مسجد میں گزاریں یا پھر اہلُ اللہ، بزرگ صالحین کی صحبت میں۔ اور چونکہ رمضان، شہرِ قرآن ہے، لہٰذا اسے قرآن مجید ہی کی معیت میں گزارا جائے۔

یاد رکھیں! اس وقت دنیا میں دینِ حق پر حقیقتاً عمل کرنے والے آٹے میں نمک کے برابر ہیں اور حقیقی اہلِ ایمان 'غرباء' ہو چکے ہیں، ان میں سے بھی اَغرَبُ الغُرَبا وہ ہیں جو اپنا سب کچھ چھوڑ کر راہِ جہاد میں گامزن ہیں۔ اور ہم یہی چاہ رہے ہیں کہ ہمارا شمار بھی اسی طائفہ منصورہ میں سے ہو جائے۔ بنا بریں ہمارے لیے اشد ضروری ہے کہ اپنے شب و روز قرآن کے سائے میں گزاریں۔ مسلمان کی زندگی کا ایک ایک لمحہ قیمتی ہوتا ہے۔ اس لیے رمضان المبارک میں ہم اپنے معمولات کو بہتر سے بہتر بنا سکتے ہیں۔ ایک ایسا مہینہ جب نوافل، فرض کے درجے میں اور فرائض کا اجر ستر گنا تک بڑھا دیا جاتا ہے تو پھر کون بد نصیب ہے جو رحمت باری سے محروم ہونا چاہے گا۔

؎ یہ نصیب اللہ اکبر لوٹنے کی جائے ہے

چنانچہ دن بھر کے معمولات کی ترتیب بنا کر اس پر عمل کرنے کی کوشش کریں۔ تفصیلی منصوبہ بندی تو ہر بھائی اور بہن اپنے حالات کی مناسبت سے کر سکتے ہیں لیکن ایک سرسری خاکہ پیش خدمت ہے:

قیام اللیل:

رمضان میں قیام اللیل عام دنوں سے زیادہ آسان بھی ہے اور زیادہ فضیلت والا بھی۔ اگر کوئی ہمت پاتا ہو تو رات کا تیسرا پہر افضل وقت ہے۔ لیکن کم از کم اتنا تو ہونا چاہیے کہ سحری سے کچھ دیر پہلے اٹھ کر آٹھ نوافل ادا کر لیے جائیں۔ قیام اللیل میں قرآن کی تلاوت کا لطف تو وہی جانتا ہے جسے اس کی سعادت نصیب ہوتی ہے۔ جتنی سورتیں زبانی یاد ہیں پڑھ ڈالیے۔ جتنا پڑھیں، تدبر کے ساتھ اور اس احساس کے ساتھ کہ آپ کو اللہ تعالیٰ سے شرف ہم کلامی نصیب ہو رہا ہے۔ کیا خبر کہ اس عمل کی برکت سے ہم بھی 'وبالاسحارھم یستغفرون' والوں کی فہرست میں شامل ہو جائیں۔

لیکن قیام اللیل پر عامل ہونے کے لیے ضروری ہے کہ تراویح سے فارغ ہونے کے بعد بلا تاخیر سو جائیں۔ اگر عام دنوں میں ہم عشاء کے بعد بھی تا دیر جاگنے کے عادی ہیں، لیکن خدارا! کم از کم رمضان میں ہی اس 'خلافِ سنت' عادت کو ترک کر دیا جائے۔ اور اس طرح فجر کے بعد سونے کی عادت کو بھی جبراً چھوڑ دیا جائے۔ اور آرام کرنا ضروری ہو بھی تو اشراق کے نوافل پڑھنے کے بعد کچھ دیر آرام کر لیا جائے۔

اذکار مسنونہ:

نمازِ فجر کے فوراً بعد اٹھ جانے کی بجائے اپنی جگہ پر بیٹھے بیٹھے صبح کے مسنون اذکار کا ورد کر لیا جائے۔ اس حوالے سے 'حِصنُ المسلم' اور 'علیکم بِسُنَّتِي' میں موجود اذکار کی ترتیب مفید پائی گئی ہے۔ نیز اگر 'مناجات مقبول' کو اپنے روزانہ کے معمولات میں شامل کر لیا جائے تو سونے پہ سہاگہ ہو گا۔

صبح کے اذکار کا وقت سورج نکلنے سے پہلے اور شام کے اذکار عصر کے بعد سے لے کر غروب آفتاب تک مسنون ہیں۔ اذکار مسنونہ کا ورد اپنی عادت بنا لیں۔ نیز رمضان چونکہ شہرِ قرآن ہے لہٰذا کم از کم ایک پارے کی تلاوت ضرور کریں۔ ہو سکتا ہے کہ آغاز میں طبیعت کو آمادہ کرنے میں دشواری پیش آئے لیکن یاد رکھیں کہ 'اب نہیں تو کبھی نہیں'۔ ہمارے اکابر اور اسلاف رمضان میں بہت زیادہ تلاوت فرماتے تھے۔ اگر ممکن ہو تو کیسٹ وغیرہ سے اچھے قراء کی تلاوت اور اللہ والوں کے بیانات سننے کا بھی اہتمام کیا جا سکتا ہے۔

سنن رواتب:

سورج طلوع ہونے کے بعد کم از کم دو رکعت اشراق کے نوافل ادا کریں۔ اسی طرح کوشش کریں کہ وہ سنتیں جنہیں چھوٹے ایک مدت گزر گئی ہے، انہیں از سر نو زندہ کیا جائے، مثلاً تحیۃ الوضو، تحیۃ المسجد اور نمازِ عصر کی چار سنتیں۔

(نوٹ: نمازِ عصر کی چار سنتوں کے حوالے سے ایک فضیلت والی حدیث نظر سے گزری ہے جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: رحم اللہ امرءا صلی قبل العصر اربعاء۔ اسی روایت کو ابو داؤد اور ترمذی نے حسن قرار دیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کے لیے رحم کی دعا کی ہے جو عصر سے پہلے چار رکعتیں ادا کرتا ہے۔ آپ خود اندازہ کر سکتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی فرد کے لیے دعا کر رہے ہیں تو وہ رد کیسے ہو سکتی ہے۔)

ذکر الٰہی:

ہماری سابقہ زندگی کی تعلیم و تربیت میں چونکہ ایک فرد میں خود اعتمادی پیدا کرنے پر بہت زور دیا جاتا رہا ہے لہٰذا اس کے اثرات یہ ہوئے ہیں کہ ہم دنیا بھر کے موضوعات پر بے تکان بولے چلے جاتے ہیں۔ تقلیل کلام کے ذریعے اس چیز پر قابو پایا جاسکتا ہے۔ لیکن تقلیل کلام سے مقصود یہ نہیں کہ زبان پر تالہ لگا کر بیٹھ جائیں بلکہ ہونا یہ چاہیے کہ ہماری زبان ہمہ وقت، ذکرِ الٰہی سے تر رہے۔ جتنی مسنون دعائیں منقول ہیں ان کا ورد اٹھتے بیٹھتے جاری رکھیں۔ ممکن ہے شروع میں تصنع کا خیال آئے لیکن اس وسوسۂ شیطانی کو دل سے جھٹک کر اپنا معمول جاری رکھیں۔ اگر کچھ تصنع ہوا بھی تو ان شاء اللہ خود بخود ڈھل جائے گا۔ البتہ یہ دھیان میں رہے کہ جہراً ذکر کی بجائے سراً ذکر بہتر ہے۔

سورہ کہف کی تلاوت:

جمعۃ المبارک کے دن سورہ کہف کی تلاوت کو اپنا معمول بنائیں اور جمعہ کے دن عصر کے بعد کی گھڑیاں قبولیتِ دعا کے لیے بہت اہم ہیں، حدیث میں ان کی بہت فضیلت آئی ہے۔ لہٰذا ان اوقات کو غنیمت جانتے ہوئے اللہ کے حضور خوب دعائیں کریں۔

مطالعہ سیرت النبی ﷺ:

تزکیۂ نفس کے حوالے سے بنیادی بات یہ ہے کہ اپنے انفرادی اور اجتماعی اعمال سیرت نبوی ﷺ کے سانچے میں ڈھل جائیں لہٰذا اس غرض کے لیے کتب سیرت، مثلاً زاد المعاد، سیرت المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور اسوۂ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مطالعہ شروع کر دیں۔

حیاۃ الصحابہؓ سے استفادہ:

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین وہ مبارک اور خوش قسمت ہستیاں ہیں جن کی تربیت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی۔ اُن کی زندگیوں کو اپنی زندگی میں اپنانے کی نیت سے 'حیاۃ الصحابہؓ' کی تعلیم اگر گھروں اور مراکز میں ہو سکے تو اُس کے بہت مفید اثرات عملی زندگی میں سامنے آتے ہیں۔

محاسبۂ نفس:

حاسبوا انفسکم قبل ان تحاسبوا...... روزانہ سونے سے پہلے کچھ دیر کے لیے اپنے دن بھر کے معمولات کا محاسبہ کریں۔

کثرت دعا:

ان سارے معمولات کے باوجود، قبولیت اخلاص سے مشروط ہے، لہٰذا اخلاص کی دعا ضرور کریں۔ ہم اپنی تمام حاجات میں اللہ تعالیٰ ہی کے محتاج ہیں۔ ان مبارک ساعتوں میں بار بار اس کا در کھٹکھٹائیں۔ بالخصوص رات کے پچھلے پہر اور بوقت افطار کی جانے والی دعائیں مقبول ہوں گی۔ (ان شاء اللہ)

اللہ تعالیٰ سے اپنی، اپنے والدین، عزیز و اقارب اور امت مسلمہ کے لیے عفو و عافیت کا سوال کریں۔ سعادت مندی کی زندگی اور شہادت کی موت طلب کریں۔ مجاہدین اسلام کی نصرت اور کامیابی کے لیے خصوصی دعائیں کریں، یہ بھی ان کی مدد ہے۔ قنوت نازلہ پڑھیں اور بالخصوص اپنے قیدی بھائیوں اور بہنوں کی قید سے رہائی کے لیے نہایت الحاح و زاری سے دعائیں مانگیں۔ قیدیوں کو چھڑوانے میں تساہل کر کے ہم بحیثیت مجموعی جس گناہ کے مرتکب ہو رہے ہیں اس پہ رو رو کر اللہ کے حضور معذرت پیش کریں۔ مجاہدین کی قیادت کے حق میں صبر و استقامت کی دعا کریں۔ امت مسلمہ کے سروں پر مسلط غاصب کفار اور طواغیت کی ہلاکت اور بربادی کی دعا کریں۔

انفاق فی سبیل اللہ:

مجاہدین فی سبیل اللہ کے لیے اپنی ذاتی جیب سے 'نصرت فنڈ' قائم کریں۔ اس سلسلے میں ایک طریقہ یہ ہو سکتا ہے کہ اپنے گھروں میں ایک ڈبہ رکھ لیں اور روزانہ اس میں کچھ نہ کچھ ڈالتے رہیں۔ اسی طرح دیگر ساتھیوں اور اہل خیر کو بھی 'انفاق فی سبیل اللہ' پر ابھاریں۔ محاذوں پر موجود مجاہدین بھائیوں تک ضروری سامان پہنچانا ہمارا فرض ہے۔

ترک تعیش:

راہِ جہاد اور تعیش میں باہم ضد واقع ہوئی ہے۔ عیش کوشی اور سہولیات کے عادی افراد راہِ جہاد کے مسافر نہیں بن سکتے۔ وہاں تو ایسے رجال کی ضرورت ہے جو رهبان بالليل اور فرسان بالنهار ہوں۔ چنانچہ رمضان کو غنیمت جان کر اپنی زندگی میں سے ان چیزوں کو آہستہ آہستہ خارج کرتے جائیں جو اگرچہ مباح ہی کیوں نہ ہوں لیکن ان سے آرام طلبی اور عیش پسندی کی بو آتی ہو۔ اس حوالے سے دو حدیثیں یاد رکھیں۔

كن في الدنيا كانك غريب وعابر سبيل

"دنیا میں اس طرح رہو گویا تم پردیسی ہو یا مسافر۔"

اور

(باقی صفحہ نمبر 31 پر)

رمضان المبارک میں پیش آنے والے بعض تاریخی واقعات

تحریر: حماد شیر زاد | اردو استفادہ: جلال الدین حسن یوسف زئی

تاریخ ایک اُمت کو اس کی ماضی کی یاد دلاتی ہے، میری اُمت کی تاریخ روشن ہے اور یہ روشن تاریخ ظلمات میں بھٹکتے اقوام کو امید کی کرن دکھاتی ہے، یہی تاریخ ناامیدی کو امید میں بدلتی ہے، اور کمزور اقوام کو عروج کے راستے پر گامزن کرتی ہے، تاریخ کی کتابوں میں موجود اسباق ہمارے راستوں کو روشن کرتے ہیں اور وہ روشن راستے ہمیں اپنے منزل تک پہنچنے میں معاون ومددگار بنتے ہیں۔ آج کے نوجوان نسل کو تاریخ کی اہمیت اور اس کی ضرورت محسوس کرنی چاہیے کیونکہ یہ تاریخ ہی ہے جو ہمیں دوسرے اقوام، اپنے اسلاف کے کارناموں، تاریخی تجارب اور غلطیوں سے باخبر رکھتی ہے۔

زیرِ نظر مضمون میں تاریخِ اسلام کے وہ اہم واقعات درج کیے جا رہے ہیں جو ماہِ رمضان المبارک میں پیش آئے تھے۔

یکم رمضان المبارک کو پیش آنے والے تاریخِ اسلام کے اہم واقعات

یکم رمضان المبارک ۹ھ کو ہمارے پیارے نبی حضرت محمد ﷺ اپنے لشکر کے ساتھ غزوۂ تبوک سے مدینہ منورہ واپس تشریف لائے۔

یکم رمضان المبارک ۲۰ھ کو اسلامی لشکر امیر المومنین حضرت عمر فاروقؓ کے حکم پر حضرت عمر بن عاصؓ کی قیادت میں مصر میں داخل ہوا۔

یکم رمضان المبارک ۲۰ھ کو مصر میں بازنطینیوں کا مضبوط قلعہ 'بابلیون' آٹھ مہینوں کے سخت محاصرے کے بعد حضرت عمر بن عاصؓ کے ہاتھوں فتح ہو گیا اور مصر میں اس قلعہ کی فتح کے بعد فتوحات کا سلسلہ عروج کو پہنچا۔

یکم رمضان المبارک ۹۱ھ کو اموی خلافت خلیفہ عبد الملک کے دور میں اُمتِ مسلمہ کے دو عظیم فاتحین موسیٰ بن نصیر اور طارق بن زیاد نے اندلس کی سرزمین پر فتح کی بنیاد رکھی، موسیٰ بن نصیر نے ظریف بن مالک کی قیادت میں اسلامی لشکر کو اندلس کے جنوب میں بھجوا کر اسی دن فتح کے دروازے کھول دیے اور اس کے بعد اندلس دار الاسلام بن گیا، لیکن بدقسمتی سے آج ہمارے اندلس پر کئی صدیوں سے فرانس قابض ہے، وہاں کے باسیوں کو یہ بھی معلوم نہیں کہ ان کا ماضی کس سے جڑا ہے، وہاں کی مٹی وقت کے موسیٰ بن نصیر اور طارق بن زیاد کی منتظر ہے۔

جب انگریز نے دنیا بھر میں مسلم ممالک پر ظلم، بربریت اور حملوں کا آغاز کیا تو یکم رمضان المبارک ۱۲۹۹ھ کو مصر کے جامعۃ الازھر نے انگریزوں کے خلاف جہاد فی سبیل اللہ کا حکم جاری کیا اور اسی دن سے مسلم ممالک میں انگریزوں کے خلاف مزاحمت کی تحریک شروع ہوئی۔

یکم رمضان المبارک ۴۲۸ھ جمعہ کے دن علم الکلام، منطق، فلسفہ اور طب کے بڑے عالم ابو علی سینا وفات پا گئے تھے۔ آپ ۳۷۰ھ میں افغانستان کے صوبہ بلخ کے افشنہ علاقے میں پیدا ہوئے تھے۔

۲ رمضان المبارک کو پیش آنے والے تاریخِ اسلام کے اہم واقعات

اس دن حضرت عقبہ بن نافعؓ نے عظیم کارنامہ سرانجام دیتے ہوئے افریقا میں قیروان نام کے شہر کی بنیاد رکھی، ۲ رمضان المبارک ۵۰ھ کو افریقہ 'المغرب' میں (جو آج کے زمانے میں تیونس کے نام سے معروف ہے) شہر کی بنیاد رکھی گئی تاکہ مسلمان اس شہر کی تعمیر کے بعد آسانی سے یہاں جہادی تدریبات اور جہاد سے منسلک امور و سازوسامان کو یہاں سے پورا کیا کریں۔

قیروان نامی شہر کی ضرورت حضرت عقبہ بن نافعؓ نے اس وقت محسوس کی، جب یہاں کے لوگوں نے اسلام قبول کر لیا اور صحابہ کرامؓ کی واپسی کے بعد بربر نامی قبیلے کے زیادہ تر افراد مرتد ہو گئے۔ حضرت عقبہ بن نافعؓ نے فرمایا یہاں کے لوگوں کے ایمان کی حفاظت اور دینِ اسلام کی تبلیغ کے لیے ایک شہر بنانے کی ضرورت ہے، آپؓ نے صحابہ کرامؓ کے ساتھ مشورہ کیا اور شہر بنانے کا فیصلہ ہوا، صحابہ کرامؓ نے اس شہر میں ایک بڑی جامعہ و مسجد بنائی اور ۵۵ھ میں اس شہر کا تعمیراتی کام تکمیل کو پہنچا۔

۲ رمضان المبارک ۶۵ھ کو خلافتِ امویہ کے مسند پر عبد الملک بن مروان جلوہ افروز ہوئے، عبد الملک بن مروان نے خلافت کا دائرہ وسیع تر کیا اور ان کے دور خلافت میں اقتصاد اور فوج میں کافی ترقی ہوئی اور فتوحات کا ایک روشن باب کھل گیا، خلافتِ امویہ نے اپنا سکہ بھی رائج کر دیا تھا۔

۲ رمضان المبارک ۱۱۴ھ کو اندلس کی سرزمین پر ایک بڑا سانحہ پیش آیا، مسلمانوں اور فرانسیسیوں کے درمیان 'بلاط الشھداء' کے نام سے معروف معرکہ ہوا، فرانس کے بھاری نقصان کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کے دس ہزار مجاہدین بشمول امیر لشکر عبد الرحمٰن الغافقی شہید ہو گئے، ہزیمت زدہ مسلمانوں نے رات و رات میدان چھوڑ دیا۔ ابو حیان القرطبی کہتے ہیں: جس علاقے میں معرکۂ بلاط الشھداء لڑا گیا کافی عرصے تک اس علاقے میں پھر اذان کی

آوازنہ سنی گئی۔ معرکۂ بلاط الشہداء اپنی اہمیت کے لحاظ سے دنیا کی پندرہ اہم جنگوں میں شمار کیا جاتا ہے۔ یہ کہنا درس ہو گا کہ مسلمانوں نے توغ[1] کے قریب میدان میں دنیا کی حکومت کھو دی۔ اگر مسلمان کامیاب ہو جاتے تو آج دنیا کی تاریخ کا رُخ کسی اور طرف ہوتا اور شاید آج ہمارے اندلس پر فرانس قابض نہ ہوتا۔

۲ رمضان المبارک ۸۲ھ کو مسلمانوں نے افریقہ میں حسان بن نعمان کی قیادت میں بربری قوم کے کاہنوں اور بے دین لوگوں پر فتح حاصل کی، آغاز میں معرکہ کفار کے حق میں جا رہا تھا لیکن بعد میں مسلمانوں کی بارہ ہزار تازہ دم فوج پہنچ گئی اور جنگ کا پانسہ پلٹ گیا، مسلمانوں نے فتحیاب ہو کر اس معرکے کو اپنے نام کر لیا۔

۲ رمضان المبارک ۷۰۲ھ میں شام کے شہر دمشق کے جنوب میں تاتاریوں اور مسلمانوں کے مابین گھمسان کی لڑائی ہوئی۔ مسلمانوں کی قیادت سلطان ناصر محمد بن قلاوون کے ہاتھ میں تھی اور تاتاریوں کی قیادت شاہِ نویان کر رہا تھا، مسلمانوں کی فتح اور تاتاریوں کی شکست سے یہ معرکہ انجام کو پہنچا۔

۲ رمضان المبارک ۹۹۶ھ کو خلافتِ عثمانیہ کے لشکروں نے الماں (یمن) کی افواج کو شکست سے دوچار کر دیا۔

۳ رمضان المبارک کو پیش آنے والے تاریخِ اسلام کے اہم واقعات

۳ رمضان المبارک ۲ھ کو نبی الملاحم حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ اپنے لشکر کے ساتھ مدینہ منورہ سے غزوۂ بدر کے لیے میدانِ بدر کی طرف روانہ ہوئے۔

۳ رمضان المبارک ۱۱ھ کو نبی کریم ﷺ کی بیٹی حضرت فاطمہ زہراءؓ دارالفناء سے دارالبقاء کی طرف رحلت کر گئیں۔ حضرت فاطمہؓ حضرت علیؓ بن ابی طالب کی زوجہ اور حضرت حسن و حسین رضی اللہ عنہما کی والدہ تھی۔

۳ رمضان المبارک ۳۷ھ کو حضرت عثمان ؓ کی شہادت کے بعد، حضرت علی اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہم کے مابین پیدا ہونے والے اختلافات کا خاتمہ ہوا، حضرت علی ؓ کی طرف سے حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ اور حضرت معاویہؓ کی طرف حضرت عمر بن عاص ؓ نے ثالثی کا کردار ادا کرتے ہوئے اختلافات کا خاتمہ کر دیا۔ اس کے علاوہ خوارج کا قبیح و لعین فتنہ (جس نے اسلام اور اُمتِ مسلمہ کو ہر دور میں کافی نقصان پہنچایا ہے) کا بھی اسی دن ظہور ہوا۔

۳ رمضان المبارک ۳۵۰ھ کو اندلس میں خلافتِ امویہ کے مسند پر خلیفہ عبدالرحمٰن الناصر کا بیٹا الحکم جو مستنصر باللہ کے نام سے معروف تھے جلوہ افروز ہوئے، آپؒ کے دور میں مسلمانوں نے اندلس کی سرزمین پر عظیم اجتماعی امور سرانجام دیے، بڑی بڑی جامعات کی تعمیر ہوئی، جس کی تعداد ۲۷ تک پہنچتی ہیں۔

۳ رمضان المبارک ۵۸ھ کو صلیبیوں نے فلسطین کے 'عکہ' شہر کا محاصرہ کیا، جو خود صلیبیوں کے شکست کا سبب بن گیا۔

۴ رمضان المبارک کو پیش آنے والے تاریخِ اسلام کے اہم واقعات

۴ رمضان المبارک یکم ہجری کو نبی کریم ﷺ نے اسلامی تاریخ کا پہلا سریہ حضرت حمزہؓ کی قیادت میں مشرکین کے ساتھ مقابلے کے لیے روانہ کیا۔ اسی دن اسلام کا پہلا جھنڈا بھی بلند ہوا تھا، جس کا رنگ سفید تھا اور اس کو تھامنے والے صحابی کا نام ابو مرثدؓ تھا۔

۴ رمضان المبارک ۲۶۲ھ کو فقیہ عالم ابو بکر حنفی اور ابو دقاق حنبلی کی تحریض پر مسلمانوں کی ھبۃ اللہ ناصر الدولہ کی قیادت میں رومیوں کے ساتھ سخت لڑائی ہوئی اور رومیوں کے نائٹ 'دمستق' کو فتح کے بعد قیدی بنایا۔

۴ رمضان المبارک ۶۶۶ھ کو مسلمانوں نے مملوک سلطنت کے بہادر کماندان 'ظاہر بیبرس' کے ہاتھوں انطاکیہ صلیبیوں کے قبضے سے دوبارہ آزاد کرالیا۔ یہ شہر حضرت ابو عبیدہ بن جراحؓ کے ہاتھوں حضرت عمرؓ کے دورِ خلافت میں فتح ہوا تھا، ۴۹۱ھ میں صلیبی اس پر دوبارہ قابض ہو گئے۔

۴ رمضان المبارک ۹۲۷ھ کو خلافتِ عثمانیہ نے وسطی یورپ کے 'بلغراد' نامی شہر کو فتح کر دیا۔

۵ رمضان المبارک کو پیش آنے والے تاریخِ اسلام کے اہم واقعات

۵ رمضان المبارک ۱۱۳ھ کو اندلس میں اموی خلافت کی بنیاد رکھنے والے عبدالرحمٰن الداخل پیدا ہوئے تھے۔

۵ رمضان المبارک ۱۳۴۲ھ کو لیبیا کی سرزمین پر مجاہد عمر مختار رحمہ اللہ اور اطالوی فوج کے درمیان تاریخی معرکہ 'بئر الغبي' پیش آیا تھا جس میں مسلمانوں کو فتح ہوئی تھی۔

۵ رمضان المبارک ۱۹۴۴ھ کو خلاتِ عثمانیہ کے آخری خلیفہ عبدالحمید الثانی وفات پاگئے تھے اور انہیں مدینہ منورہ میں سپردِ خاک کیا گیا تھا۔

۶ رمضان المبارک کو پیش آنے والے تاریخِ اسلام کے اہم واقعات

[1] فرانس کا شہر تورز (فرانسیسی زبان میں توغ کہا جاتا ہے)۔

۶ رمضان المبارک ۹۲ھ کو مسلمانوں کے کمسن سپہ سالات محمد بن قاسم نے ۱۷ سال کی عمر میں سند کو فتح کیا تھا۔

۶ رمضان المبارک ۲۲۳ھ کو مسلمانوں نے عباسی خلیفہ معتصم باللہ کی قیادت میں رومی سلطنت کا بڑا شہر 'عموریہ' فتح کیا تھا۔

۶ رمضان المبارک ۵۳۲ھ کو حضرت عیاض بن غنمؓ کی قیادت میں مسلمانوں نے صلیبیوں کے بڑے شہر 'رھا' کو فتح کیا تھا، یہ علاقہ آج کے زمانے میں آدھا ترکی اور آدھا شام کے پاس ہے۔

۶ رمضان المبارک ۵۳۲ھ کو مسلمانوں نے عمادالدین زنگی کی قیادت میں طویل جنگ کے بعد شام کے صوبہ حلب کو فتح کیا تھا۔

۷ رمضان المبارک کو پیش آنے والے تاریخِ اسلام کے اہم واقعات

۷ رمضان المبارک ۵۹۶ھ کو علاء الدین محمد خوارزمی نے اپنی سلطنت کو وسعت دیتے ہوئے ایران کو اپنے قبضے میں لیا۔

۷ رمضان المبارک ۹۶۰ھ کو خلافتِ عثمانیہ کے امیر البحر تورگت الپ نے کورسیکا کا جزیرہ اور کاتانیا کے شہر کو فتح کیا تھا اور مسلمان قیدیوں کو رہا کروایا تھا۔ اس فتح سے قبل فرانس نے اس شہر کو تباہ کیا تھا اور ۷ ہزار مسلمانوں کو قیدی بنایا تھا۔

۹ رمضان المبارک کو پیش آنے والے تاریخِ اسلام کے اہم واقعات

۹ رمضان المبارک ۲۱۲ھ کو مسلمانوں نے عالم وفقیہ قیروان شہر کے قاضی اسد بن فرات بن سنان کی قیادت میں اٹلی کے حدود میں واقع 'صقلیہ' نامی بڑے جزیرے پر دس ہزار اسلامی لشکر کے ساتھ حملہ کیا، رومیوں کے ساتھ گھمسان کی لڑائی کے بعد یہ جزیرہ فتح ہو گیا۔ اسد بن فرات ایک بڑے عالم دین، جہادی میدانوں کے شہسوار اور قاضی تھے۔

۹ رمضان المبارک ۵۵۹ھ کو قاہرہ کے اندر مسلمانوں کے اندرونی لڑائی کا خاتمہ ہوا اور اسد الدین شیر نئے وزیر منتخب ہوئے۔

۹ رمضان المبارک ۸۲۷ھ کو مسلمانوں نے بیروت کے ساحل پر دو سمندری جہاز بھجوائے، یہ اقدام اس وقت اٹھایا گیا جب فرانس نے سمندر میں مسلمانوں کے حدود میں واقع علاقوں میں داخل ہونے کی کوشش کی تھی۔

۱۰ رمضان المبارک کو پیش آنے والے تاریخِ اسلام کے اہم واقعات

۱۰ رمضان المبارک ۱۳۲ھ کو عباسیوں نے خلافت امویہ کو شکست دے دی اور خلافتِ امویہ کا سقوط ہوا، اس کی تفصیل آگے آئے گی۔

۱۰ رمضان المبارک ۴۸۵ھ کو سلجوق سلطنت کے وزیر اور تاریخِ اسلام کی عظیم شخصیت اور عالم دین نظام الملک ابو اسحاق فرقۂ خشاشین کے ہاتھوں اس وقت نشانہ بنے جب آپؒ افطاری کر رہے تھے، ایک چھوٹے بچے نے (جو اپنے آپ کو فقیر و یتیم ظاہر کر رہا تھا) خنجر کے وار سے آپ کو شہید کر دیا۔

۱۰ رمضان المبارک ۶۴۸ھ کو صلیبیوں کو مصر کے اندر ایک بڑی شکست کا سامنا ہوا، جب سلطان صلاح الدین ایوبیؒ کی وفات کے بعد صلیبیوں نے مصر پر قابض ہونے کی کوشش کی لیکن کامیاب نہیں ہوئے، میاط شہر کو لینے کے بعد صلیبی المنصورہ کی طرف بڑھے لیکن وہاں ان کو ہزیمت کا سامنا کرنا پڑا۔

۱۱ رمضان المبارک کو پیش آنے والے تاریخِ اسلام کے اہم واقعات

ہجرت کے تیسرے سال گیارہ رمضان المبارک کو رسول اللہ ﷺ نے حضرت زینب بنت خزیمہؓ کے ساتھ نکاح کیا۔

ہجرت کے نویں سال گیارہ رمضان المبارک کو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بنو ثقف کا وفد حاضر ہوا، آپ ﷺ نے ان کا استقبال کیا، بنو ثقف کے سردار عروہ بن مسعودؓ ایمان لے آئے اور دعوت کی غرض سے اپنے قوم کی طرف واپس گئے لیکن آپؓ کی قوم نے آپ کو شہید کر دیا، آپؓ کی شہادت کے بعد بنو ثقف سخت پشیمان تھے اور اسلام لانے کی غرض سے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں وفد بھیجا، انہوں نے آپ ﷺ کے دستِ مبارک پر اسلام قبول کیا، آپ ﷺ نے سفیانؓ بن صخر بن حرب اور مغیرہ بن شعبہؓ کو تعلیم کی غرض سے ان کے ساتھ روانہ کیا۔

۱۱ رمضان المبارک ۱۲ھ کو جب حضرت ابو بکر صدیقؓ نے چار صحابہ کی سربراہی میں روم کی طرف لشکر روانہ کیا تو روم کے بادشاہ ہرقل نے مسلمانوں کے ساتھ مقابلے کی غرض سے حمص اور باقی علاقوں سے لشکر جمع کیا۔

۱۱ رمضان المبارک ۱۲۹ھ کو خراسان میں ابو مسلم خراسانی کی قیادت میں خلافتِ عباسی کی بنیاد رکھی گئی اور خلافتِ امویہ کا والی لڑائی کے بعد کوفہ فرار ہو گیا۔

۱۱ رمضان المبارک ۶۵۵ھ کو ہلاکو خان نے عباسی خلیفہ کے نام تسلیم ہونے کا پیغام بھجوایا، عباسیوں نے ہلاکو خان کے پیغام کو پھاڑ دیا، قاصد کو قتل کر دیا اور اس کے بعد بغداد کو تلخ دنوں کا سامنا کرنا پڑا۔

۱۱ رمضان المبارک ۹۲۲ھ کو خلافتِ عثمانیہ کے خلیفہ سلطان سلیم اول محاصرے کے بعد شام کے صوبہ دمشق میں بغیر لڑائی کے داخل ہوئے، وہاں آپ نے سلطان صلاح الدین ایوبیؒ کے

قبر کی زیارت کی اور محی الدین ابن عربی کے قبر کی مرمت کی، اس کے بعد آپؒ نے حلب، حماۃ، موصل اور باقی صوبوں کو اپنے قبضے میں لیا اور دمشق کے جامعہ امویہ کو دوبارہ آباد کر دیا۔

۱۱ رمضان المبارک ۹۸۴ھ کو خلافتِ عثمانیہ نے قفقاز کے علاقے شماہی میں ایرانی ملیشیا کو شکست دی، اس معرکے میں ایک دن کے اندر پندرہ ہزار ایرانی قتل ہوئے اور ان علاقوں پہ خلافتِ عثمانیہ کا قبضہ ہوا۔

۱۱ رمضان المبارک ۹۵ھ کو تابعی مفسر اور زاہد عالم سعید بن جبیر جنھوں نے حضرت عبد اللہ بن عمر، عبد اللہ بن عباس، ابو موسیٰ اشعری اور حضرت عائشہ صدیقہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے علم حاصل کیا تھا، اموی خلیفہ عبد الرحمٰن بن الاشعث کے ساتھ بیعت نہ کرنے کی پاداش میں حجاج بن یوسف کے ہاتھوں شہید کر دیے گئے۔

۱۱ رمضان المبارک ۶۲۴ھ کو مغل سلطنت کے سفاک، ظالم اور وحشی 'چنگیز خان' کی موت ہوئی اور حکومت اس کے بیٹے اوکتائی خان کے حصے میں آئی۔

۱۴ رمضان المبارک کو پیش آنے والے تاریخِ اسلام کے اہم واقعات

۱۴ رمضان المبارک ۱۳۲ھ کو خلافتِ عباسی کی افواج دمشق میں داخل ہوئیں اور خلافت کو پانچ سو سال سنبھال کے رکھا۔

۱۴ رمضان المبارک ۱۴۵ھ کو عباسی خلیفہ ابو جعفر المنصور کے حامیوں نے مدینہ کے قریب حضرت علیؓ بن ابو طالب کے پوتے کا پوتے، فقیہہ اور محدث عالم، جلیل القدر تابعی محمد النفس الزکیہ کو ان کے ساتھیوں کے ساتھ شہید کر دیا۔

۱۴ رمضان المبارک ۲۶۴ھ کو مسلمانوں نے ایٹالیا کے حدود میں جزیرۂ صقلیہ کا اہم اور مضبوط شہر رومیوں کی پناہ گاہ 'سرقوسہ' کو فتح کر دیا۔

۱۴ رمضان المبارک ۳۵۹ھ کو مصر کی عظیم درس گاہ جامعۃ الازہر کی بنیاد رکھی گئی اور دو سال میں اس کی تعمیر مکمل ہوئی۔

۱۴ رمضان المبارک ۶۵۸ھ کو فقیہہ عالم عطاء اللہ اسکندری پیدا ہوئے، آپؒ زہد و علمِ تصوف کے ساتھ ساتھ بڑے مدرس اور ولی اللہ تھے، ۷۰۹ھ میں مصر کے شہر قاہرہ میں وفات پا گئے اور وہی آپؒ کی تدفین ہوئی۔

۱۵ رمضان المبارک کو پیش آنے والے تاریخِ اسلام کے اہم واقعات

۱۵ رمضان المبارک ۳ھ کو حضرت حسن بن علیؓ نے اس دنیا میں آنکھ کھولی۔

۱۵ رمضان المبارک ۳۷ھ حضرت ابو بکر صدیقؓ کے فرزند محمد کو مصر کا والی بنا دیا گیا۔

۱۵ رمضان المبارک ۳۷ھ کو حضرت عمرؓ بن خطاب کے فرزند عبید اللہ وفات پا گئے۔

۱۵ رمضان المبارک ۱۳۸ھ کو عبد الرحمٰن الداخل اموی خلافت کی بنیاد رکھنے کی غرض سے اندلس میں سمندر کے راستے داخل ہوئے۔

۱۵ رمضان المبارک ۵۸۴ھ کو صلیبیوں نے شام میں 'صفد' نام کا قلعہ سلطان صلاح الدین ایوبیؒ کے حوالے کیا۔

۱۵ رمضان المبارک ۳۸۳ھ کو بڑے ادیب، لغت کے امام اور شاعر ابو بکر محمد بن عباس خوارزمی وفات پا گئے۔

۱۵ رمضان المبارک ۱۲۲۴ھ کو معرکۂ 'تاتاریجہ' پیش آیا، جس میں خلافتِ عثمانیہ کے لشکروں نے روسی فوج کو عظیم شکست سے دوچار کیا اور دس ہزار روسی فوجی مارے گئے۔

۱۶ رمضان المبارک کو پیش آنے والے تاریخِ اسلام کے اہم واقعات

۱۶ رمضان المبارک ۲ھ کو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نبی الملاحم حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی قیادت میں میدانِ بدر میں داخل ہوئے۔

۱۶ رمضان المبارک ۵۸ھ کو نبی کریم ﷺ کی زوجہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کی وفات ہوئی اور جنت البقیع میں ان کی تدفین ہوئی۔

محمود بن سبکتگین غزنوی کے ہاتھوں کشمیر کی فتح کے بعد ۱۶ رمضان المبارک ۴۰۹ھ کو کشمیر کے لوگ آپؒ کے ہاتھ پر مشرف بہ اسلام ہوئے اور رمضان المبارک کا پہلا روزہ رکھا۔

۱۶ رمضان المبارک ۸۴۵ھ کو مشہور مؤرخ اور بڑے عالم احمد بن علی مقریزی وفات پا گئے۔

☆☆☆☆☆

عافیہ صدیقی

ظلم واسیری کی داستان......کہاں ہیں غیرت کے پاسبان؟

فضیلۃ شیخ ابو یحییٰ اللیبی شہید رحمۃ اللہ علیہ

الحمد للہ والصلاۃ والسلام علی رسول اللہ وبعد

تمام امت مسلمہ کے نام!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

اسلامی تاریخ میں یہ واقعہ محفوظ ہے کہ ایک مسلمان خاتون نے، جسے رومیوں نے قید کر لیا تھا......جب اُس وقت کے عباسی خلیفہ معتصم باللہ کو مدد کے لیے پکارا تو پوری سلطنتِ اسلامی کے ایوان لرز اٹھے۔ خلیفہ معتصم نے اُس عورت کی فریاد کے جواب میں غیرتِ اسلامی کا کامل مظاہرہ کرتے ہوئے نفیرِ عام کا حکم دیا اور اُس قیدی بہن کی پکار پر لبیک کہتے ہوئے بذاتِ خود ایک لشکرِ جرّار کی قیادت کرتا ہوا روم کے سب سے مضبوط شہر عموریہ پر حملہ آور ہوا، جہاں اس نے ظالم رومیوں کی لاشوں کے انبار لگا دیے اور شہر کا ایسا حال کر دیا گویا کل تک وہاں کچھ تھا ہی نہیں، یہاں تک کہ وہ خاتون پوری عزت و احترام کے ساتھ واپس پہنچ گئیں۔ رومیوں کو اپنے کیے کا پورا پورا خمیازہ بھگتنا پڑا اور ایک مسلمان عورت کی پکار ان کی ذلت وتباہی کا باعث بن گئی۔ اسی واقعے کے حوالے سے مشہور شاعر 'ابو تمام' کا قصیدہ آج تک زبانِ زد عام ہے کہ:

تلوار کی کاٹ کتابوں کے انبار سے زیادہ مؤثر ہوتی ہے
اور اس کی تیز دھار حقیقت اور افسانے کو جدا کر دیتی ہے

اسی طرح تاریخ شاہد ہے کہ سندھ کے راجہ کے ایک مسلمان خاتون کو قید کرنے پر اُس وقت کا سفاک حکمران حجاج بن یوسف بھی تلملا اٹھا۔ اس نے بلا تاخیر سندھ پر حملے کا حکم دیا اور اس مقصد کے لیے خزانے کے انبار خرچ کر دیے، یہاں تک کہ اُس خاتون کو بازیاب کروا کر باعزت طریقے سے اس کے شہر پہنچا دیا گیا۔

لیکن آج حالت یہ ہے کہ طواغیت کی جیلیں پاک دامن مسلمان خواتین سے بھری پڑی ہیں، جہاں انہیں ایسے سنگدل مجرموں کے ہاتھوں قسم قسم کے مظالم اور رسوائیوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے جن کے دلوں کی سختی سے پتھر بھی پناہ مانگیں۔ اِن خواتین کا قصور صرف یہ ہے کہ وہ ایک اللہ وحدہ لا شریک پر ایمان لائیں اور انہوں نے اپنے رب کی کتاب کو اپنے سینوں میں بسایا۔

فلسطین میں یہودیوں کی کال کوٹھریاں ہوں یا مصری راہبوں کی خانقاہیں، عراق کی جیلیں ہوں یا جزیرۂ عرب کے اذیت خانے، ہر جگہ آج ہماری عفت مآب بہنیں طرح طرح کے تشدد اور تعذیب کا سامنا کر رہی ہیں۔ لیکن ان مظلوم خواتین کی چیخ وپکار قید خانوں کے درو دیوار سے ٹکرا کر، وہیں دم توڑ جاتی ہیں۔ اُن کی فریادیں، اُمت کی اکثریت پر طاری وہن، بے حسی اور لا پرواہی کے سمندر میں غرق ہو کر رہ جاتی ہیں۔ ولا حول ولا قوۃ الاّ باللہ!

کفر کے جرائم کی فہرست میں ایک اور جرم کا اضافہ کرتی ایسی ہی المناک داستان ہماری بہن ڈاکٹر عافیہ صدیقی کی بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں جلد آسانی عطا فرمائیں!

عالمی کفر کے سرغنہ امریکہ کو کفر و سرکشی میں مزید طول دینے اور مسلمانوں کی عزت وناموس کو بے قدر وقیمت ثابت کرنے کی غرض سے ایک امریکی عدالت نے دیکھتی آنکھوں اور سنتے کانوں ساری دنیا کے سامنے ایک مسلمان خاتون ڈاکٹر عافیہ صدیقی کو اسّی سال سے زائد عرصے کے لیے قید کی سزا سنا دی۔ حالانکہ اس سے پہلے سات سال تک انہیں جیل میں جس جسمانی اور نفسیاتی تشدد کا نشانہ بنایا گیا وہ کسی سے پوشیدہ نہیں۔ اُن کا یہ دعویٰ کہ انہوں نے ڈاکٹر عافیہ کو ۲۰۰۸ میں گرفتار کیا تھا، سراسر جھوٹ ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ وہ ۲۰۰۳ سے آج تک قید وبند کی صعوبتیں جھیل رہی ہیں۔ ان کی گرفتاری عزت وشرف سے عاری پرویز مشرف اور اس کی انٹیلی جنس ایجنسیوں کے مکمل تعاون کے ساتھ پاکستان ہی سے عمل میں لائی گئی تھی نہ کہ افغانستان سے، جیسا کہ اِن جھوٹوں کا دعویٰ ہے۔

چنانچہ جب سنہ ۲۰۰۴ میں ہمیں قید کر کے بگرام جیل منتقل کیا گیا تو اُس وقت بھی ڈاکٹر عافیہ جیل میں تھیں۔ ان کا نمبر ۶۵۰ تھا جو کہ بالکل شروع کے نمبروں میں سے ہے۔ پھر جب اللہ تعالیٰ نے ہمیں جیل سے رہائی عطا فرمائی تو ہم نے اُن پر ڈھائے جانے والے مظالم کی نشاندہی بھی کی تھی۔ لہٰذا یہ جھوٹے کس بنیاد پر یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ انہیں ۲۰۰۸ میں گرفتار کیا گیا۔ سچ تو یہ ہے کہ جب کوئی حیا ہی نہ کرے، تو پھر جو چاہے کرے!

(مذکورہ ویڈیو کے حصے کا ترجمہ:

شیخ ابو یحییٰ:

"یہاں میں اس بات کی جانب بھی توجہ دلانا چاہوں گا کہ بگرام جیل میں پانچ سو سے زائد مرد قیدیوں کے ساتھ ایک پاکستانی خاتون بھی ہیں جنہیں عرصہ دو سال سے مسلسل قیدِ تنہائی کی کوٹھری میں رکھا گیا تھا۔ اگر انہیں بیت الخلاء بھی جانا ہوتا تھا تو ایک نجس امریکی کافر اپنا ایک پلید ہاتھ ان کے کندھے پر رکھ کے اور دوسرے ہاتھ سے ان کا بازو تھام کر زنجیروں اور بیڑیوں میں جکڑ کر اُنہیں قضائے حاجت کے لیے لے کر جاتا تھا۔ اُن کے ساتھ بالکل ویسا برتاؤ کیا

جاتا ہے جیسا ایک مرد کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ حتیٰ کہ اُنہیں ویسا ہی سرخ لباس پہنایا جاتا ہے جو گوانتاناموا اور دیگر جیلوں میں مجاہدین کو پہنایا جاتا ہے۔ اُس خاتون کا حال یہ ہو چکا تھا کہ وہ اپنے ہوش و حواس تک کھو چکی تھیں، سارا دن اور ساری رات اُن کی چیخوں کی آوازیں سنائی دیتی تھیں اور شدتِ کرب سے وہ ہر وقت دروازہ پیٹتی رہتی تھیں۔ اِس کے جواب میں امریکی فوجی اُنہیں حقارت کے ساتھ اُن کے نمبر سے بلا کر یہ کہتے تھے کہ:

"Six five zero! What is the problem?"

”چھ پانچ صفر (قیدی نمبر چھ سو پچاس)! تمہیں کیا مسئلہ ہے؟“

حقیقت یہ ہے کہ کوئی انسان ایسا نہ تھا جس سے وہ بات ہی کر سکتیں! وہ خود قیدِ تنہائی میں ہیں، اُن کے دائیں بائیں آگے پیچھے سب قیدِ تنہائی کی کوٹھریاں ہیں۔ کوئی خاتون ایسی نہیں جس سے وہ بات کر سکیں، سوائے امریکی فوج میں موجود حیا باختہ عورتوں کے۔ اِس وقت وہ خاتون اپنا ذہنی توازن کھو چکی ہیں اور وہ گزشتہ دو سال سے اسی حال میں سسک رہی ہیں۔ غالباً ابھی تک کسی نے اُن کے بارے میں سنا بھی نہیں ہو گا! ولا حول ولا قوۃ الا باللہ۔“

شیخ ابو ناصر (اللہ تعالیٰ ان کو قید سے رہائی عطا فرمائے):

”عرب و عجم کے اُن حکمرانوں کے نام جو مسلمان ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں! اللہ تمہیں غارت کرے!

ذرا دیکھو! اس خاتون کو جیل میں سسکتے ہوئے دو سال ہو گئے ہیں، حتیٰ کہ میں نے اور بھائی ابو یحییٰ نے ان سب ساتھیوں اور بعض افغانی بھائیوں کے ساتھ مل کر اُس خاتون کو کوٹھری سے نکلوانے کے لیے بھوک ہڑتال کر دی۔ اللہ کی قسم! ہم نے مسلسل نو دن تک کھانے پینے کی کسی چیز کو ہاتھ تک نہیں لگایا۔ اِس پر امریکی تفتیش کار نے ہم سے پوچھا کہ تمہیں کیا مسئلہ ہے، کھاتے پیتے کیوں نہیں؟ اس پر ہم نے اُسے صاف کہہ دیا کہ جب تک اس خاتون کو کوٹھری سے نہیں نکالا جاتا، ہم نہ کچھ کھائیں گے نہ پئیں گے! بلکہ یوں ہی بھوکے پیاسے مر جائیں گے۔“

(یاد رہے کہ یہ ویڈیو سنہ ۲۰۰۵ کی ریکارڈ شدہ ہے)

چنانچہ امریکہ کو تو ہم خوب جان چکے ہیں اور مسلمانوں بلکہ پوری دنیا کے حق میں کیے گئے اُس کے مظالم کے نتیجے میں نکلنے والی آہیں تو سماعت سے محروم لوگوں کو بھی سنائی دیتی ہیں، اس لیے امریکہ کی جانب سے ایسے جرائم کا ارتکاب کرنا اور بعد ازاں ذرائع ابلاغ کے دجل و فریب کے ذریعے اسے کچھ کا کچھ بنا کر پیش کرنا قطعاً تعجب کی بات نہیں! مسئلہ تو ہمارا اپنا ہے۔ کیونکہ جب چرواہا ہی ریوڑ کا دشمن ہو جائے تو پھر بھیڑیے کو کیا الزام دینا؟

اصلاً مطلوب تو یہ ہے کہ ہم مسلمان، اور خاص طور پر اہلِ پاکستان اور وہاں کے فاضل علماء کرام...... خود اپنے آپ سے یہ سوال کریں کہ آیا اس مقصد کے لیے مجرد ایک دو دن مظاہرے اور احتجاج کر لینا کافی ہے جن کے بعد اس مظلوم بہن کا مسئلہ بھی ویسے ہی قصۂ پارینہ بن جائے، جس طرح اس جیسے دیگر مسائل ماضی کی دھول میں گم ہو کر رہ گئے؟ اور کیا ان مظاہروں، احتجاجوں، کھوکھلے نعروں اور بلند بانگ دعووں سے امریکہ کے کان پر کبھی جُوں بھی رینگی؟

سو جس کی سمجھنے کی نیت ہی نہ ہو
اسے نصیحت کرنے سے کیا حاصل

ڈاکٹر عافیہ کا مسئلہ محض اتنا نہیں کہ ایک کمزور اور لاچار مسلمان عورت کو کفار نے قید کر لیا، بلکہ اس سے بڑھ کر یہ پوری امت کی غیرت و حمیت کا مسئلہ ہے اور بھلا ایسے شخص میں کیا خیر ہو گی جو غیرت سے ہی عاری ہو؟

ہم نے بارہا انفرادی قید کی کوٹھری سے ان کی چلّانے کی آوازیں سنیں، گویا وہ ہمیں پکار پکار کر ہم سے ہماری بے حسی کا شکوہ کر رہی ہوں۔ اس لیے ہمیں اس حقیقت کو بخوبی سمجھ لینا چاہیے کہ امریکہ کو مطالبات اور مذمت کی زبان کبھی سمجھ میں نہیں آسکتی اور نہ ہی ہڑتالوں اور احتجاجوں کے ذریعے اسے اس کی سیاہ کاریوں سے روکنا ممکن ہے۔ ان متکبرین کے دل ایسے نہیں کہ شکوہ و شکایت سے نرم پڑ جائیں۔ اپنا حق کبھی بھی التجاؤں اور فریادوں کے ذریعے نہیں ملا کرتا!

اس لیے جب تک اللہ تعالیٰ ہمارے اور اِن کفار کے درمیان فیصلہ نہیں کر دیتا تب تک صبر و استقامت کے ساتھ جہاد و قتال کے راستے پر جمے رہنے کے سوا کوئی دوسرا راستہ نہیں۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ اَهْلُهَا ۚ وَاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا ۚ وَّاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ نَصِيْرًا (سورۃ النساء: ۷۵)

”اور تمہیں کیا ہوا ہے کہ تم اللہ کی راہ میں اور اُن ضعیف مردوں، عورتوں اور بچوں کی خاطر نہیں لڑتے جو یہ فریاد کرتے ہیں کہ اے ہمارے ربّ تو ہمیں ظالموں کی اس بستی سے نکال دے اور تو اپنی جانب سے ہمارے لیے کوئی حمایتی بنا دے اور اپنی ہی جانب سے ہمارے لیے کوئی مددگار مقرر فرما دے۔“

اے اہلِ پاکستان!

ظالم امریکہ جس نے آپ کی بہن اور اس کے بچوں کو اغوا کیا، آپ سے ایسا دور نہیں کہ آپ کے اور اس کے مابین سمندر اور صحرا حائل ہوں، بلکہ اُس کے اڈے اور فوجی آپ کے سامنے موجود ہیں۔ آپ کے افغانی بھائیوں کے لیے موت اور تباہی کا سامان لیے اِن کی رسد کے قافلے دن دہاڑے آپ کی آنکھوں کے سامنے آپ ہی کی سڑکوں کو روندتے ہوئے گزرتے ہیں۔ ان کی انٹیلی جنس ایجنسیوں کے دفاتر اور ان کی خفیہ جیلوں کا مکروہ جال آپ کے شہروں میں ہر جگہ پھیلا ہوا ہے، جہاں ان کی حفاظت کی ذمہ داری ایک ایسی فوج نے اٹھا رکھی ہے جن کا ربّ صرف اور صرف ڈالر ہے۔ قبائلی علاقوں میں مسلمانوں پر بمباری کی غرض سے امریکی فوج کے ہوائی جہاز روزانہ آپ ہی کے ہوائی اڈوں سے اڑتے ہیں اور اس کے بحری بیڑے اور آبدوزیں آپ ہی کے پانیوں میں بے خوف وخطر تیرتی پھرتی ہیں۔ پھر ساری حقیقت واضح ہو جانے کے بعد بھی آخر وہ کیا عذر ہے جو آپ کو اس فرض کی ادائیگی سے روکے ہوئے ہے؟

انہیں جہاں پائیں قتل کریں! قید کریں! ان کا محاصرہ کریں! اور ہر گھات لگانے کی جگہ اِن کے لیے گھات لگائیں! ان کی رسد کے راستوں کو کاٹ ڈالیں! اِن کا امدادی سامان جلا ڈالیں! اور اپنے مجاہد بھائیوں کے ساتھ مل کر اُن کی صفوں کو مضبوط کریں!

اللہ کی قسم! اس مقصد کی خاطر نکالے گئے ایسے سینکڑوں مظاہروں سے، جن میں چاہے نعرہ گو لوگ شدت سے اپنے گلے ہی کیوں نہ پھاڑ لیں...... ان کی طرف چلائی گئی ایک گولی زیادہ بہتر اور نتیجہ خیز ثابت ہو گی۔

پاکستان کے قابلِ صد احترام علمائے کرام!

آپ ہمیشہ سے اپنے عالی قدر اسلاف کے یہ اقوال پڑھتے اور پڑھاتے رہے ہیں کہ:

”اگر مغرب میں بھی کسی مسلمان عورت کو قید کر لیا جائے تو اہلِ مشرق پر اسے آزاد کرانا فرض ہے۔“

اسی طرح انہوں نے فرمایا:

”اسیر کا چھڑانا ہر اس شخص پر فرض ہے جس کو اس بارے میں علم ہو جائے، اور اس فرضیت میں اہلِ مشرق و مغرب سب برابر ہیں۔“

جبکہ یہاں تو ایک مسلمان خاتون کو آپ کے سامنے اٹھا کر جیل کی اندھیر نگری کے سپرد کر دیا گیا، اور بعد ازاں نصرانی کافر اُسے انواع واقسام کے تشدد اور عذاب دینے کے لیے ظلم وجبر کی نمائندہ سرزمین امریکہ اٹھا کر لے گئے، جہاں وہ اپنی بے بسی اور بے چارگی کا شکوہ لیے کئی سالوں سے پڑی گل سڑ رہی ہے۔ ذرا بتایئے کہ اس حوالے سے آپ پر کیا فرض عائد ہوتا ہے؟ اگر آپ میں سے ہر کوئی خاموشی کی چادر تانے سویا رہے گا تو آخر پھر وہ کون ہو گا جو اِس مظلوم عورت کی فریاد رسی کے لیے اٹھے گا اور لوگوں کو اُسے قید کرنے والوں کے خلاف قتال پر ابھارے گا؟

آپ لوگوں کے راہبر اور راہنما ہیں، اگر آپ خاموش ہو گئے تو لوگ بھی خاموش ہو جائیں گے۔ لیکن اگر آپ لوگوں کو اُبھارتے ہوئے کھڑے ہو گئے تو لوگ بھی آپ کے نقشِ قدم پر اُٹھ کھڑے ہوں گے۔ اس بہن کے حوالے سے آپ کے کاندھوں پر علمی و عملی دونوں اعتبار سے بھاری امانت کا بوجھ ہے۔ اور پھر ایسے علم سے کیا حاصل جس پر عمل ہی نہ ہو۔ ہر شخص بخوبی جانتا ہے کہ اِن کافروں کا زور توڑنا اور اِن کے شر کے آگے بند باندھنا، قتال فی سبیل اللہ اور اس کی دعوت کے بغیر ممکن نہیں!

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

فَقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ لَا تُكَلَّفُ اِلَّا نَفْسَكَ وَحَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّكُفَّ بَاْسَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۭ وَاللّٰهُ اَشَدُّ بَاْسًا وَّاَشَدُّ تَنْكِيْلًا (سورۃ النساء: ۸۴)

”سوائے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! آپ اللہ کی راہ میں لڑیں! آپ اپنے سوا کسی کے ذمہ دار نہیں اور مومنین کو بھی ترغیب دیں! قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ کافروں کا زور توڑ دے گا اور اللہ تعالیٰ لڑائی میں بہت سخت ہے اور سزا دینے میں بھی بہت سخت ہے۔“

افغانستان اور عراق پر امریکی حملے کے بعد اگر مسلمان محض احتجاجی مظاہروں، فلک شگاف نعروں، جوشیلی تقریروں اور کانفرنسوں کے انعقاد پر اکتفا کیے، بیٹھے رہتے تو آج امریکہ کی جو ابتر حالت ہم دیکھ رہے ہیں ایسی نہ ہوتی، بلکہ وہ یکے بعد دیگرے تمام اسلامی ممالک پر قبضہ کرتا چلا جاتا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کے مقابلے پر ایسے سچے مومنین اور مجاہدین کو کھڑا کر دیا جنہوں نے اپنے اوپر سے وہن اور جھوٹی خواہشات کی چادر کو اتار پھینکا اور وہ دشمن کے قلعے مسمار کرتے، اس کے فوجیوں کو جہنم واصل کرتے، اس کے ایجنٹوں کو سبق سکھلاتے، صبر و استقامت کے ساتھ، اپنے زخموں کی پرواہ کیے بغیر آگے بڑھتے چلے گئے۔ انہوں نے قتل کا بدلہ قتل اور تباہی کا بدلہ تباہی سے لیا۔ یہ ان کی ثابت قدمی ہی کا ثمر ہے کہ آج اسلام کا علم سربلند اور امریکہ اور اس کے حلیفوں کا جھنڈا سرنگوں ہے۔ لہٰذا ہمیں حوصلے اور ہمت کے ساتھ جہاد اور قربانی کی اِس عظیم تجارت کے لیے کمربستہ ہو جانا چاہیے جس میں صرف نفع ہی نفع ہے، خسارہ نہیں۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

فَلْيُقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ يَشْرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا بِالْاٰخِرَةِ ۭ وَمَنْ يُّقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيُقْتَلْ اَوْ يَغْلِبْ فَسَوْفَ نُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا(سورۃ النساء: ۷۴)

"سو جو لوگ آخرت کے بدلے میں دنیا کو بیچنا چاہتے ہیں انہیں چاہیے کہ اللہ کی راہ میں قتال کریں۔ اور جو شخص بھی اللہ کی راہ میں لڑے گا پھر شہید ہو جائے یا غلبہ پا جائے تو عنقریب ہم اسے بڑا اجر عطا فرمائیں گے۔"

اشعار کا نثری ترجمہ:

امریکہ کے مقدر میں چین تب تک نہیں
جب تک عافیہ اپنی آنکھ سے فتح نہ دیکھ لے
قسم اللہ کی! یہ کسی دیوانے کا خواب نہیں
امریکہ کی تباہی تو ایک اٹل حقیقت ہے
ہمارے جوانوں کے کارنامے فخر کی داستان ہیں
معرکوں میں ان کی شجاعت شیروں سے کم نہیں
جب نفیر کی صدا لگی تو یہ فوراً نکل کھڑے ہوئے
سواوباما ان کے مقابل جسے چاہے بلا کر دیکھ لے
یہ وہ لشکر ہیں کہ جب میدان میں اتریں
تو ان کا دشمن ایک بھولا ہوا قصہ بن جاتا ہے
کابل و بغداد سے ان کا حال تو پوچھو!
خودداری کی زمین مقدیشو کو دیکھو!
الجزائر اور جزیرۂ عرب میں بھی ہماری تلواریں
ابھی تک ان کے خون سے رنگی ہوئی ہیں
جنگ کے دن بزدلی اور وہن جیسی بیماریاں
ان شہسواروں سے کوسوں دور دکھائی دیتی ہیں
ان کی دعوت سچی ہے صبر ان کا زادِ راہ ہے
ان کے دل اخلاص کے زیور سے مالامال ہیں
تم ان کو ہر دم پر سکون حالت میں دیکھتے ہو لیکن
ان کے دل شہادت کی طلب میں روتے رہتے ہیں
امریکہ! تیری ساری امیدیں اور اندازے
سوائے وہم اور خود فریبی کے کچھ بھی نہیں
اس خوابِ غفلت سے اب تو بھی اٹھے گا جب
تیرے در و دیوار کو جنگ کی شدت نے لپیٹا ہو گا
یہ مجاہدین حق کے لشکر اور سچائی کے پیکر ہیں
تیری مانند دھوکہ اور فریب ان کا شیوہ نہیں
تیرا زوال اب بالکل قریب آن پہنچا ہے
اور تیری تباہی اور بربادی اب زیادہ دور نہیں
کفر و ضلالت کی تیری یہ مملکت اب کمزور پڑ چکی ہے
اس کے ستونوں اور ایوانوں میں دراڑیں پڑ چکی ہیں
خوشحالی اور آسودگی تجھ سے بہت دور رہ گئی ہے
اپنے لیے پستی اور ذلت کو تُو نے خود منتخب کیا ہے
اے امریکہ! تیری شہ رگ بس کٹنے کو ہے
کیا اب بھی تو ان خطرات سے بالکل بے خبر ہے
کیا تجھے اپنے ظلم کا خمیازہ بھگتنا نہ ہو گا؟
اور تُو غم سے بے پرواہ یوں ہی چین سے رہے گا؟
نہیں! نہیں! تیری پھانسی کا پھندا تو تیار پڑا ہے
مگر تُو اب تلک گہری نیند میں مدہوش پڑا ہے
تیری زندگی کے ایام اب بدمزہ ہی رہیں گے
بس اب تُو فیصلہ کن ضرب کا انتظار کر
سو جان رکھ کہ جو ضلالت کی راہ پر راضی ہو جاتا ہے
وہ اپنے ہی ہاتھوں خود کو آگ کا ایندھن بنا دیتا ہے

اللہ تعالیٰ کے فضل سے آج امریکہ اپنی آخری سانسیں گن رہا ہے۔ اب ظاہری طور پر وہ جتنے چاہے بلند بانگ دعوے کرے اور جتنا چاہے عزم و ہمت کا اظہار کرے، ان سب کی حقیقت کھوکھلے دعووں سے زیادہ کچھ نہیں۔ اس کی معیشت تباہی کے دہانے پر کھڑی ہے، لوگ انتشار کا شکار ہیں، سیاست پٹری سے اتر چکی ہے، فیصلوں میں اضطراب ہے، پے در پے شکست ان کا مقدر بن چکی ہے اور ان کی فوجیں اس طویل جنگ اور مسلسل جانی و مالی نقصانات کی وجہ سے تھکن اور اکتاہٹ کا شکار ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔

وَلَا تَهِنُوْا فِي ابْتِغَاۗءِ الْقَوْمِ ۭ اِنْ تَكُوْنُوْا تَاْلَمُوْنَ فَاِنَّھُمْ يَاْلَمُوْنَ كَمَا تَاْلَمُوْنَ ۚ وَتَرْجُوْنَ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا يَرْجُوْنَ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِــيْمًا حَكِــيْمًا(سورۃ النساء: ۱۰۴)

"اور ان کافروں کا پیچھا کرنے میں سستی مت کرو! اگر تمہیں تکلیف پہنچتی ہے تو انہیں بھی تکلیف پہنچتی ہے جیسے تمہیں تکلیف پہنچتی ہے، جبکہ تمہیں اللہ سے اس چیز کی امید ہے جس کی انہیں امید نہیں اور اللہ تعالیٰ علم والا حکمت والا ہے۔"

(باقی صفحہ نمبر 31 پر)

انما اشكو بثي وحزني الى الله

قاری صہیب انصاری

غیرت و مظلومیت کی تصویر عافیہ صدیقی کیا تمہیں معلوم ہے؟

کہ تم آزاد ہو، تم آزاد اور باہمت انسانوں کے بلند عزم و غیرت کی مقتدا ہو!

تم آزاد ہو، کیونکہ تم شیاطین کے بے شمار زنجیروں اور ہتھکڑیوں سے آزاد غیرت و ہمت کے آسمانوں میں مہربان رب کی رحمت کے سائے تلے عزت کی زندگی جی رہی ہو۔

تمہیں معلوم ہے سینکڑوں تمہاری جیسی امت کی بیٹیاں ہر پل بے شمار رسوائیوں اور تاریک زندانوں سے گزرتی ہیں؟

ہاں! ان کو خواہش نفس، شیاطینِ انس و جن نے قیدی بنایا ہے، میری بہن ہم یہ جانتے ہیں کہ تم ظاہر میں ہم سے جدا وحشی جانوروں کی قید میں تکالیف سے گزر رہی ہو، اور تمہاری اس حالت کو دیکھتے ہوئے ہم بھی دکھی ہیں اور ہم ایسی تکلیف سے گزر رہے ہیں کہ کبھی کبھی اللہ رب العزت کی یہ وسیع زمین ہم پر تنگ ہو جاتی ہے، آنکھیں اشک بار اور دل خون کے آنسو روتا ہے، لیکن ہمیں خوشی ہے کہ میری اُمت میں ایسی بہادر اور غیرت مند بہنیں ہیں، جن سے مغرب کے بے غیرت اور ہمت سے عاری شیاطین اتنے خوفزدہ ہیں کہ ان کو سالوں سے قیدی بنا رکھا ہے، سچ میں تمہارے دشمن انتہائی کم ہمت اور بزدل ہیں......قاتلهم الله!

اے میری بہن! کیا تمہیں معلوم ہے کہ شرق و غرب میں سینکڑوں مضبوط و قوی نوجوان ہیں، لیکن ایک بھی کافر ان سے خوفزدہ نہیں، بلکہ ان کے ساتھ رسوائی کی محفلوں میں رقص کرتے ہوئے نظر آتے ہیں یا اپنے معمول کی زندگی گزار رہے ہیں، مغرب نے نہ ان کو قیدی بنائے رکھا اور نہ ہی یہ ان کی آنکھوں کے کانٹے ہیں، لیکن تم تو ظاہراً ایک کمزور مخلوق ہو، تمہارے خوف سے انہوں نے اس تاریخی ذلت کے لیے کمر کس لی اور تمہیں اپنے پوری اُمت کے سامنے زنجیروں میں جکڑ لیا۔

اُمت کے نوجوان دو گروہوں میں بٹ گئے، ایک گروہ نے بے غیرتی دکھائی، تمہیں قیدی دیکھ کر کوئی مزاحمت نہیں کی، ہاتھ پہ ہاتھ دھرے بیٹھے رہیں، لیکن دوسرے گروہ نے بزدل اور بندر کی اولادوں سے تمہارا انتقام کئی بار لیا، ان نوجوانوں نے اپنے جسموں کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا، لیکن اس بے غیرتی کو برداشت نہ کر سکے، اور کئی نوجوان اب بھی تکلیف میں ہیں، ان کے درد بھرے دل دکھی ہیں اور تمہارے انتقام لینے کے لیے موقع کے انتظار میں ہیں۔

مغرب نے حقوقِ نسواں اور آزادی کے بہانے ہماری ناقص العقل خواتین کو دھوکے میں ڈالا ہے، ان کو اسلامی اہداف کے خلاف استعمال کر رہے ہیں، ان کو مغربی ہوس پرست اپنے خواہشات کی تکمیل کے لیے بازار میں نکال رہے ہیں، لیکن دوسری جانب تمہاری جیسی پاک باز اور احساس والی خواتین کو یہ مغرب ان حقوق سے مستثنیٰ کر کے ظلم و وحشت کے ظلمات میں رکھے ہوئے ہیں، یہ مغربی شیاطین کا عدل ہے؟!

لیکن تعجب ہے مجھے اپنے بھائیوں پر، جو ابھی تک اپنے دشمن کو نہیں پہچانے، اور ابھی تک مختلف گروہوں میں اپنے بھائیوں کے روشن اہداف کے خلاف یہود اور صلیب کے فرزندوں کی مکروہ رسیوں سے اپنے آپ کو باندھے ہوئے ہیں، اور ان کے ساتھ ہر جرم میں برابر کے شریک ہیں......

اے میری بہن، تمہاری مظلومیت کی خاطر، اپنی امت کو غیرت دلاتا ہوں کہ تمہاری ماں اور بہن کی ظالموں کے ہاتھوں عصمت لٹ رہی ہے، لیکن تم آرام سے بیٹھے ہوئے۔

انما اشكو بثي و حزني الى الله......

☆☆☆☆☆

’نوائے غزوۂ ہند‘ کے سوشل میڈیا اکاؤنٹس

تمام معزز قارئین کو مطلع کیا جاتا ہے کہ ’نوائے غزوۂ ہند‘ کے ’سوشل میڈیا اکاؤنٹس‘ توزیعی مقاصد (propagation) کے لیے ہیں۔ ان اکاؤنٹس کو ’نوائے غزوۂ ہند‘ کی مجلسِ ادارت یا مدیر سے رابطے کے لیے استعمال نہ کیا جائے۔

’نوائے غزوۂ ہند‘ سے رابطے کے لیے مجلّے کے تازہ ترین شمارے میں درج مجلسِ ادارت یا مدیر کے ’ای میل ایڈریس‘ کو استعمال کیا جائے۔

شکریہ، جزاکم اللہ خیراً کثیراً

(مجلسِ ادارت ’نوائے غزوۂ ہند‘)

چراغِ راہ ۱۴

تحریر: استاد اسامہ محمود حفظہ اللہ

مشکلات نہیں، انعامات پر نظر……!

استاد اسامہ محمود حفظہ اللہ نے یہ سلسلۂ مضامین ’اصحاب الاخدود‘ والی حدیث کو سامنے رکھ کر تحریر کیا ہے۔ (ادارہ)

بسم اللہ والحمد للہ والصلاۃ والسلام علیٰ سیدنا وحبیبنا محمد وآلہ وصحبہ أجمعین

”وزیر شفایابی کے بعد بادشاہ کے دربار میں اس کے سامنے بیٹھا تو بادشاہ نے اس سے پوچھا، ”تمھاری نظر کس نے تمھیں لوٹادی؟“ مَنْ رَدَّ عَلَيْكَ بَصَرَكَ؟ وزیر نے کہا، ”میرے رب نے“، بادشاہ نے کہا، ”کیا تیرا میرے علاوہ بھی کوئی رب ہے؟“ وزیر نے جواب دیا، رَبِّي وَرَبُّكَ اللّٰهُ ”میرا اور تمہارا رب اللہ ہے“، پھر بادشاہ اس کو پکڑ کر اسے عذاب دینے لگا تو اس نے بادشاہ کو لڑکے کے بارے میں بتادیا۔ پھر جب وہ لڑکا آیا تو بادشاہ نے اس سے کہا کہ ”بیٹے! کیا تیرا جادو اب اس حد تک پہنچ گیا ہے کہ اب تو اندھوں اور کوڑھیوں کو بھی صحیح کرنے لگا اور تم اس سے اور بھی کام کرتے ہو؟ لڑکے نے کہا: إِنِّي لَا أَشْفِي أَحَدًا إِنَّمَا يَشْفِي اللّٰهُ ”میں کسی کو شفا نہیں دیتا، شفا تو اللہ تعالیٰ دیتا ہے“۔ بادشاہ نے اسے پکڑ کر عذاب دیا یہاں تک کہ اس نے راہب کے بارے میں بادشاہ کو بتادیا۔ راہب آیا تو اس سے بھی کہا گیا کہ تو اپنے دین سے پھر جا، راہب نے انکار کر دیا پھر بادشاہ نے آرا منگوایا اور اس راہب کے سر پر رکھ کر اس کا سر چیر کر اس کے دو ٹکڑے کر دیے۔ پھر بادشاہ کے وزیر کو لایا گیا اور اس سے بھی کہا گیا کہ تو اپنے دین سے پھر جا۔ اس نے بھی انکار کر دیا۔ بادشاہ نے اس کے سر پر بھی آرا رکھا اور سر کو چیر کر اس کے دو ٹکڑے کروا دیے۔“

ہدایت پر صبر کی آزمائش

وزیر نابینا تھا، آنکھوں سے محرومی بڑی آزمائش تھی، اس سے اللہ نے اس کو نجات دی، اور ایسے انداز سے دی کہ اس کا دل روشن ہوا اور ایمان کی نعمت سے وہ سرفراز ہوا۔ مگر امتحان ختم نہیں ہوا، راہِ ہدایت پر صبر کرنے اور دعویٔ ایمان وفا کرنے کا امتحان ابھی باقی تھا، یہ آزمائش آنی تھی اور یہ آ کر رہی۔ اس کو دینِ حق چھوڑنے کا کہا گیا، اس نے انکار کیا، ایمان پر اس نے استقامت دکھائی اور ضلالت کی زندگی پر ہدایت کو ترجیح دی۔ اسے جان سے مارنے کی دھمکی دی گئی مگر وہ ڈٹا رہا، بالآخر اس کے جسم کے دو ٹکڑے کر دیے گئے اور یوں اس نے سرخرو ہو کر دارِ فانی سے دارِ ابدی کو کوچ کیا۔ یہ واقعہ بتاتا ہے کہ ایمان دل میں راسخ ہو تو بندۂ مومن کے لیے سب سے قیمتی اثاثہ اس کا دین ہوتا ہے اور یہ ایک اثاثہ اتنا قیمتی ہے کہ اس کے مقابل کسی چیز کی پھر کوئی قیمت نہیں، دیگر نعمتیں دین کی خدمت، اس کی اطاعت اور اس کے دفاع میں استعمال ہوں تو ہوں مگر…… جان و مال، بیوی بچوں، جاہ و منصب جیسی نعمتوں کا ٹکراؤ اگر دین کے ساتھ آجائے، تو ترجیح دین کو دی جائے گی اور باقی ساری دنیا اس ایک نعمت پر قربان ہو گی۔ ایک مومن کے لیے زندگی اس آزمائش کا نام ہے کہ اللہ اور رسول کی محبت واطاعت کا جو دعویٰ وہ کرتا ہے اس میں وہ کتنا سچا ہے اور یوں اپنا یہ دعویٰ وعہد وفا کرنے کے لیے ہی قدم قدم پر اُسے امتحان کے پرچے بھرنے ہوتے ہیں۔ عقل و خرد کا بھی یہی تقاضہ ہے کہ جن نعمتوں نے بہر حال ختم ہونا ہے، ان کی خاطر اُن نعمتوں کا سودا نہ کیا جائے کہ جو کبھی ختم نہ ہوں گی۔ پھر یہ بھی کس قدر ناشکری، بے وفائی اور احسان ناشناسی ہو گی کہ تحفوں کی تو قدر ہو مگر تحائف دینے والی ذاتِ عظیم اور محسنِ اعظم کی ناقدری اور ناشناسی ہو۔

دو نقطہ ہائے نظر

اس واقعہ کو دیکھنے کے دو انداز ہیں، ایک یہ کہ نوجوان نے وزیر کے ساتھ اچھا نہیں کیا، آنکھیں کیا لوٹا دیں اس کی زندگی تباہ کر دی، دولت، منصب، راحت بلکہ جینے کی سانسوں تک سے بھی اس بے چارے کو محروم کیا۔ جبکہ دوسرا طرزِ فکر یہ ہے کہ نوجوان وزیر کی ہدایت کا ذریعہ بنا، اس نے اسے اپنے رب کے ساتھ جوڑا، خیر و شر اور کامیابی و ناکامی کی صحیح پہچان اسے کرا دی اور ایسے راستے پر اسے ڈالا کہ جس پر شہادت سے سرفراز ہو کر اللہ کی رضا اور ہمیشہ کی جنتیں اس کو نصیب ہوئیں۔ حالات کو دیکھنے کے لحاظ سے یہ دو مختلف فریق ہیں، ان دونوں کے سوچنے اور عمل و سعی کے محور، چاہت و نفرت کے پیمانے، کامیابی و ناکامی کے تصور اور جینے و مرنے کے مقصد میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ پہلا فریق جس کو اپنی کامیابی سمجھتا ہے دوسرا اُس کو ناکامی و نامرادی کہتا ہے، ایک جن مقاصد کے لیے اپنا دن رات ایک کرتا ہے اور اپنی صلاحیت و وسائل صرف کرتا ہے، یہ دوسرا فریق اُن مقاصد کے راستے میں ایک قدم بڑھانا بھی اپنے لیے فضول سمجھتا ہے۔ اس فرق کی وجہ یہ ہے کہ ایک نقطۂ نظر رکھنے والا فریق دنیا کا بندہ ہے اور دوسرا گروہ اللہ کے بندوں کا ہے، ایک ضلالت و گمراہی اپنانے والوں کا طرزِ فکر ہے، اُن بد نصیبوں کا نقطہ نظر ہے جن کی آنکھوں اور قلوب پر دارِ غرور نے پردے چڑھا رکھے ہیں، جبکہ دوسرا اہلِ ہدایت اور اُن اصحابِ بصیرت کا انداز ہے جن کی نگاہیں دنیا کی اصل حقیقت پر ہیں اور جن کا مقصدِ حیات اللہ کی بندگی و رضا ہے اور یہی وجہ ہے کہ ان کے ہاں خیر و شر کے پیمانے ایک نہیں۔

خیر و شر کا معیار تنگی ہے نہ وسعت!

اول الذکر فریق، دنیا کے بندوں کے ہاں خیر و شر اور سعادت و شقاوت کا بس ایک ہی پیمانہ ہے اور وہ ہے دنیاوی نعمتوں کی وسعت و تنگی! ان کی نظر میں مصائب و مشاکل ہر لحاظ سے شر ہیں، اس سے یہ خود بھی بھاگتے ہیں اور دوسروں کو بھی اس سے ڈراتے ہیں۔ یہ خود بھی جہاد سے دور رہتے ہیں اور دوسروں کو بھی یہ ڈراتے ہیں کہ راہِ جہاد سے دور رہو، مجاہدین کے قریب مت جاؤ، ورنہ مشکلات و مصائب سے نہیں بچ پاؤ گے۔ حالانکہ سچ یہ ہے کہ خیر و شر کا معیار اس چار دن کی زندگی کی یہ تنگی و راحت نہیں ہے، اس کا معیار تو وہ مقصد اور راستہ ہوتا ہے جس میں یہ تنگیاں اور آسانیاں پیش آتی ہیں، اگر راستہ خدا کی نافرمانی کا ہے، تو پھر تنگی ہو یا وسعت، دونوں شر ہیں، دونوں تباہی ہیں اور دونوں کا انجام اللہ کی رحمت سے دوری اور بالآخر عذاب ہو گا، اور یہ ایسا شر ہے کہ جس کو کوئی بھی عقل مند کبھی قبول نہیں کرے گا۔ لیکن اگر راستہ اللہ کا ہو، رب کی رضا اور اس کی بندگی ہی اس میں مد نظر ہو تو راحت ہے یہاں کی مصیبت و تنگی بھی شر نہیں، خیر ہے ﴿فَعَسَىٰ أَنْ تَكْرَهُوا شَيْئًا وَيَجْعَلَ اللَّهُ فِيهِ خَيْرًا كَثِيرًا﴾[1] اور اللہ رب العزت کا فرمان ہے: ﴿كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَهُوَ كُرْهٌ لَكُمْ وَعَسَىٰ أَنْ تَكْرَهُوا شَيْئًا وَهُوَ خَيْرٌ لَكُمْ وَعَسَىٰ أَنْ تُحِبُّوا شَيْئًا وَهُوَ شَرٌّ لَكُمْ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ﴾[2]۔ ابتلاء نفس کو یقیناً اچھی نہیں لگتی ہے مگر سچ یہ ہے کہ شہادت کی منزل ہو یا فتح و نصرت کا انعام، یہ دونوں اعلیٰ انعامات دنیا کی طرف جھکاؤ اور راحت و عشرت کے پیچھے بھاگنے سے نہیں ملا کرتے ہیں، ابتلاءات پر جب صبر کیا جاتا ہے تو تب ہی جا کر کہیں یہ ملتے ہیں اور تب ہی جا کر بندہ اللہ کی رضا اور اس کی جنتوں کا مستحق بنتا ہے۔

خیر و شر کا یہ تصور ہے کہ جس کے سبب حبِ دنیا کے اسیر جس موت کو محض شر سمجھتے ہیں اور اس سے بچنے کے لیے صبح و شام تگ و دو کرتے ہیں اور دنیا جہاں کے وسائل جھونکتے ہیں، اہل ایمان اللہ کی محبت میں نہ صرف اسے گلے لگاتے ہیں، بلکہ اسے پانے کے لیے خود ہی اس کے پیچھے بھاگتے ہیں۔ وزیرستان میں برطانیہ سے ایک بھائی عبدالمجید آئے تھے، یہ بھائی استشہادی تھے اور بہت زیادہ اصرار کرتے تھے کہ کسی طرح ہم ان کی ترتیب بنا دیں۔ اُس وقت ترتیب نہیں تھی اس لیے ہم نے انہیں دور ایک مرکز میں ٹھہرایا تھا، وہاں سے ہر کچھ عرصہ بعد ان کا خط آتا تھا اور بار بار وہ اپنی درخواست دہراتے تھے، اس دوران ساتھیوں نے ایک کارروائی کی ترتیب بنائی، امیر محترم اور اپنے شیخ، فاروق بھائی رحمہ اللہ سے ان کے لیے اجازت حاصل کرنے کے بعد میں نے انہیں بلوایا، سخت گرمی میں دوپہر کے وقت یہ بھائی میران شاہ پہنچے، مجھے ملتے ہی بلوانے کی وجہ پوچھی، میں نے عرض کیا 'آپ کا کام تیار ہے!!' یہ سنتے ہی خوشی سے اس کی حالت غیر ہوگئی، لپک کر اس نے میرا ماتھا چوما اور اس قدر محبت و خوشی سے چوما کہ میرے ماتھے پر پسینہ کے قطروں تک کی پروانہ کی، پھر مجھ سے لپٹ گئے اور ایک بات دو تین دفعہ انھوں نے کی، کہا "واللہِ، میں آپ کا احسان نہیں بھولوں گا، آخرت میں بھی یاد رکھوں گا!" وہ شکریہ ادا کر رہا تھا، خوشی کے اظہار کے لیے الفاظ ڈھونڈ رہا تھا اور میں اس کی کیفیت و الفاظ پر سوچ رہا تھا کہ ہم اسے 'موت' پر بھیج رہے ہیں، اس کا جسم ٹکڑے کروانے اسے روانہ کر رہے ہیں، اسے اس کی دنیا، اس کی بیوی اور بچی سے 'ہمیشہ' کے لیے جدا کر رہے ہیں، مگر اس کے باوجود بھی...... ہم اس کے 'محسن' ہیں اور وہ بھیگی آنکھوں اور احسان مندانہ لہجے میں بار بار شکریہ ادا کر رہا ہے...... کیا دنیا کے پیچھے بھاگنے والے ان کیفیات کو سمجھ سکتے ہیں؟ کیا انہیں اللہ کے ساتھ اس محبت کے اسرار و رموز کا ادراک ہے؟ واللہ اگر انہیں یہ ادراک ہو گیا تو وہ دنیا کے بندے پھر نہیں رہیں گے! ان بھائی نے دو تین دنوں میں روانہ ہونا تھا مگر اس نے ایک روز میں ہی کمپیوٹر، ہارڈ ڈسکیں، گھڑی...... اپنی ساری قیمتی اشیاء مجاہدین میں بانٹ دیں، بس یہ رہا اور اس کا قرآن! خوشی اس کے چہرے پر دیدنی تھی، اس کا سفر اور ارادہ صیغۂ راز میں تھا، مگر اس کی خوشی دیکھ کر بعض بھائیوں کو اس کا اندازہ ہو گیا۔ ان کی اہلیہ لندن میں تھیں انہوں نے مجھے ان کے نام خط دیا، کہا آپ پڑھ لیں اور میری شہادت کے بعد اسے اس ای میل پر روانہ کر دیں۔ میں یہ خط پڑھنے لگا تو بمشکل اپنے آنسو روک سکا! بیوی کو ایسے انداز میں اپنی 'موت' کی خوش خبری دے رہا تھا جیسے اربوں کھربوں کا پرائز بانڈ نکل آیا ہو یا زندگی بھر کا حاصل اور مقصد ہاتھ آیا ہو، صبر و استقامت کی تلقین اور راہِ حق پر آگے بڑھنے، اللہ کے ساتھ اپنا وعدہ نبھانے کی نصیحت کر رہا ہے اور ساتھ یہ یقین بھی دلا رہا ہے کہ میں جنت کے دروازے پر تمہارا انتظار کروں گا، آنے میں دیر نہیں کرنا!!! جب اس بھائی کی شہادت میڈیا میں عام ہوئی تو برطانیہ کے ایک اخبار میں اس پر ایک رپورٹ چھپی، لکھا تھا، یہ لندن میں اچھی بھلی زندگی گزار رہا تھا، اس کے بنک اکاونٹ میں بہت بڑی رقم بھی پڑی تھی، مگر اس کے باوجود بھی اس نے یہ انتہائی قدم اٹھایا، پھر سوال اٹھایا تھا کہ کیا وجہ ہے کہ اس طرح خوش حال زندگی گزارنے والے بھی دہشت گرد بن جاتے ہیں؟ میں نے سوچا یہی وہ سوال ہے جو تمہیں دعوتِ فکر دیتا ہے اور اگر اس پر تم نے غور کیا، دل و ذہن کو آلودگیوں سے پاک کر کے اگر اس سوال کا ہی تم نے جواب ڈھونڈا تو بعید نہیں کہ تم بھی اللہ والے بن جاؤ!

---

[1] "اور اگر تم انہیں پسند نہ کرتے ہو تو یہ عین ممکن ہے کہ تم کسی چیز کو ناپسند کرتے ہو اور اللہ نے اس میں بہت کچھ بھلائی رکھ دی ہو۔" (سورۃ النساء:۱۹)

[2] "تم پر (دشمنوں سے) جنگ کرنا فرض کیا گیا ہے، اور وہ تم پر گراں ہے، اور یہ عین ممکن ہے کہ تم ایک چیز کو برا سمجھو حالانکہ وہ تمہارے حق میں بہتر ہو، اور یہ بھی ممکن ہے کہ تم ایک چیز کو پسند کرو، حالانکہ وہ تمہارے حق میں بری ہو، اور (اصل حقیقت تو) اللہ جانتا ہے، اور تم نہیں جانتے۔" (سورۃ البقرۃ:۲۱۶)

عام انسانوں کی طبیعت ہے کہ وہ مصائب و تکالیف کو زیادہ اہمیت دیتے ہیں اور ان کو بہت بھاری سمجھتے ہیں جبکہ اللہ رب العزت اپنی کتاب کے ذریعہ مومنین کی تربیت کچھ اس طرح کرتا ہے کہ اس کے راستے کی آزمائشیں انہیں بہت ہلکی محسوس ہوں اور ان کی نظریں بس دو چیزوں پر مرکوز ہوں، اپنی ذمہ داری پر یعنی اپنے حصے کی حق کی گواہی پر اور دوسرا آخرت میں ملنے والے انعامات پر۔ باقی بیچ میں، دوران سفر تنگی، قربانیاں، قید و بند، دربدری اور قتل و قتال کی تکالیف...... تو قرآن میں ان کا ذکر اس انداز میں تو ضرور ہے کہ ان پر استقامت دکھائے بغیر جنتوں کا سودا ممکن نہیں، مگر قرآن چاہتا ہے کہ مومن ان آزمائشوں کو بہت ہلکا لے، ان کی پروانہ کرے اور انہیں زیادہ اہمیت نہ دے، شاید یہی وجہ ہے کہ قرآنی واقعات میں ان کا ذکر بہت ہلکا ہے جبکہ ان کے مقابل حق کی گواہی اور اخروی انعامات کا ذکر بہت تفصیلی اور بار بار ہے، بعض جگہوں پر تو ان تکالیف کی منظر کشی سرے سے کی ہی نہیں گئی ہے، جبکہ اہل حق کی جدوجہد اور بدلے میں ملنے والے انعامات کا ذکر مفصل موجود ہے۔ مثال کے طور پر سورۃ یس میں رجل مومن کا واقعہ ہے کہ اس نے قوم کے سامنے اپنے ایمان کا اعلان کیا اور قوم نے اس کو مار مار کر شہید کر دیا۔ اس کی شہادت کی تفصیل ابن کثیر نے نقل کی ہے کہ ”کفار نے اس مومن کامل کو بری طرح مارا پیٹا اسے گرا کر اس کے پیٹ پر چڑھ بیٹھے اور پیروں سے اسے روندنے لگے یہاں تک کہ اس کی آنتیں اس کے پیچھے کے راستے سے باہر نکل آئیں“۔ آپ دیکھیے کہ اگر یہ واقعہ آپ کے سامنے ہو جائے اور آپ اسے بیان کریں گے تو آپ کیسے اس کی منظر کشی کریں گے؟ ظاہر ہے شہید پر لگنے والے اول ضرب سے اس کی سانس نکل جانے اور بعد میں اس کی میت کی کیفیت تک کا پورا منظر بیان کریں گے، مگر قرآن کا انداز دیکھیے اور غور کیجیے کہ قرآن اہل ایمان کے دلوں میں کس چیز کی عظمت و اہمیت بٹھانا چاہتا ہے اور کس چیز کو بہت عام اور انتہائی ہلکا دکھانا چاہتا ہے، اللہ رب العزت پہلے اس بندۂ مومن کی حق کی گواہی ”وَجَاءَ مِنْ أَقْصَى الْمَدِينَةِ رَجُلٌ يَسْعَى“ سے لے کر ”إِنِّي إِذًا لَفِي ضَلَالٍ مُبِينٍ“ تک بیان کرتا ہے اور ان آیات میں جس جگہ سے وہ آئے وہ جگہ، اس کے آنے کی رفتار، پھر اس کی دعوت کے الفاظ، اس کا خیر خواہانہ انداز اور انتہائی دل نشین استدلال کا تفصیلی ذکر ہے...... پھر اس کی جرأت ایمانی کی عکاسی ہے جب وہ قوم کے سامنے کھڑے ہو کر اعلان کرتا ہے کہ إِنِّي آمَنْتُ بِرَبِّكُمْ فَاسْمَعُونِ ”سن لو! میں تو تمہارے رب (اللہ) پر ایمان لا چکا“ مگر اس اعلان کے بعد اگلی آیات ہیں ﴿قِيلَ ادْخُلِ الْجَنَّةَ قَالَ يَا لَيْتَ قَوْمِي يَعْلَمُونَ ○ بِمَا غَفَرَ لِي رَبِّي وَجَعَلَنِي مِنَ الْمُكْرَمِينَ﴾ یعنی اعلانِ ایمان کے بعد اللہ رب العزت فوراً اس کے جنت میں داخلے کا ذکر کرتا ہے اور جنت میں اس کو جو عزت و اکرام ملتا ہے اس کی زبانی اس کو بیان کرتا ہے!! جبکہ بیچ کا واقعہ، جس میں یہ قتل ہوا، جس کیفیت اور جس ظلم کے ساتھ یہ قتل ہوا، اس کا ذکر ہی نہیں ہے! کیوں؟ شیخ ابو قتادہ حفظہ اللہ کے مطابق غالباً یہ اس لیے کہ اللہ کے ہاں یہ قابل التفات نہیں ہے اور اللہ چاہتا ہے کہ اس کے بندے بھی اس کو کوئی اہمیت نہ دیں، ان کی نظر بس اُن امور پر ہو جو اہم ہیں اور جو اللہ نے تفصیلی بیان کیے ہیں۔

غزوۂ احد کا پورا منظر اگر ہمارے سامنے ہو اور اس کے بعد ہم کسی کو سنائیں تو کیسے سنائیں گے؟؟ اس غزوے میں جو درد اور تکلیف ہے ظاہر ہے اس کا ذکر ہم زیادہ کریں گے۔ مگر اللہ رب العزت غزوۂ احد کا ذکر کس اسلوب میں فرماتے ہیں؟ جس زخم کو انسانی طبیعت بہت بڑا خیال کرتی ہے اور اس کے سبب غم زدہ ہو جاتی ہے، اللہ اس سے توجہ ہٹاتا ہے، فرماتا ہے 'کمزور نہ پڑو، غم زدہ مت ہو، تم ہی غالب ہو گے اگر تم مومن ہو!' ﴿وَلَا تَهِنُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَنْتُمُ الْأَعْلَوْنَ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ﴾ پھر فرماتا ہے ”اگر تمہیں زخم پہنچا ہے تو تمہارے دشمن کو بھی تو زخم پہنچا تھا، (گویا یہ کوئی بہت بڑی بات نہیں ہے) اللہ دنوں کو لوگوں میں تبدیل کرتا ہے، (یہ شہادتیں اور زخم، یہ مصائب و تکالیف اور یہ کبھی خود ٹھوکر کھانا اور کبھی دشمن کو مارنا اور گرانا، اس سب کا مقصد ہے اور وہ یہ کہ)اہل ایمان کا پتہ کرایا جائے اور شہداء کا چناؤ ہو جائے۔ ﴿إِنْ يَمْسَسْكُمْ قَرْحٌ فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ قَرْحٌ مِثْلُهُ وَتِلْكَ الْأَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ وَلِيَعْلَمَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَيَتَّخِذَ مِنْكُمْ شُهَدَاءَ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ الظَّالِمِينَ﴾ پھر فرماتے ہیں کہ ان آزمائشوں پر صبر کیے بغیر جنت میں داخل ہونا ممکن نہیں، یہ آزمائشیں آنی ہیں اور ان پر صبر کرو! ﴿أَمْ حَسِبْتُمْ أَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَعْلَمِ اللَّهُ الَّذِينَ جَاهَدُوا مِنْكُمْ وَيَعْلَمَ الصَّابِرِينَ﴾ پھر جو صحابہ شہید ہوئے آگے جا کر، جنتوں میں ان کو جو انعامات ملے ان کا تفصیل سے، بہت ہی پیارے اور دل کش انداز میں بیان ہے ﴿وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتًا بَلْ أَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُونَ ○ فَرِحِينَ بِمَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ وَيَسْتَبْشِرُونَ بِالَّذِينَ لَمْ يَلْحَقُوا بِهِمْ مِنْ خَلْفِهِمْ أَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ○ يَسْتَبْشِرُونَ بِنِعْمَةٍ مِنَ اللَّهِ وَفَضْلٍ وَأَنَّ اللَّهَ لَا يُضِيعُ أَجْرَ الْمُؤْمِنِينَ﴾ یہ انداز بتاتا ہے کہ اہل ایمان راہ حق کے انجام یعنی اخروی انعامات کے بس اپنے دل اسیر بنائیں اور اپنی ذمہ داری ادا کریں! باقی بیچ کی جن مشکلات سے گزر ہو، نہ خود ان کی پروا کریں اور نہ دوسروں کو وہ مشکل دکھائیں، کہ یہ سب مشکلات اللہ کے فضل سے آسان ہو جاتی ہیں، ان پر اجر ہے، اللہ کی قربت ہے اور جنتوں میں اعلیٰ درجات ہیں۔ ایک مجاہد تلوار سے قتل ہو، یا گولی، گولے اور میزائل سے شہید ہو، حدیث کے مطابق اس کو چیونٹی کے کاٹنے جتنی تکلیف ملتی ہے، خون کا پہلا قطرہ گرنے کے ساتھ اس کے سارے گناہ معاف کیے جاتے ہیں، جنت میں اس کا مقام اس کو دکھایا جاتا ہے، حوریں اس کے استقبال کے لیے اترتی ہیں اور اسے جنت کا لباس پہنایا جاتا ہے۔ لہٰذا ظاہری طور پر اگرچہ ہمیں اس کا جسم ٹکڑوں میں بٹا، خون میں لت پت اور مٹی میں اٹا نظر آتا ہے مگر حقیقت میں وہ کامیاب و فرحان ہوتا ہے اور بہشت کی اُن نعمتوں سے مستفید ہو رہا ہوتا ہے جو نہ کسی آنکھ نے دیکھی ہیں، نہ کان نے سنی ہیں اور نہ ان کا کوئی تصور کر سکتا ہے۔

ہم نے دیکھا ہے بعض اوقات اللہ رب العزت شہید کا یہ اکرام اس کے جسد سے اٹھنے والے خوشبو کی صورت میں لوگوں کو دکھاتا بھی ہے، اور ایسا ہونا شہید کی کرامت تو ہوتی ہی ہے مگر

حقیقت میں زندوں کے لیے اس میں اطمینان اور تحریض ہوتی ہے کہ ان کا ایمان قوی ہو، وہ اللہ کی بندگی پر ڈٹے رہیں اور اپنے سروں کا جو سودا انہوں نے کیا ہے اُسے وہ وفا کریں۔

عار گناہ پر، مجبوری پر نہیں!

اس واقعے میں وزیر نے تشدد کے سبب بادشاہ کو نوجوان کا پتہ بھی دے دیا اور نوجوان نے بھی تعذیب کے تحت راہب کا راز کھول دیا۔ اس پر گزشتہ اقساط میں بات ہوئی تھی کہ مجبوری اور تعذیب کے تحت اگر غلط، گناہ اور کفریہ بات تک بھی کہلوائی جائے اور دل وہ بات کرنے پر راضی نہ ہو، تو اس پر ان شاءاللہ پکڑ نہیں ہے، حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ کا واقعہ مشہور ہے کہ مشرکین نے سخت تعذیب کے ذریعہ ان سے ایسی باتیں کہلوائی تھیں اور اس کے باعث وہ تشویش میں مبتلا تھے، آپ ﷺ سے دریافت کیا تو ان کے اطمینان کے لیے قرآن کی آیات نازل ہوئیں اور یہ اصول بیان ہوا کہ سخت مجبوری اور اکراہ کی حالت میں ایسی کوئی بات اگر زبان سے کہنی پڑے مگر دل ایمان پر مطمئن ہو تو اس پر پکڑ نہیں ہے، زیر نظر واقعہ سے مزید ایک نکتہ یہ بھی نکلتا ہے کہ اگر کسی سے تعذیب کے تحت جہادی راز افشا ہو جائیں یا کوئی اور ایسی بات ہو جائے، تو اس پر نہ اس کو عار دلانا چاہیے اور نہ ہی اس سے شکوہ کرنا چاہیے۔ اسی طرح اگر کوئی خود ایسی آزمائش سے گزرے اور بہ وجہ تعذیب اس سے کچھ ایسی باتیں افشا ہوں تو شیطان کی کوشش ہوتی ہے کہ بندے کو اس پر ملامت کرے اور اتنی عار دلائے کہ وہ مایوس ہو کر گناہوں کے راستے پر خود قدم رکھے۔ استخبارات والے بھی بلیک میلنگ کے لیے ایسے حربے استعمال کرتے ہیں، لہٰذا شیاطین کے ان حربوں کو سمجھنا چاہیے اور کبھی بھی اس جال میں پھنسنا نہیں چاہیے، اصل عیب کی بات یہ ہے کہ انسان خود سے گناہ کرے، جہاد و مجاہدین اور اسلام و مسلمین کے خلاف کسی جرم میں شریک ہو جائے، یہ عیب ہے، اس سے بچنا چاہیے، لیکن اگر ایسا کوئی گناہ قصداً نہیں کیا ہے تو پھر عار کیوں ہو؟ اور اگر خدانخواستہ اس لحاظ سے کوئی گناہ قصداً ہوا بھی ہے تو توبہ کا دروازہ کھلا ہے، گناہوں پر گناہ کرنے اور جہنم کی ایندھن بننے سے بدرجہا بہتر ہے، بلکہ اس کا اس سے کوئی تقابل نہیں کہ انسان توبہ کرے، جو نقصان اس کے سبب ہو سکتا ہے جہادی مسؤلین کے سامنے اعتراف کر کے اس نقصان کا راستہ روکے اور عہد کرے کہ آئندہ ایسا کوئی فعل نہیں کروں گا۔ ایسا اگر کیا تو اللہ نہ صرف معاف فرمائیں گے، بلکہ دنیا و آخرت دونوں میں اس کو عزت دیں گے اور اپنے محبوبین میں اسے شامل کریں گے۔ اللہ راہ حق پر، ایمان و ہدایت پر ہمیں استقامت دے اور اپنی رہنمائی اور نصرت سے کبھی محروم نہ کرے، آمین ثم آمین!

وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين

(جاری ہے، ان شاءاللہ)

☆☆☆☆☆

بقیہ: جن کو بنانا تھا بتول!

حدیث پاک میں جو کشتی کی مثال دی گئی ہے کہ کشتی میں سوراخ کر کے پانی حاصل کرنے والوں کو نہ روکنے والے بھی ڈوبتی کشتی کے ساتھ ساتھ ڈوبے۔ ایسے ہی ہم اور آپ جو سمجھتے ہیں کہ ہم اور ہمارے بچے تو درست راہ پر ہیں، باقی معاشرے کا سدھار ہمارے ذمے نہیں، وہ بھی اس آگ سے اپنا دامن بچا نہیں پائیں گے۔ زینب انصاری اور اس جیسی دیگر کئی بچیاں شریف دیندار گھرانوں کی کم سن نوخیز کلیاں تھیں، کیا معاشرے میں پھیلنے والی بے راہ روی کی آگ نے انھیں اور ان کے خاندانوں کو لپیٹ میں نہیں لیا، اور وہ ننھی بچی کا ئنات جسے کسی شقی القلب نے اپنی سفاکی کا نشانہ بنایا اور اپنے طور پر قتل کر کے کوڑے کے ڈھیر پر پھینک دیا، وہ معصوم بچی جس کی سانسیں باقی تھیں آج ایک زندہ لاش کی صورت موجود ہے، نہ بول سکتی ہے، نہ حرکت کر سکتی ہے، بس سانسیں ہیں جو اس کا ناتا اس دنیا سے جوڑے ہوئے ہیں۔ اپنے آپ کو، اپنی اولاد کو، اپنے خاندانوں کو اور اپنی امت کو بے راہ روی، فحاشی، عریانی اور مادر پدر آزادی کے طوفان سے بچانے کے لیے ہم سب کو ہی محنت کرنی ہے، ہاتھ سے زبان سے ہم سب کو اپنی اپنی صلاحیتیں استعمال کرنی ہیں۔ انسان سوچتا ہے کہ اس موضوع پر اتنا اتنا کچھ لکھا اور بولا جا رہا ہوتا ہے پھر ایسے گھناؤنے واقعات میں کب کمی آجاتی ہے، کہاں کسی کو ان مضامین سے ہدایت ملتی ہے؛ ہدایت دینے والی ذات اللہ پاک کی ہے، میرے اور آپ کے ذمے اللہ نے کوشش رکھی ہے، پس ہم کوشش کریں اور اس درد کے ساتھ کریں گویا ہمارا اپنا گھر اس آگ کی لپیٹ میں ہے، تو ان شاءاللہ یہ کوششیں رنگ لائیں گی اور عند اللہ ہم اللہ کے حضور کھڑے ہونے اور معذرت پیش کرنے کے قابل بھی ہو سکیں گے۔

☆☆☆☆☆

بقیہ: اِک نظر ادھر بھی

مقامی جمہوری حکومتیں اس خطرے سے نمٹنے کے قابل نہیں تھیں۔ مالی اور برکینا فاسو میں فوجی قیادت نے اقتدار چھین لیا ہے اور انہیں وسیع عوامی حمایت بھی حاصل ہے۔ دوسرے لفظوں میں غیر ملکی افواج ذلیل ہو کر واپس لوٹ رہی ہیں۔

☆☆☆☆☆

تیسری قسط

ہِندُتوا کیا ہے؟

हिंदुत्व HINDUTVA

تحریر: نعمان حجازی

ہندُتوا نظریہ رکھنے والی تنظیمیں

اکھِل بھارتیاہندومہاسبھا (All-India Hindu Grand-Assembly)

ہندومہاسبھابرصغیر میں پہلی ہندو قوم پرست تنظیم ہے۔ہندُتوا نظریے کے بانی 'ویناٸک دامودر ساورکر' کا تعلق اسی تنظیم سے تھااور وہ اس تنظیم کا سربراہ بھی رہا۔

اس تنظیم کے قیام کے محرکات میں ۱۹۰۵ء میں تقسیم بنگال، ۱۹۰۶ء میں مسلم لیگ کا قیام اور ۱۹۰۹ء میں برطانوی راج کی طرف سے 'مورلے منٹو اصلاحات' (Morley-Minto Reforms) جن کے تحت مسلمانوں کو اسمبلی میں مخصوص نشستیں دے دی گئی تھیں، شامل ہیں۔

ان سب واقعات نے ہندو قوم پرستوں میں بے چینی پیدا کر دی۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ۱۹۰۷ء میں جب کانگرس کے صدارتی انتخابات ہوئے تو اس میں شدید اختلاف پیدا ہو گیا اور کانگرس 'متشدد' اور 'معتدل' کے دو دھڑوں میں تقسیم ہو گئی۔ معتدل طبقے کی قیادت 'گوپال کرشن گوکھیل' (Gopal Krishna Gokhale) کر رہا تھا جبکہ متشدد طبقے کی قیادت بال گنگادھر تِلک (Bal Gangadhar Tilak) کر رہا تھا اور تِلک کے ساتھ اُس وقت پنجاب سے لالہ لاجپت رائے اور بنگال سے بپن چندر پال (Bipin Chandar Pal) کھڑے تھے۔

۱۹۰۹ء میں کانگرس کے اسی متشدد طبقے سے تعلق رکھنے والے رہنما لالہ لاجپت رائے اور آریا سماج[1] سے تعلق رکھنے والے رہنماؤں، لال چند اور شادی لال، نے پنجاب ہندو سبھا قائم کی۔ جس کا مقصد ہندوؤں کے مفادات کا تحفظ رکھا گیا۔ مدن موہن مالاویہ نے اکتوبر ۱۹۰۹ء میں لاہور میں اس کے پہلے اجلاس کی صدارت کی۔ آنے والے برسوں میں پنجاب کی طرح کی مزید ہندو سبھائیں دیگر صوبوں میں بھی قائم کی گئیں۔

اپریل ۱۹۱۵ء میں ہری دوار میں کُمبھ کے میلے کے دوران پورے ہندوستان کی سطح پر ہندو سبھا قائم کی گئی جس کا نام 'سرؤدیشک ہندو سبھا' (Sarvadeshak Hindu Sabha) رکھا گیا۔ اس اجلاس میں گاندھی اور آریا سماج کا دوسرا سربراہ منشی رام (سوامی شردھانند) بھی موجود تھے اور انہوں نے سرؤدیشک ہندو سبھا کے قیام کی مکمل حمایت کی۔ اجلاس کی صدارت 'مِنندر چندر نندی' (Manindra Chandra Nandy) کر رہا تھا، اور اس نے اعلان کیا کہ سبھا برطانوی راج سے وفادار رہے گی۔

بال گنگا دھر تِلک کی زندگی تک ہندو قوم پرست کانگرس کے ساتھ ہی جڑے رہے اور ہندو مہاسبھا کی حیثیت کانگرس کے ایک ذیلی گروہ کی ہی رہی۔ لیکن ۱۹۲۰ء میں تِلک کے مرنے کے بعد قوم پرستوں اور سیکولر طبقے کے درمیان خلیج میں اضافہ ہو گیا اور اپریل ۱۹۲۱ء میں مہاسبھا کانگرس سے مکمل طور پر علیحدہ ہو گئی اور ایک آزاد تنظیم کی حیثیت اختیار کر گئی۔ اپنے چھٹے اجلاس کے دوران اس تنظیم نے اپنا نام بدل کر اکھِل بھارتیا ہندو مہاسبھا (Akhil Bhartiya Hindu Mahasabha) رکھ لیا۔ اس اجلاس میں تنظیم کے آئین میں تبدیلی کی گئی اور اس میں برطانوی راج سے وفاداری کا جملہ ختم کر دیا گیا اور اس کی جگہ 'ایک متحد اور خودمختار ہندو قوم' سے وفاداری کو شامل کیا گیا۔

اگرچہ ہندو مہاسبھا پہلی ہندو قوم پرستانہ جماعت تھی اور ہندُتوا کا نظریہ بھی اسی نے کھڑا کیا اور ابتدا میں یہ ہندوؤں میں خاصی مقبول بھی ہوئی۔ لیکن بہت جلد اس نے ہندوؤں میں چاہے وہ قوم پرست ہوں یا سیکولر اپنی اہمیت کھو دی اور اس کا حلقہ اثر ۱۹۲۰ء کی دہائی سے ہی بہت محدود ہو کر رہ گیا۔ اس کے پیچھے درج ذیل محرکات کارفرما رہے ہیں۔

[1] آریا سماج ایک ہندو مذہبی تحریک ہے جو ہندو ویدوں پر مبنی اقدار و اعمال کو ترویج دیتی ہے۔ اس تحریک کا بانی دیانند سَرَسوَتی تھا۔ اس تحریک کے نزدیک خدا صرف ایک ہے جو کائنات کا مالک اور پیدا کرنے والا ہے اور ویدوں کے مطابق اس کا نام 'اوم' ہے۔ ہندو روایات کے برخلاف یہ تحریک مورتیوں کی پوجا کرنے کی حوصلہ شکنی کرتی ہے اور ہندوؤں کی مقدس کتابیں پڑھنے کی اجازت عورتوں کو اور برہمن کے علاوہ دیگر ذاتوں کو بھی دیتی ہے۔ آریا سماج نہ گائے کو مقدس تصور کرتی ہے، نہ رامائن، مہابھارت کو مذہبی کتابیں تصور کرتی ہے اور نہ ہی ان میں ذکر کیے گئے دیوی دیوتاؤں کو مانتی ہے۔ ان کے نزیک دنیا میں الہامی کتابیں صرف وید ہیں اور ان کے علاوہ کوئی اور کتاب الہامی نہیں بشمول قرآن کریم اور بائبل کے۔ ان مذہبی اصلاحات کے علاوہ اس تحریک کا سب سے بڑا مقصد اسلام یا عیسائیت قبول کرنے والوں کو واپس ہندو بنانا اور ہندوؤں کے مسلمان یا عیسائی بننے کے رجحان کے آگے بند باندھنا بھی ہے۔

آر ایس ایس کا قیام

آر ایس ایس کا قیام ہندو مہاسبھا کے رہنماؤں کی خواہش سے ہی ہوا تھا۔ اس لیے ابتداء میں آر ایس ایس کا تاثر یہی بنا کہ یہ مہاسبھا کا ہی 'یوتھ ونگ' ہے۔ لیکن آر ایس ایس نے جلد ہی اپنی آزاد حیثیت قائم کر لی اور بہت جلد ہندو قوم پرستوں میں مہاسبھا کی جگہ لے لی۔

تحریکِ آزادی کی مخالفت

۱۹۲۱ء میں اگرچہ مہاسبھا نے اپنے آئین سے برطانوی راج سے وفاداری کا جملہ ختم کر دیا تھا لیکن عملی طور پر اس تنظیم نے کبھی برطانوی راج سے آزادی کی تحریک کی نہ حمایت کی اور نہ ہی اس میں کبھی شرکت کی۔ اسی طرح گاندھی کی قیادت میں کانگرس نے بہت سی سِول نافرمانی کی تحریکات (ستیاگراہ) شروع کیں، لیکن مہاسبھا نے ان سے بھی ہمیشہ خود کو دور ہی رکھا۔[1]

ہندو مہاسبھا کا ایک اور متنازع عمل ۱۹۳۹ء میں حکومت سازی کے لیے کانگرس کے مقابلے میں مسلم لیگ کے ساتھ اتحاد تھا۔ یہ جماعت سندھ، سرحد اور بنگال میں مسلمانوں کے ساتھ اتحادی حکومت میں شامل رہی۔ مارچ ۱۹۴۳ء میں سندھ حکومت ہندوستان کی وہ پہلی صوبائی اسمبلی بن گئی جس نے پاکستان کے قیام کی قرارداد منظور کی۔ اس حکومت میں ہندو مہاسبھا کے ارکان وزراء کے عہدوں پر تھے لیکن انہوں نے اپنی وزارتیں چھوڑنے کی بجائے صرف احتجاج ریکارڈ کروانے پر اکتفا کیا۔

کانگرس نے جب 'ہندوستان چھوڑو تحریک' (Quit India Movement) شروع کی تو ہندو مہاسبھا نے کھل کر اس کی مخالفت کی۔ بلکہ اس کا سربراہ 'ساورکر' اس حد تک گیا کہ اس نے مہاسبھا کے ارکان کو پورے ہندوستان میں خط لکھا اور کہا کہ '(سرکاری عہدوں پر) اپنی ذمہ داریوں پر جمے رہو'۔ اس سے بھی آگے بڑھتے ہوئے بنگال میں ہندو مہاسبھا کے رہنما سیام پرساد مکھرجی جو اس وقت بنگال حکومت میں اتحادی تھا اس نے برطانوی حکومت کو خط لکھا اور اپنی تنظیم اور بنگال حکومت کی وفاداری کا یقین دلایا اور کہا کہ بنگال حکومت ہر طریقہ بروئے کار لائے گی تاکہ اس تحریک کو ناکام بنایا جا سکے، اس کے ساتھ ساتھ برطانوی حکومت کو اس تحریک کو ناکام بنانے کے لیے مشورے بھی دیے۔

قدامت پسند برہمنیت

ایک اور چیز جس نے اس کی مقبولیت کو متاثر کیا وہ یہ تھی کہ اس میں ہمیشہ اعلیٰ ذات کے برہمن غالب رہے ہیں اور یہ ہندوؤں میں ذات پات کے نظام کی مکمل حمایت کرتی ہے، اور نچلی ذات کے لوگوں کو مخصوص نشستیں دینیں اور انہیں مراعات دینے کی سخت مخالفت کرتی ہے۔ مہاسبھا ہندوستان کو 'ہندو راشٹر' تصور کرتی ہے اور 'مانوسِمرتی' (جسے مانو دھرم شاستر بھی کہتے ہیں) کو ہندوستان کا قانون بنانے کا مطالبہ کرتی ہے۔ اور اس قانون میں بھی ہندوؤں کی ذاتوں کے اعتبار سے ان کے لیے حقوق و فرائض متعین کیے گئے ہیں۔ ان نظریات کی وجہ سے مہاسبھا کا دائرہ کار اعلیٰ ذات کے ہندوؤں تک محدود ہو کر رہ گیا۔

گاندھی کا قتل

گاندھی کے قتل نے بھی مہاسبھا کی ساکھ کو شدید متاثر کیا۔ ناتھورام گوڈسے اور اس کے ساتھ شریک تمام افراد، دگمبر، گوپال گوڈسے، نارائن آپٹے، وشنو کرکرے اور مدن لال پاہوا، ہندو مہاسبھا کے رکن تھے۔ مہاسبھا کے سربراہ ساورکر پر اس قتل کا منصوبہ ساز ہونے کا الزام تھا، اگرچہ ساورکر کی شمولیت کے بہت سے شواہد موجود تھے لیکن تکنیکی بنیادوں پر اسے اس الزام سے بری کر دیا گیا۔ گاندھی کے قتل نے مہاسبھا کے اثر و رسوخ کو پہلے سے بھی کہیں زیادہ محدود کر کے رکھ دیا۔ پورے ملک میں مہاسبھا اور اس کے رہنماؤں کے خلاف غم و غصہ پایا جاتا تھا۔ مہاسبھا کا اہم رکن اور بنگال میں اس کا سربراہ سیام پرساد مکھرجی علیحدہ ہو گیا اور آر ایس ایس سے تعلقات قائم کر کے بھارتیا جن سنگھ بنائی جو کہ بعد میں بھارتیا جنتا پارٹی بن گئی۔

اسلام دشمنی

ہندو مہاسبھا آج بھی موجود ہے لیکن اس کی موجودگی زیادہ تر صرف مہاراشٹر ریاست میں ہی ہے اور باقی ریاستوں میں اس کی موجودگی نہ ہونے کے برابر ہے۔ لیکن اسلام دشمنی میں یہ آج بھی باقی قوم پرستوں کے شانہ بشانہ ہی چل رہی ہے۔ اس حوالے سے چند مثالیں درج ذیل ہیں:

- ایودھیا میں بابری مسجد کو رام مندر بنانے کی تحریک کا علَم بالاصل مہاسبھا نے ہی ۱۹۴۶ء میں اٹھایا تھا۔ پھر مہاسبھا کے غنڈوں نے ۱۹۴۹ء میں مسجد کے اندر بت رکھ دیے جس کے بعد مسجد کو متنازع قرار دے کر مستقل طور پر بند کر دیا گیا تھا۔
- ۲۰۱۴ء میں بھارتیا جنتا پارٹی کے اقتدار میں آنے کے بعد ہندو مہاسبھا نے گاندھی کے قاتل ناتھورام گوڈسے کے کردار کو دوبارہ زندہ کرنے اور اسے ایک محبِ وطن ہیرو کے طور پر پیش کرنے کی مہم شروع کی۔ مہاسبھا نے وزیر اعظم نریندر مودی سے درخواست کی کہ ناتھورام گوڈسے کا مجسمہ نصب کیا جائے۔ ۳۰ جنوری ۲۰۱۵ء کو گوڈسے کی برسی کے موقع پر مہاسبھا نے ایک دستاویزی فلم 'دیش بھگت ناتھورام گوڈسے' جاری کی۔

---

[1] ہندو مہاسبھا سے ایسے رہنما ضرور منسلک رہے ہیں جن کا تحریک آزادی سے تعلق رہا۔ لالہ لاجپت رائے ان میں سے ایک ہے۔ کانگرس سے تعلق ہونے کی وجہ سے اس کا شمار بھی تحریکِ آزادی کے رہنماؤں میں ہوتا ہے۔ اسی طرح ۱۹۲۸ء میں مہاسبھا کا سربراہ بننے والے مونجے کا تعلق بھی آزادی کی تحریک سے رہا اور ساورکر بھی اپنی جوانی میں برطانیہ مخالف انقلابی سرگرمیوں میں ملوث رہا۔ لیکن سربراہ بننے کے بعد مونجے سے بھی برطانیہ مخالف کوئی اقدام ثابت نہیں ہوتا اور ساورکر تو اپنی قید میں ہی برطانیہ مخالفت سے تائب ہو گیا تھا اور اس نے تحریری طور پر برطانوی حکومت سے وفاداری کا عہد کیا اور پھر اس عہد کو آزادی تک نبھاتا بھی رہا۔ خلاصہ یہ کہ ہندو مہاسبھا نے بحیثیت تنظیم کبھی برطانیہ مخالف سرگرمیوں میں یا تحریکِ آزادی کی حمایت میں کوئی کام نہیں کیا بلکہ عملی طور پر اس کے متضاد کام ہی نظر آتے ہیں۔

گوڈسے کا بت بنا کر اس کا ایک مندر بنانے کی کوششیں بھی چل رہی ہیں اور یہ مطالبہ بھی کیا جا رہا ہے کہ ۳۰ جنوری کو 'شوری دیواس' (بہادری کا دن) کے طور پر سرکاری طور پر منایا جائے۔ گاندھی کی یہ مخالفت اور اس کے قاتل کو ہیرو بنا کر پیش کرنے کی واحد وجہ یہی تھی کہ گاندھی نے مسلمانوں کے ساتھ نرم رویہ کیوں رکھا اور تقسیم پر راضی کیوں ہوا۔

- ۲۰۱۵ء میں ہندو مہاسبھا کی نائب صدر 'سادھوی دیوٗ ٹھاکر' نے ایک متنازع بیان جاری کیا اور حکومت سے مسلمانوں اور عیسائیوں کی بانجھ کاری مہم کا مطالبہ کیا۔ اس نے کہا:

  ”مسلمانوں اور عیسائیوں کی آبادی روز بروز بڑھتی چلی جا رہی ہے۔ اس کی روک تھام کے لیے مرکز کو ایمرجنسی نافذ کرنی چاہیے، اور مسلمانوں اور عیسائیوں کو زبردستی بانجھ بنانے کی مہم شروع کی جانی چاہیے تاکہ یہ اپنی تعداد میں اضافہ نہ کر سکیں۔“[1]

راشٹریہ سوائم سیوک سَنگھ (National Volunteer Organisation)

راشٹریہ سوائم سیوک سنگھ (آر ایس ایس) ہندو رضاکاروں پر مشتمل ہندوستان کی سب سے بڑی تنظیم ہے اور اپنے کارکنوں کی تعداد کے اعتبار سے یہ دنیا کی سب سے بڑی غیر سرکاری تنظیم ہے۔ اس وقت پورے ہندوستان میں بلکہ اگر یہ کہا جائے تو مبالغہ نہیں ہوگا کہ پوری دنیا میں ہندو قوم پرستی، ہندُتوا اور ہندو راشٹر جیسے نعروں کا علَم اسی تنظیم نے اٹھا رکھا ہے اور پورے ہندوستان میں مسلمانوں اور عیسائیوں کے خلاف 'بھگوا دہشت گردی' (Saffron terrorism) اور ہجوم زنی (mob lynching) اسی تنظیم سے منسلک غنڈے کرتے ہیں۔

آر ایس ایس کو ریاست مہاراشٹر کے شہر ناگپور سے تعلق رکھنے والے ڈاکٹر کیشاؤ بالی رام ہیڈگوار نے قائم کیا۔ ہندو مہاسبھا کے رہنما 'بالاکرشن شِوّرام مونجے' (Balakrishna Shivram Moonje) ہیڈگوار کا سیاسی گرو تھا۔ مونجے نے ہیڈگوار کو کلکتہ میڈیکل کی تعلیم حاصل کرنے اور وہاں بنگالیوں کی خفیہ انقلابی تنظیموں سے لڑائی کے گُر سیکھنے کے لیے بھیجا۔ وہاں ہیڈگوار ایک برطانیہ مخالف انقلابی گروہ 'انوشِلن سَمِتی'[2] (Anushilan Samiti) کا رکن بن گیا۔ ان تنظیموں کے خفیہ طریقہ کار کو ہیڈگوار نے بعد میں آر ایس ایس کو منظم کرنے کے لیے استعمال کیا۔

ہیڈگوار 'بال گنگادھر تلک' (Bal Gangadhar Tilak) کے نظریات سے متاثر تھا اور وہ ۱۹۱۸ء میں تلک کی سوراج مہم (Home Rule Campaign) میں متحرک بھی رہا۔ ۱۹۲۳ء میں جب ساورکر کی 'ہندُتوا' پر کتاب نشر ہوئی تو اسے پڑھ کر بھی ہیڈگوار بہت متاثر ہوا۔ ۱۹۲۵ء میں وہ رتناگری جیل میں ساورکر سے ملنے بھی گیا۔ ساورکر سے ملنے اور اس کے نظریات پڑھنے کے بعد ہیڈگوار انقلابی سرگرمیوں سے دور ہو گیا۔ 'بال گنگادھر تلک' اور 'ویناٰئک دامودر ساورکر' کی تحریرات سے اثر لینے کے نتیجے میں ہیڈگوار قائل ہو گیا کہ ہندوؤں کا ثقافتی اور مذہبی ورثہ ہندوستانی قومیت کی بنیاد ہونا چاہیے۔

ہیڈگوار نے آر ایس ایس کی بنیاد ۱۹۲۵ء میں دسہرا کے تہوار کے موقع پر رکھی۔ اس موقع پر اس کے ساتھ اس کا سیاسی گرو اور ہندو مہاسبھا کا رہنما 'مونجے'، ساورکر کا بڑا بھائی گنیش ساورکر، آر ایس ایس میں ہیڈگوار کا نائب بننے والا 'لکشمن وامن پرنج پے' بھی موجود تھے۔

'مونجے' ۱۹۲۷ء سے ۱۹۳۷ء تک مہاسبھا کا سربراہ رہا لیکن ۱۹۲۵ء میں آر ایس ایس کے قیام کے بعد سے لے کر اپنی موت تک وہ اس کا سرپرست اور معاون رہا۔ اس نے اور گنیش ساورکر نے مل کر آر ایس ایس کی شاخوں کو مہاراشٹر، پنجاب، دہلی اور راجواڑوں (شاہی ریاستیں یا پرنسلی اسٹیٹس) میں مقامی رابطوں کی مدد سے پھیلایا۔ ساورکر نے بھی بعد میں اپنی نوجوانوں کی تنظیم 'ترُن ہندو سبھا' (Tarun Hindu Sabha) کو آر ایس ایس میں ضم کر دیا۔ ان وجوہات کی بنا پر برطانوی حکومت آر ایس ایس کو ہندو مہاسبھا کی ہی ایک ذیلی رضاکار تنظیم تصور کرتی تھی۔

ہیڈگوار کو یہ تصور پسند نہیں تھا اسی لیے اس نے ۱۹۳۹ء میں اگلے سر سنگھ چالک کے لیے گولوالکر کا انتخاب کیا کیونکہ ہیڈگوار کی نظر میں گولوالکر یہ صلاحیت رکھتا تھا کہ وہ اس تنظیم کے بارے میں ایسا تاثر ختم کر سکے۔

ہیڈگوار نے اس تنظیم کے نام میں 'راشٹریہ' (National) کا لفظ استعمال کیا حالانکہ یہ خالصتاً ہندو تحریک ہے۔ اس کے پیچھے مقصد یہی تھا کہ اس بات کا کھل کر اعلان کیا جائے کہ صرف ہندو ہی ہندوستان کی قوم کہلانے کا حق رکھتے ہیں اس لیے جب بھی 'راشٹریہ' کا لفظ آئے اس سے مراد ہندو قوم ہی ہو۔

---

[1] "Muslims, Christians should be forcibly sterilised, says Hindu Mahasabha leader" (12 April, 2015). Deccan Chronicle.

[2] انوشلن سمتی بنگال میں ۱۹۰۲ء میں قائم ہوئی جو برطانوی راج سے آزادی عسکری اور انقلابی سرگرمیوں سے حاصل کرنا چاہتی تھی۔ اس تنظیم کی دو شاخیں تھیں۔ ڈھاکہ کی شاخ انوشلن سمتی کے نام سے ہی جانی جاتی تھی جبکہ کلکتہ کی شاخ کو جگنتر (jugantar) کہتے تھے۔ مشہور کانگرسی ہندو قوم پرست رہنما سبھاش چندر بوس (Subhas Chandra Bose) اس کی سرپرستی کر رہا تھا جبکہ ایک اور مشہور ہندو قوم پرست کانگرسی رہنما 'اوروبندو گھوش' (Aurobindo Ghosh) اور اس کا بھائی بریندر گھوش (Barindra Ghosh) اس تنظیم کے مرکزی رہنما تھے۔ یہ تنظیم برطانوی راج کے خلاف بہت سے بم حملوں اور پہلی اور دوسری جنگ عظیم کے دوران برطانوی ہندی فوج میں غدر کی کوششوں میں ملوث رہی جو کہ سب ناکام رہیں۔ ۱۹۲۰ء کے بعد اس تنظیم نے ہندوستان ریپبلک پارٹی کی شکل اختیار کر لی جس کے تحت ۱۹۲۵ء میں کاکوری میں رام پرشاد بسمل، چندر شیکھر آزاد، اشفاق اللہ خان اور دیگر انقلابیوں نے ٹرین لوٹنے کی مشہور کارروائی کی تھی جو برطانوی راج کے خزانے کی رقم لے کر جا رہی تھی۔

ہیڈ گوار نے آر ایس ایس کے لیے انقلابی ذہن رکھنے والے ہندو نوجوانوں کو بھرتی کیا۔ ان کا لباس برطانوی پولیس سے مشابہہ وردی (کالی بیگار ٹوپی، خاکی شرٹ اور خاکی نیکر) بنایا اور انہیں نیم فوجی تربیت دینی شروع کی جس میں لاٹھی، تلوار، برچھی اور خنجر چلانا شامل تھا۔ ہیڈ گوار ہفتہ وار نظریاتی تربیت کا اہتمام بھی کرتا تھا جس میں ہندوؤں کی تاریخ اور کرداروں خاص طور پر مراٹھا سلطنت کے مشہور چترپتی شیواجی کے حوالے سے آگاہی دی جاتی تھی۔ مراٹھا سلطنت ہی کے جھنڈے 'بھگوا دھواج' (زعفرانی جھنڈا) کو ہیڈ گوار نے آر ایس ایس کی علامت اور جھنڈا بنایا۔

آر ایس ایس کے قیام کے دو سال بعد ۱۹۲۷ء میں ہیڈ گوار نے 'افسران' کے تربیتی کیمپ کا اہتمام کیا جس کا مقصد کلیدی کارکنوں کا ایک گروہ کھڑا کرنا تھا جسے اس نے پرچارک (مبلغ) کا نام دیا۔ ان ابتدائی پرچارکوں کا کام زیادہ سے زیادہ شاخیں قائم کرنا تھا۔ ہیڈ گوار رضاکاروں سے مطالبہ کرتا تھا کہ پہلے وہ سادھو بنیں اور اپنی گھریلو اور پیشہ وارانہ زندگی چھوڑ کر اپنی زندگی تنظیم کے کاموں کے لیے وقف کر دیں۔

۱۹۲۷ء میں ہی جب آر ایس ایس کے سوائم سیوکوں کی تعداد ۱۰۰ تک پہنچ گئی تو ہیڈ گوار نے اسے اپنے اصلی مقصد کی طرف پہلی بار آگے بڑھایا یعنی مسلم دشمنی۔ اس نے ہندوؤں کا ایک مذہبی جلوس نکالا جس میں ڈھول باجے بجائے جا رہے تھے۔ عمومی رواج یہی تھا کہ مسجد کے سامنے سے موسیقی بجاتے ہوئے گزرنا منع تھا۔ ہیڈ گوار نے مسلمانوں کو اشتعال دلانے کے لیے مسجد کے سامنے سے ڈھول بجاتے ہوئے یہ جلوس نکالا۔ یہ مسجد ناگپور کے محل کے علاقے میں تھی۔ مسلمانوں نے جلوس کا راستہ روکا تو وہاں لڑائی شروع ہو گئی۔ یہ لڑائی تین دن تک جاری رہی جسے روکنے کے لیے حکومت کو فوج بلوانی پڑی۔ لیکن آر ایس ایس کے غنڈوں کے شر کی وجہ سے اس علاقے کے مسلمانوں کو اپنے تحفظ کے لیے ناگپور چھوڑ کر جانا پڑا۔ اس کارروائی کی وجہ سے آر ایس ایس کے سیوکوں کے حوصلے بھی بہت بلند ہوئے اور اسے ہندوؤں میں بہت مقبولیت بھی حاصل ہوئی جس نے تنظیم کے پھیلاؤ میں مدد دی۔

برطانوی راج کی مخالفت سے اور تحریکِ آزادی کی حمایت سے اجتناب

آر ایس ایس کے قیام کے بعد ہیڈ گوار نے اس تنظیم کو تمام ایسی سیاسی تنظیموں اور سرگرمیوں سے دور رکھا جو برطانوی راج کے خلاف ہوں۔ ہیڈ گوار نے آر ایس ایس کو ایک سماجی تحریک کے طور پر متعارف کروایا۔ اور اس نے ہمیشہ اسے ہندوستان کی آزادی کی تحریک سے فاصلے پر ہی رکھا۔ ہیڈ گوار اپنی تقاریر میں صرف ہندوؤں کو منظم کرنے کی بات کرتا تھا اور حکومت کے حوالے سے کسی بھی قسم کا تبصرہ کرنے سے اجتناب کرتا تھا۔

کانگرس کی طرف سے منعقد کی گئی ستیاگراہ (عدم تشدد پر مبنی سول نافرمانی کی تحریک) میں ہیڈ گوار نے انفرادی طور پر شرکت کی لیکن آر ایس ایس کو رسمی طور پر اس میں یا آزادی کی تحریک کے کسی بھی کام میں شریک نہیں ہونے دیا۔ اس نے سب طرف یہ پیغام بھیجا کہ آر ایس ایس ستیاگراہ میں شرکت نہیں کرے گی لیکن جو بھی انفرادی سطح پر شرکت کرنا چاہے اسے منع نہیں کیا جائے گا۔

۱۹۴۰ء میں 'گولوالکر' آر ایس ایس کا دوسرا 'سر سنگھ چالک' بنا، تو اس کے نظریات آزادی کی تحریک کے حوالے سے ہیڈ گوار سے بھی زیادہ سخت تھے۔ اس نے تنظیم کو آزادی کی تحریک سے زیادہ سختی سے دور کیا اور ہیڈ گوار کے برخلاف انفرادی سطح پر بھی اس میں شمولیت کی روک تھام کی۔ اس کی نظر میں آر ایس ایس کا ہدف یہ ہے کہ آزادی برطانوی راج سے لڑنے کی بجائے ہندو مذہب اور تہذیب کا دفاع کر کے حاصل کی جائے۔

گولوالکر نے ہر اس کام سے اجتناب کیا جس سے برطانوی حکومت کو آر ایس ایس پر پابندی لگانے کا کوئی بہانہ مل سکے۔ اس نے دوسری جنگ عظیم کے دوران حکومت کی طرف سے لگائی گئی تمام بندشوں کی مکمل پاسداری کی یہاں تک کہ اپنے عسکری شعبے کو معطل کرنے تک کا اعلان کر دیا۔ اس طرز عمل پر برطانوی حکومت کا تبصرہ تھا کہ چونکہ آر ایس ایس کسی بھی سِوَل نافرمانی تحریک کی کسی بھی طرح کی حمایت نہیں کر رہی اس لیے اس کی دیگر سیاسی سرگرمیوں کو نظر انداز کیا جا سکتا ہے۔ بمبئی حکومت نے اپنی ایک رپورٹ میں ذکر کیا کہ آر ایس ایس نے بڑی احتیاط کے ساتھ خود کو قانون کے دائرے میں رکھا اور اگست ۱۹۴۲ء میں پھوٹنے والی شورش (ہندوستان چھوڑو تحریک) میں کسی بھی قسم کا حصہ ڈالنے سے رکی رہی۔ رپورٹ کے مطابق آر ایس ایس نے کسی بھی طریقے سے کوئی حکم عدولی نہیں کی اور ہمیشہ قانون کی پاسداری کرنے میں مکمل رضامندی کا اظہار کیا ہے۔ اسی رپورٹ میں یہ بھی کہا گیا کہ بمبئی حکومت نے دسمبر ۱۹۴۰ء میں آر ایس ایس کے صوبائی رہنماؤں کو یہ احکامات جاری کیے کہ وہ ہر ایسی سرگرمی سے اجتناب کریں جو حکومت کی نظر میں قابل اعتراض ہو، جواب میں آر ایس ایس نے برطانوی انتظامیہ کو مکمل یقین دہانی کروائی کہ ان کا حکومت کے احکامات کی پامالی کا کوئی ارادہ نہیں ہے۔

یہاں یہ بات قابل توجہ ہے کہ ہندو مہاسبھا کی طرح آر ایس ایس نے بھی برطانوی حکومت کی مخالفت نہیں کی اور نہ ہی آزادی کی تحریک کا کسی بھی طرح سے ساتھ دیا۔ لیکن اس عمل نے جہاں ہندو مہاسبھا کی ساکھ کو شدید متاثر کیا وہیں اس عمل سے آر ایس ایس کی ساکھ پر کسی قسم کا کوئی اثر نہیں پڑا، سوائے اس کے کہ دوسری جنگ عظیم اور ہندوستان چھوڑو تحریک کے دوران اس تنظیم کے بارے میں عمومی تاثر یہ بن گیا کہ یہ ایک غیر متحرک تنظیم ہے۔ اس کی بنیادی وجہ ان دونوں تنظیموں کی حکمت عملی میں فرق تھا۔ ہندو مہاسبھا نے صرف برطانوی حکومت کی مخالفت سے اجتناب نہیں کیا بلکہ اپنے قول و عمل سے کھل کر برطانوی حکومت کا ساتھ دیا۔ اور برطانوی راج سے ہندوستان کی آزادی کی تحریک سے صرف دور نہیں رہے بلکہ کھل کر اس کی قولی اور عملی مخالفت کی۔ اس کے برعکس آر ایس ایس نے نہ کھل کر کبھی برطانوی حکومت

کی حمایت کی نہ مخالفت، اسی طرح اس نے کبھی نہ کھل کر آزادی کی تحریک کی حمایت کی اور نہ ہی مخالفت بلکہ ان دونوں اطراف سے ہمیشہ خود کو بچا کر ہی رکھا۔

ان دونوں تنظیموں کی برطانوی راج کی مخالفت نہ کرنے کی حکمت عملی کی اصل وجہ یہ تھی کہ ان دونوں کی نظر میں دشمنِ اصلی مسلمان تھے اور انہیں اپنی پوری توجہ ہندو قوم کو مسلمانوں کے خلاف متحد کرنے پر لگانی تھی۔ برطانوی حکومت کی مخالفت کرنے سے اس مقصد کے حصول میں رکاوٹیں پیدا ہوتیں اور اس حکومت کی خوشنودی حاصل کرنے سے اس مقصد کو فائدہ حاصل ہوتا۔ جبکہ دوسری طرف آزادی کی تحریک میں مسلمان بھی شریک تھے اور کانگرس اور اس سے منسلک ہندو ان مسلمانوں کے ساتھ نرم رویہ رکھ رہی تھی اور انہیں اپنے ساتھ لے کر چل رہی تھی جو ہندو قوم پرستوں کو ایک آنکھ نہیں بھا رہا تھا۔ اس لیے ہندو مہاسبھا نے اپنے جذبات کا کھل کر اظہار کیا، جس کا اسے خمیازہ بھگتنا پڑا اور اس طرح برطانوی حکومت کی حمایت اور تحریکِ آزادی کی مخالفت سے خود ہندوؤں کے اندر مہاسبھا کے بارے میں بیزاری پیدا ہو گئی۔ اس لیے آر ایس ایس نے ہندو مہاسبھا کے تجربے سے سیکھا اور اس تجربے کو دہرانے سے اجتناب کیا۔

فسطائیت پرستی

ہیڈگوار اور آر ایس ایس کے دیگر رہنما فسطائیت سے متاثر تھے اس لیے اس تنظیم پر بھی فسطائیت کی گہری چھاپ ہے۔ اس تنظیم کے رہنما کھل کر ہٹلر اور اس کی فسطائیت پر مبنی پالیسیوں کی حمایت کرتے تھے۔ اس کے علاوہ گولوالکر کے سرسنگھ چالک بننے کے بعد اس نے ہٹلر کی پالیسیوں کو ہندوستان کے لیے مثالی قرار دیا، لیکن اس کے ساتھ ساتھ اس نے اسرائیلی ریاست کے قیام کی مکمل حمایت بھی کی اور یہودیوں کی قوم پرستی کی بھی تعریف کی۔ ۱۹۳۴ء میں ہیڈگوار نے اس ہدف کا اعلان کیا کہ فسطائیت پر مبنی تنظیمی ڈھانچے کو تشکیل دے کر ہندو سماج کو جنگجو بنایا جائے۔ اسی عرصے میں اس نے 'فسطائیت اور مسولینی' کے موضوع پر ایک کانفرنس کی صدارت بھی کی۔ ایک اور کانفرنس جس میں ہندو مہاسبھا کا سربراہ 'مونجے' بھی شامل تھا موضوعِ بحث تھا کہ ہندو جنگجوؤں کو اٹلی اور جرمنی جیسی فسطائی ریاستوں کی طرح کیسے منظم کیا جائے۔

۱۹۳۳ء کی ایک برطانوی انٹیلی جنس رپورٹ میں آر ایس ایس کے حوالے سے تبصرہ تھا:

> "ایسا کہا جائے تو شاید مبالغہ نہ ہو کہ آر ایس ایس مستقبل میں انڈیا میں ایسی ہونا چاہتی ہے جیسے اٹلی میں فسطائی اور جرمنی میں نازی۔"

گولوالکر نے ہیڈگوار کے ہی نقشِ قدم پر چلتے ہوئے آر ایس ایس میں فسطائیت کے نظریات کو ہی ترویج دی۔ وہ کھل کر جرمنی میں نازی نظریات اور ہٹلر کے اقدامات کی تعریف کرتا تھا۔

اس حوالے سے گولوالکر کی تحریر سے ایک اقتباس ہم گولوالکر کے نظریات میں ذکر کر آئے ہیں جو کہ یہاں دوبارہ ذکر کر رہے ہیں:

> "اپنی نسل اور ثقافت کو خالص رکھنے کے لیے، جرمنی نے سامی نسلوں (یعنی یہودیوں) سے اپنے ملک کو پاک کر کے دنیا کو حیران کر دیا۔ یہاں نسلی تفاخر کا اظہار اپنے عروج پر کیا گیا۔ جرمنی نے یہ بھی دکھایا کہ کیسے اُن نسلوں اور ثقافتوں کے لیے، جن کی بنیادوں میں ہی اختلاف پایا جاتا ہو، ایک متحد اکائی بن کر رہنا بالکل ناممکن ہے۔ یہ ہندوستان میں ہمارے لیے سیکھنے اور اس سے فائدہ اٹھانے کے لیے اچھا سبق ہے۔[1]

ہندوستان کے قومی جھنڈے 'ترنگا' کی مخالفت

آر ایس ایس نے 'ترنگا' کو ہندوستان کے قومی جھنڈے کے طور پر قبول نہیں کیا۔ آر ایس ایس کے اُس وقت کے سربراہ گولوالکر کی طرف سے اس پر کی گئی تنقید اس کے افکار کی ذیل میں ذکر کی جا چکی ہے۔ آر ایس ایس کے جریدے 'آرگنائزر' نے اپنے اداریے میں مطالبہ کیا کہ 'بھگوا دھواج' کو ہندوستان کا قومی جھنڈا ہونا چاہیے۔ جب ۲۲ جولائی ۱۹۴۷ء کو ہندوستان کی آئین ساز اسمبلی نے ترنگا کو ہندوستان کا قومی جھنڈا قرار دیا تو 'آرگنائزر' نے اس پر سخت تنقید کی۔ اس نے اپنے اداریے میں لکھا:

> "وہ لوگ، جن کو قسمت نے اقتدار بخشا ہے، وہ ہمارے ہاتھوں میں ترنگا تھما تو سکتے ہیں لیکن ہندو کبھی بھی اس کو نہ اپنائیں گے نہ ہی اس کی تعظیم کریں گے۔ تین کا لفظ بذاتِ خود برا ہے، اور ایک ایسا جھنڈا جس میں تین رنگ ہوں وہ لازمی طور پر برے نفسیاتی اثرات پیدا کرے گا اور یہ ملک کے لیے شدید نقصان دہ ہو گا۔"

ہندوستانی آئین کی مخالفت

آر ایس ایس نے آئین ہند کو بھی تسلیم نہیں کیا، اور اس آئین کی تشکیل پر سخت تنقید کی کہ اس آئین میں کہیں بھی منو کے دیے گئے قوانین کا، جو کہ منوسمرتی (Manusmriti) سے اخذ کیے جاتے ہیں، کوئی ذکر نہیں ہے۔ اس حوالے سے گولوالکر نے جو تنقید اپنی کتاب میں کی اس کا اقتباس اس کے افکار میں ذکر کیا جا چکا ہے۔ آر ایس ایس کے جریدے آرگنائزر نے ۳۰ نومبر ۱۹۴۹ء کے اداریے میں آئین پر تنقید کرتے ہوئے لکھا:

> "لیکن ہمارے آئین میں قدیم بھارت کی اُس بے مثال آئینی پیش رفت کا کوئی ذکر نہیں ہے...... آج بھی منوسمرتی میں دیے گئے قوانین دنیا کو تعریف پر

---

[1] We or Our Nationhood defined – M. S. Golwalkar p. 87, 88

مجبور کرتے ہیں اور بے ساختہ موافقت اور اطاعت پر ابھارتے ہیں۔ لیکن ہمارے آئینی پنڈتوں کے لیے یہ کوئی معنی نہیں رکھتے۔"

۶ فروری ۱۹۵۰ء میں آرگنائزر نے اس حوالے سے ایک اور مضمون نشر کیا جو مزید واضح کر دیتا ہے کہ آر ایس ایس آئینِ ہند کی بجائے منو سمرتی کو ہی قانون مانتی ہے۔ اس میں لکھا ہے:

"اگرچہ کہا جاتا ہے کہ حال ہی میں ڈاکٹر امبیڈکر نے بمبئی میں کہا ہے کہ منو کے دن گزر گئے، لیکن پھر بھی یہ ایک زندہ حقیقت ہے کہ آج بھی ہندوؤں کی روزمرہ زندگی منوسمرتی میں دیے گئے اصول و فرامین سے متاثر ہوتی ہے۔ حتیٰ کہ ایک آزاد خیال ہندو بھی کم از کم بعض معاملات میں خود کو ان قوانین سے ضرور جڑا ہوا محسوس کرتا ہے جو اس سمرتی میں دیے گئے ہیں۔ اور وہ اپنے اندر ایسی جرأت نہیں پاتا کہ مکمل طور پر اس سے اپنی وفاداری چھوڑ دے۔"

گاندھی کا قتل اور آر ایس ایس پر پابندی

جنوری ۱۹۴۸ء میں جب گاندھی کا قتل ہوا اور یہ سامنے آیا کہ اس کا قاتل ناتھورام گوڈسے آر ایس ایس کا رکن رہ چکا ہے تو آر ایس ایس کے بہت سے رہنماؤں کو گرفتار کر لیا گیا اور فروری میں اس تنظیم پر پابندی لگا دی گئی۔ اگرچہ عدالتی کاروائی میں آر ایس ایس کا گاندھی کے قتل میں کردار ثابت نہیں ہو سکا لیکن حکومت نے پابندی پھر بھی برقرار رکھی۔ گولوالکر نے اپنی رہائی کے بعد اپنی تنظیم پر پابندی ہٹوانے کے لیے جواہر لال نہرو کو خط لکھا۔ نہرو نے جواب دیا کہ یہ کام وزیر داخلہ 'والا بھائی پٹیل' کا ہے۔ لیکن ساتھ میں یہ تبصرہ بھی کیا کہ حکومت کے پاس ثبوت موجود ہیں کہ آر ایس ایس کی کاروائیاں چونکہ فرقہ وارانہ ہیں اس لیے یہ وطن مخالف ہیں۔ نہرو نے صوبائی حکومتوں کے سربراہوں کو بھی ایک خط میں کہا کہ ہمارے پاس بہت سے شواہد موجود ہیں کہ آر ایس ایس ایک غیر سرکاری فوج کی طرز پر بنی تنظیم ہے اور جو ہو بہو نازیوں کے نقشِ قدم پر چل رہی ہے۔

اُس وقت ہندوستان کے پہلے صدر راجیندر پرشاد نے بھی آر ایس ایس کو تنقید کا نشانہ بنایا اور کہا کہ آر ایس ایس دہلی اور دیگر ہندو اکثریتی علاقوں میں مسلمانوں کے خلاف فسادات شروع کرنے، انہیں لوٹنے، ان کی املاک کو جلانے اور ان کے قتل عام میں ملوث رہی ہے۔ والا بھائی پٹیل کو ایک خط میں راجیندر پرشاد نے لکھا کہ آر ایس ایس نے منصوبہ بنایا تھا کہ مسلمانوں کا بھیس اپنا کر ہندو اکثریتی علاقوں میں ہندوؤں پر حملے کیے جائیں اور مسلم اکثریتی علاقوں میں مسلمانوں پر حملے کیے جائیں تاکہ دونوں طرف فسادات پھوٹ پڑیں۔ اس نے پٹیل سے مطالبہ کیا کہ آر ایس ایس کے خلاف سخت اقدامات کیے جائیں کیونکہ اس تنظیم کا مقصد ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان دشمنی اور نفرت کو فروغ دینا ہے۔ اس نے کہا کہ آر ایس ایس مہاراشٹری براہمن تحریک ہے، اور یہ ایک خفیہ تحریک ہے جو تشدد کا استعمال کرتی ہے اور فسطائیت کو فروغ دیتی ہے اور راست ذرائع اور آئینی طریقوں کو کوئی اہمیت نہیں دیتی۔ اس نے خط میں آر ایس ایس کو امنِ عامہ کے لیے ایک خطرہ قرار دیا۔

سردار والا بھائی پٹیل کو جب گولوالکر نے پابندی ختم کرنے کے لیے خط لکھا تو اس کے جواب میں والا بھائی پٹیل نے جواب دیا کہ اگرچہ تقسیم کے دوران آر ایس ایس نے ہندوؤں کی ضرور خدمت کی ہے لیکن اس عمل میں اس نے بے گناہ مسلمان مردوں، عورتوں اور بچوں پر بھی حملے کیے۔ اس نے کہا کہ آر ایس ایس کی تقریریں فرقہ وارانہ زہر سے بھری ہوتی ہیں اور اس زہر کی وجہ سے ہی ہندوستان نے گاندھی کو کھو دیا۔ اور آر ایس ایس کے کارکنان نے گاندھی کے قتل پر خوشی منائی اور اس پر مٹھائی بھی بانٹی۔ پٹیل نے تنظیم کے خفیہ طریقہ کار پر اعتراض کیا اور یہ اعتراض بھی کیا کہ تنظیم کے تمام ریاستی ذمہ داران مراٹھا براہمن ہیں۔ اس کے علاوہ اس نے آر ایس ایس کے انڈیا کے اندر ہی اپنی نجی فوج رکھنے پر بھی اعتراض کیا اور کہا کہ اس کی اجازت نہیں دی جاسکتی کیونکہ یہ انڈیا کے لیے ممکنہ خطرے کا باعث ہو سکتی ہے۔ اس نے یہ بھی کہا کہ آر ایس ایس کے اہلکار دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ ہندومت کے محافظ ہیں، لیکن انہیں یہ بات سمجھ لینی چاہیے کہ ہندومت کی حفاظت فساد و ہنگامہ پروری سے نہیں ہو سکتی۔

پٹیل نے آر ایس ایس پر سے پابندی ختم کرنے کی لازمی شرط یہ رکھی کہ یہ اپنا ایک تحریری آئین مرتب کرے اور اسے منظرِ عام پر لائے۔ اس کے تحت آر ایس ایس آئینِ ہند کے ساتھ وفاداری کا عہد کرے، ترنگا کو ہندوستان کا قومی جھنڈا تسلیم کرے، تنظیم کے سربراہ کے اختیارات واضح کرے، تنظیم کو جمہوری طرز پر استوار کرے اور داخلی انتخابات کروائے، نابالغوں کو تنظیم میں شامل کرنے سے پہلے والدین سے اجازت حاصل کرے اور خفیہ طریقہ کار اور پر تشدد کاروائیاں ترک کر دے۔

ان مطالبات کے خلاف گولوالکر نے ایک بڑی احتجاجی تحریک شروع کی جس کی وجہ سے وہ پھر گرفتار ہو گیا۔ بعد میں آر ایس ایس کے لیے آئین تیار کیا گیا جس میں تنظیم کے سربراہ کو منتخب کرنے کے طریقہ کار اور نابالغوں کو رکن بنانے کے لیے والدین سے اجازت کی شرط کو نہیں مانا گیا باقی سب مان لی گئیں۔ لیکن جو شرطیں مانی گئیں ان کی حیثیت بھی ایک منسوخ قانون کی ہی رہی جس پر کبھی عمل نہیں ہوا۔ نہ داخلی انتخابات کا طریقہ رائج ہوا، نہ خفیہ طریقہ کار اور پر تشدد کاروائیاں ترک کی گئیں اور نہ ہی کبھی عملی طور پر آئینِ ہند کو اور ترنگا کو بطور قومی جھنڈا تسلیم کیا گیا۔

۱۱ جولائی ۱۹۴۹ء کو حکومتِ ہند نے پابندی ختم کر دی اس اعلان کے ساتھ کہ یہ پابندی گولوالکر کی طرف سے اس یقین دہانی کے ساتھ ختم کی گئی ہے کہ اس کی تنظیم آئینِ ہند کے ساتھ وفادار رہے گی اور ہندوستان کے قومی جھنڈے کو قبول کرے گی اور اس کی تعظیم کرے گی۔

تنظیمی ساخت

رکنیت

چونکہ ہیڈ گوار نے آر ایس ایس کا تنظیمی طریقہ کار خفیہ انقلابی تحریکات کی طرز پر رکھا تھا اس لیے اس تنظیم نے رکنیت حاصل کرنے کا کوئی رسمی طریقہ کار نہیں رکھا اور نہ ہی یہ تنظیم اپنے کارکنان کا ریکارڈ رکھتی ہے۔ کوئی بھی مرد یا لڑکا اگر آر ایس ایس میں شمولیت اختیار کرنا چاہے تو اپنی قریب ترین "شاکھ" (شاخ) سے جڑ سکتا ہے۔ اگرچہ رسمی طور پر آر ایس ایس کے کارکنان کا کوئی ریکارڈ موجود نہیں ہے لیکن ایک اندازے کے مطابق ۲۰۱۵ء میں اس کے کارکنان کی تعداد ساٹھ لاکھ سے زیادہ تھی۔

وردی

ہیڈ گوار نے جب آر ایس ایس قائم کی تو اس کے رضاکاروں کے لیے کالی بیگار ٹوپی، خاکی شرٹ اور خاکی نیکر کو بطور وردی منتخب کیا۔ تب یہی لباس برطانوی شاہی پولیس کا بھی تھا۔ کچھ سال بعد خاکی شرٹ کو بدل کر سفید شرٹ کو وردی میں شامل کر دیا گیا۔ جبکہ اپنے قیام کے ۹۱ سال بعد آر ایس ایس نے ۲۰۱۶ء میں خاکی نیکر کو وردی سے ختم کر کے اس کی جگہ خاکی پتلون کو وردی میں شامل کیا۔

شاکھ

شاکھا یا شاکھ (شاخ کے لیے ہندی لفظ) آر ایس ایس کے سب سے بنیادی یونٹ کو کہتے ہیں۔ یہ شاخیں روزانہ کی بنیاد پر کسی عوامی مقام پر ایک گھنٹے کے لیے اپنا اجتماع کرتی ہیں۔ اس اجتماع میں یوگا، ورزش اور کھیلوں وغیرہ کے ذریعے سے جسمانی تربیت دی جاتی ہے جبکہ ہندو قوم پرستی، ہندو سماج کی خدمت اور ہندُتوا جیسے موضوعات پر نظریاتی تربیت بھی دی جاتی ہے۔ اس کے علاوہ رضاکاروں کے لیے خصوصی طور پر نیم فوجی تربیت کا اہتمام بھی کیا جاتا ہے تاکہ انہیں ہندوستان کی مذہبی اقلیتوں خصوصاً مسلمانوں اور عیسائیوں کا قلع قمع کرنے کے لیے تیار کیا جا سکے۔ آر ایس ایس کی سالانہ رپورٹ کے مطابق ۲۰۱۹ء میں پورے ہندوستان میں آر ایس ایس کی ۸۴،۸۷۷ (چراسی ہزار آٹھ سو ستتر) شاخیں موجود تھیں۔

تنظیمی درجہ بندی اور عہدے

سوائم سیوک (Swayamsevak): اس کے معنی رضاکار کے ہیں۔ ہر وہ شخص جو آر ایس ایس کی شاکھوں کے روزانہ کے اجتماعات میں شرکت کرتا ہو اسے سوائم سیوک کہتے ہیں۔ ان رضاکاروں کے لیے آر ایس ایس کی وردی پہننا ضروری ہے۔ بی جے پی کے زیادہ تر رہنما کم سے کم درجے میں آر ایس ایس کے سوائم سیوک ضرور رہے ہیں، ایسے مشہور رہنماؤں میں موجودہ وزیر اعظم نریندر مودی، موجودہ ہوم منسٹر راجناتھ سنگھ، سابق وزیر اعظم اٹل بہاری واجپائی، سابق صدر رام ناتھ کووِند، سابق نائب صدر 'ونکائیاہ نیدو'، سابق ہوم منسٹر ایل کے ایڈوانی، اور سابق وزیر مرلی منوہر جوشی وغیرہ شامل ہیں۔

گٹنانک (Gatanayak): شاکھ میں شرکت کرنے والے سوائم سیوکوں کا گروپ لیڈر

کریاواہ (Karyawah): شاکھ کا منتظم

مکھے شِکشک (Mukhay-Shikshak): شاکھ کا سربراہ اور استاد

کریاکرتا (Karyakarta): آر ایس ایس کے متحرک کارکنان کو کہتے ہیں۔ کریاکرتا بننے کے لیے سوائم سیوکوں کو نظریاتی اور جسمانی تربیت کے چار درجوں سے گزرنا پڑتا ہے۔ اِن کریاکرتاؤں میں سے ۹۵ فیصد 'گراہستھ کریاکرتا' ہوتے ہیں۔ یعنی وہ جن کا گھر بار ہوتا ہے۔ جبکہ ۵ فیصد پرچارک ہوتے ہیں جو کہ مکمل طور پر آر ایس ایس کے کاموں کے لیے وقف ہوتے ہیں۔

پرچارک: آر ایس ایس کی فکر و نظریات کے داعی۔ ان لوگوں کے لیے آر ایس ایس کے کاموں کے لیے خود کو مکمل طور پر وقف کرنا ضروری ہے۔ یہ لوگ نہ تو شادی کر سکتے ہیں اور نہ ہی کسی قسم کا روزگار کما سکتے ہیں بلکہ اپنی سو فیصد توجہ آر ایس ایس کے کاموں پر ہی دیتے ہیں۔ پرچارک تنظیم میں ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتے ہیں۔ آر ایس ایس کی اپنی رپورٹوں کے مطابق تنظیم میں ۲۵۰۰ کے قریب پرچارک ہیں۔

وچارک: آر ایس ایس کے مفکرین کو کہتے ہیں۔ آر ایس ایس میں تنظیم کی فکر کو ترتیب دینے اور اس کی تشریح کرنے کے لیے افراد مخصوص ہوتے ہیں۔ تنظیم کی قیادت فکر نہیں دیتی بلکہ اس فکر کے مطابق تنظیم کو چلاتی ہے۔ سوائے اس کے کہ تنظیم کا وچارک ہی آگے چل کر سرسنگھ چالک بن جائے۔ جیسا کے گولوالکر بنا۔

سنگھ چالک: ریاستوں کی سطح کے آر ایس ایس کے سربراہان کو کہتے ہیں۔

سرکاریاواہ: آر ایس ایس کے جنرل سیکریٹری کو کہتے ہیں۔ اس کا انتخاب ایک کمیٹی اکھِل بھارتیا پراتنیدھی سبھا کرتی ہے۔

سرسنگھ چالک: آر ایس ایس کے سربراہ کو کہا جاتا ہے۔ آر ایس ایس میں سابق سربراہ نئے سربراہ کو نامزد کرتا ہے۔ ہیڈ گوار آر ایس ایس کا پہلا سرسنگھ چالک تھا اسی نے ایم ایس گولوالکر کو اگلا سرسنگھ چالک نامزد کیا تھا، جبکہ موجودہ سرسنگھ چالک 'موہن بھاگوت' ہے۔

(جاری ہے، ان شاء اللہ)

اہلِ ایمان کی باہمی محبت

شیخ عبد اللہ عزام شہید رحمہ اللہ کے دروس ”فی ظلال السورۃ التوبۃ“ سے ماخوذ

رسول اللہ ﷺ کے بعد عرب کے سرداران اقرع بن حابس رضی اللہ عنہ اور عیینہ بن حصین رضی اللہ عنہ وغیرہ، سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس تشریف لائے۔ (یہ عرب کے وہ زعماء تھے کہ جنہیں رسول اللہ ﷺ نے غزوۂ حنین کی غنیمت میں سے تالیفِ قلب کے لیے بہت مال دیا تھا۔ ان حضرات کا خیال تھا کہ زکوۃ کے مصارف میں 'مؤلفۃ القلوب' کی مد میں اِن کا مستقل حصہ موجود ہے)۔ الغرض یہ زعماء آئے اور خلیفۂ رسول سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ سے زکوۃ میں اپنا حق مانگا۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے ان کو تحریر لکھ دی کہ ان کو اتنا اتنا مال دے دیا جائے۔ بیت المال کے ذمہ دار سیدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ تھے۔ یہ حضرات خلیفۂ رسول ﷺ کی تحریر لے کر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچے اور انہیں تحریر دکھائی۔ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے تحریر کو پڑھا اور اس کو پھاڑ کر پھینک دیا[1]۔ یہ حضرات سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کی طرف لوٹے اور ان سے کہا کہ: أنت الخليفة أم عمر؟ ”خلیفہ آپ ہیں یا عمر؟“ سیدنا ابو بکر صدیق نے بے ساختہ فرمایا: هو إن شاء ”وہی ہوں گے اگر وہ چاہیں“۔ سلام ہو ان پر۔ آفرین! کیسے اخلاق ہیں، کیسا ادب ہے۔ ان لوگوں کی آپس میں محبت بڑی عجیب تھی۔ اللہ کی قسم وہ آپس میں ایک دوسرے کا بڑا عجیب احترام کرتے تھے۔ اور مسلمانوں کی باہمی ایسی محبت اور اعتماد کے بغیر ممکن ہی نہیں کہ مسلمانوں کو فتح مل سکے۔ کیونکہ یہ محبت ہی تو وہی جذبہ ہوتا ہے کہ جس کی وجہ سے ایک انسان اپنے بھائی کے لیے اپنی جان قربان کر دیتا ہے۔

میں نے آپ سے 'رکس معکرون' کا قصہ ذکر کیا تھا۔ یہ شخص ایک عیسائی سمگلر تھا۔ مصر کے صدر جمال عبد الناصر کے زمانے میں حکومت نے اس کو گرفتار کیا۔ ایک عیسائی سمگلر!...... پھر بھلا اس کو جیل میں کس کے ساتھ ڈالا؟ الاخوان المسلمون والوں کے بیچ میں اس کو ڈال دیا۔ کیونکہ وہ کسی مسلمان کو اخوانیوں کے قریب بھی نہیں آنے دیتے تھے۔ البتہ یہودی یا عیسائی وغیرہ کو جیل میں اخوانیوں کے ساتھ رکھ لیتے تھے کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ یہ اخوان والے ان پر اپنا اثر نہیں ڈال سکتے۔ الغرض معکرون کو اخوان کے ساتھ ایک ہی بیرک میں بند کیا گیا۔ پھر جیل میں مشہور 'واقعہ طرّہ' پیش آیا۔ اس سفاکانہ خون ریزی کے وقت معکرون بھی وہاں موجود تھا۔ یہ ایک خون ریز واقعہ تھا جس میں حکومت نے اخوان والوں پر جیل میں گولیاں چلادیں۔ اس بیرک پر فائر کھول دیا کہ جس میں اخوان والے بند تھے۔ رکس معکرون کہتا ہے کہ ”میں بھی اخوانیوں کے ساتھ ان کی بیرک میں ہی تھا۔ بیرک کا ایک دروازہ تھا جو کہ لوہے کی سلاخوں اور بڑے بڑے قبضوں پر مشتمل ہوتا ہے“۔ جیل کے دروازے تو ہر جگہ ایک ہی جیسے ہوتے ہیں۔ معکرون کہتا ہے ”میں ایک صندوق کے پیچھے چھپ کر بیٹھ گیا۔ اچانک بیرک میں اندھیرا چھا گیا۔ تو میں نے صندوق کے پیچھے سے سر نکالا اور بیرک کا منظر دیکھنے کی کوشش کی۔ میں کیا دیکھتا ہوں کہ نوجوان اپنے بازوؤں کو کھولے اور اپنے سینوں کو آگے کر کے جیل کے دروازے کی سلاخوں سے چمٹے کھڑے ہیں اور اپنے شادی شدہ بھائیوں کے لیے ڈھال بن رہے ہیں۔ اور کہہ رہے ہیں کہ ہم قربان ہوں گے اور تمہیں بچائیں گے تاکہ تم اپنے بال بچوں کے لیے باقی رہو“۔ معکرون کہتا ہے ”میں نے جب یہ مثالی لوگ دیکھے تو مجھے اپنا آپ حقیر لگنے لگا“۔ معکرون یہ دیکھ کر ششدر رہ گیا۔ ان قربانیوں کو دیکھ کر وہ بہت متاثر ہوا اور اس نے بعد میں 'میں قسم اٹھا کر کہتا ہوں' کے عنوان سے ایک شاندار کتاب لکھی۔ وہ مسلمان نہیں ہوا اور عیسائی ہی رہا مگر ان مثالی انسانوں سے اتنا متاثر ہوا کہ اپنی کتاب میں ان شہدا کا ایسے تذکرہ کرتا ہے کہ میرے فلاں فلاں بھائی کہ جو جرأت اور مردانگی کی حالت میں شہید ہوئے۔ یہ ایک وحشیانہ قتلِ عام تھا جس میں ۳۷ نوجوان شہید ہوئے۔ جن میں علماء، انجینئر اور دیگر اعلیٰ تعلیم یافتہ حضرات شامل تھے۔ ان کے گوشت کے چیتھڑے چھتوں سے لٹکے ہوئے تھے۔ جسم کے ٹکڑے اور ہڈیاں ہوا میں اڑتی ہوئی محسوس ہوتی تھیں اور پھر دیواروں پر چپک جاتی تھیں۔ وحشی سپاہی مستقل ان پر گولیاں برساتے رہے۔

حقیقت یہ ہے کہ قربانی دینے والے کی تعریف دشمن بھی کرتے ہیں اور دوست بھی۔ ایسے واقعات لوگوں کو حیران کر کے رکھ دیتے ہیں۔ جس کام کے لیے جتنی زیادہ قربانی دی جاتی ہے اتنا ہی زیادہ وہ کام کرنے والے لوگوں کی نظر میں قابلِ احترام بنتے ہیں۔ اور جس بھی کام کے لیے لوگ قربانی دینے سے پیچھے ہٹتے ہیں تو وہ خود بھی بالآخر اپنے اوپر ہنستے ہیں اور لوگ بھی ان کا لطیفہ بناتے ہیں۔ حق بات یہ ہے کہ جب بھی کوئی اسلامی جماعت اس طرح آپس میں جڑی ہوئی، باہم محبت کرنے والی، ایک دوسرے کے لیے قربانی دینے اور اپنے بھائیوں کے دفاع کی خاطر خون بہانے والی بن جاتی ہے تب جا کر ہی اسے فتح و نصرت نصیب ہوتی ہے۔

☆☆☆☆☆

[1] سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی رائے تھی کہ مؤلفۃ القلوب کو زکوۃ میں سے فقط اُس زمانے میں ادا کیا جاتا ہے کہ جب اسلام کا ضعف اور کمزوری کا زمانہ ہو۔ اس وقت چونکہ اسلام کا شان و شوکت اور مضبوطی والا زمانہ تھا اس لیے حضرتِ فاروق رضی اللہ عنہ کے مطابق اس مد میں زکوۃ کا مال نہیں خرچ کرنا چاہیے تھا۔

نظریاتی جنگیں

مولانا محمد اسماعیل ریحان

مولانا محمد اسماعیل ریحان صاحب (زید مجدہ) کی تالیف 'أصول الغزو الفكري' یعنی 'نظریاتی جنگ کے اصول'، نذرِ قارئین ہے۔ اس وقت مسلمانوں کو اہلِ باطل کی جانب سے ایک ہمہ گیر اور نہایت تند و تیز فکری و نظریاتی یلغار کا سامنا ہے۔ اس یلغار کے مقابلے کے لیے 'الغزو الفکری' کو دینی و عصری درس گاہوں کے نصاب میں شامل کرنا از حد ضروری ہو چکا ہے۔ دینی و عصری درس گاہوں میں اس مضمون کو شامل کرنے کے ساتھ ساتھ 'الغزو الفکری' یعنی نظریاتی جنگ کے مضمون و عنوان کو معاشرے کے فعال طبقات خصوصاً اہلِ قلم، اسلامی ادیبوں اور شاعروں، اہلِ دانش، صحافیوں، پیشہ ور (پروفیشنل) حضرات نیز معاشرے کہ ہر مؤثر طبقے میں بھی عام کرنا از حد ضروری ہے۔ اس مقصد کے لیے 'اصول الغزو الفکری' کے عنوان سے اس علم کے اہم مباحث کو مختصر طور پر مولانا موصوف نے پیش کیا ہے۔ مولانا موصوف ہی کے الفاظ میں 'در حقیقت یہ اس موضوع پر تحریر کردہ درجنوں تصانیف کا خلاصہ ہے جس میں پاک و ہند کے پس منظر کا نسبتاً زیادہ خیال رکھا گیا ہے'۔ یہ تحریر اصلاً نصابی انداز میں لکھی گئی ہے، لیکن اس کے باوجود خشکی سے پاک ہے اور متوسط درجۂ فہم والے کے لیے بھی سمجھنا آسان ہے۔ اللہ پاک سے دعا ہے کہ ہم مسلمانوں کو نظریاتی و عسکری محاذوں کو سمجھنے، ان محاذوں کے لیے اعداد و تیاری کرنے اور پھر ہر محاذ پر اہلِ باطل کے خلاف ڈٹنے کی توفیق ملے۔ اللہ پاک مولانا محمد اسماعیل ریحان صاحب کو جزائے خیر سے نوازیں کہ انہوں نے ایسے اہم موضوع کے متعلق قلم اٹھایا، اللہ پاک انہیں اور ہم سب اہلِ ایمان کو حق پر ثبات اور دین کا صحیح فہم عطا فرمائیں، آمین یا رب العالمین! (ادارہ)

نظریات:

مادّی فلسفے کا حملہ:

فلسفے نے عیسائیت کے ساتھ مل کر موجودہ دور کی اکثر نظریاتی گمراہیوں کو پیدا کیا ہے اس لیے تنقیدی نگاہ سے فلسفۂ یونان کا مطالعہ بہت ضروری ہے۔

فلسفے کی تعریف:

'فلسفہ' (Philosophy) کے لغوی معنی ہیں "حکمت سے محبت رکھنا"۔

اصطلاحی تعریف یہ ہے: "فلسفہ وہ علم ہے جس سے موجودات کے حقیقی احوال معلوم ہوں"۔

فلسفے کا مقصد عقائد، اخلاق، شہری زندگی، سیاست اور طبعی علوم میں انسان کی رہنمائی کرنا ہے۔
فلسفے کا سارا مدار عقل پر رہا ہے۔ اس نے کبھی وحی سے مدد لینے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔
فلسفہ نہ صرف خیر و شر کا معیار خود قائم کرتا ہے بلکہ مابعد الطبعیات (غیب) کے بارے میں بھی وہ خود ہی صحیح یا غلط کے فیصلے کرتا ہے۔

فلسفے کی تاریخ:

اپنی ابتدا سے لے کر اب تک فلسفہ سات ادوار سے گزر چکا ہے۔ جبکہ آٹھواں دور اب جاری ہے۔

۱۔ یونانی دور (سات صدی قبل از مسیح)

۲۔ رومی دور (پہلی صدی عیسوی تا پانچویں صدی عیسوی)

۳۔ عیسوی دور یا ازمنۂ وُسطیٰ (پانچویں صدی عیسوی تا پندرہویں صدی عیسوی)

۴۔ احیائے علوم کا دور۔ اصلاح مذہب کی تحریک (پروٹسٹنٹ مذہب) (پندرہویں صدی عیسوی کا وسط)

۵۔ خالص عقلیت کا دور (وسطِ سترہویں صدی تا اٹھارہویں صدی کا اختتام)

۶۔ صنعتی انقلاب کا دور (۱۸۰۱ء سے پہلی جنگ عظیم کے اختتام تک)

۷۔ جھوٹے ادیان کے ایجاد کا دور (پہلی جنگ عظیم کے خاتمے سے ۱۹۹۰ء تک)

۸۔ عالم اسلام کی نشاۃ ثانیہ کے آثار اور اکیسویں صدی

۱۔ یونانی دور:

یونان فلسفے کا گہوارہ مانا جاتا ہے۔ عہدِ قدیم میں یہاں کے لوگوں کے اذہان پر دیوی دیوتاؤں کی اجارہ داری تھی۔ سات صدی قبل از مسیح یہاں حکماء کا ظہور ہوا جو فلسفۂ یونان کے بانی تھے۔ انہیں حکمائے متقدمین کہا جاتا ہے جن میں فیثا غورث (۴۳۶ ق م) اور اس کا شاگرد بقراط (۴۶۹ ق م) بہت مشہور ہیں۔

چوتھی صدی قبل مسیح میں فلسفہ اتنا غالب آگیا کہ دیومالائی ازم کی اہمیت کم ہونے لگی۔ اس دور کے فلسفیوں کو حکمائے متاخرین کہا جاتا ہے۔ یہ یونانی فلسفے کے عروج کا دور تھا۔ سقراط، افلاطون، اور ارسطو اس دور کے نامور فلاسفہ ہیں۔ انھیں فلاسفۂ مشائیہ بھی کہا جاتا ہے کیونکہ یہ چل پھر کر سبق پڑھاتے تھے۔ فلاسفہ کا دوسرا نامور گروہ اشراقیہ ہے جو اسکندریہ سے تعلق رکھتا ہے۔ یہ مراقبے اور گیان دھیان کے عادی تھے۔ تیسرا گروہ سفسطائیہ ہے جو اشیاء کے حقائق کا انکار کرتا تھا، اس کے نظریات کی بنیاد وہم پر تھی۔

فلسفیوں کی گمراہیاں:

'وحی' سے محروم رہ کر حکمائے یونان گمراہیوں کی انتہا کو پہنچ گئے تھے۔ عقائد میں جہالت کا یہ حال تھا کہ وہ توحید کی حقیقت سے ناواقف تھے۔ اللہ کی صفات اور پاکی سے لاعلم تھے۔ مادے کو ازلی و ابدی مانتے تھے۔ انھوں نے عقول عشرہ کا تصور دیوی دیوتاؤں سے اخذ کیا اور اسے خالق تعالیٰ پر تھوپ دیا۔

فلاسفہ نے جو طرزِ حیات تجویز کیا اس کا سارا زور فانی دنیا پر تھا۔ وہ کبھی یہ نہیں سوچتے تھے کہ ہم کیسے اور کس مقصد کے لیے پیدا ہوئے؟ پیدا کرنے والا کون ہے؟ ہم کہاں سے آئے ہیں اور کہاں جانا ہے؟ جب مبدا ٔ اور معاد فراموش ہوگئے اور انسانی معاشرہ ہی توجہ کا مرکز بن گیا تو یہاں سے انسانیت پرستی کی سوچ نے جنم لیا، اور ہر مسئلہ پر صرف انسان کے دنیاوی مفاد کے نقطۂ نظر سے غور ہونے لگا۔ اسی سے بعد میں پندرہویں اور سولہویں صدی میں 'انسانیت پرستی' (Humanism) کی تحریک کا آغاز ہوا۔

اخلاقیات میں خوش کلامی، خوش اطواری، ادب و تہذیب اور اچھے انداز و اطوار ہی کو کمال سمجھ لیا گیا۔ کبر، حسد، نفاق، حب دنیا اور حب مال و جاہ جو قلب کی تمام بیماریوں کی بنیاد ہیں ان کی سمجھ سے باہر رہے۔ یونانی معاشرے کی سوچ کا محور یہ تھا کہ عدل و انصاف، حسن و جمال اور تمام خوبیوں پر مبنی معاشرہ قائم کرنے کا واحد ذریعہ انسانی عقل کی تدبیر اور اس کا صحیح استعمال ہے۔ اس معاشرے میں برہنہ جسم کو حسن کامل مانا جاتا تھا اور فحاشی و بے حیائی عروج پر تھی۔

۲۔ رومی دور

فلسفے کا دوسرا دور وہ ہے جب رومی یورپ کی سب سے بڑی طاقت بن کر چھا گئے اور یونان کے ایشیائی مقبوضات پر بھی ان کا قبضہ ہوگیا۔ یہ زمانہ عیسیٰ علیہ السلام سے ۶۴ برس قبل سے شروع ہو کر تیسری صدی عیسوی تک چلتا ہے۔ رومی چونکہ پیشہ ور فوجی اور تلوار کے دھنی تھے اس لیے اس دور میں یونانیوں کی طرح حسن و جمال کی پرستش عام نہ رہی بلکہ طاقت کو اصل چیز سمجھا جانے لگا۔ طاقت کے اسی نشے نے خدا سے مناجات اور تعلق کو بے کار قرار دے دیا۔ طاقت اور قوت میں اضافے کے لیے رومی سلطنت میں وطنیت کا پرچار پایا گیا اور اسے رعایا کے اتحاد اور مملکت کی قوت کا ذریعہ بنایا گیا۔

۳۔ ازمنۂ وسطیٰ: عیسوی دور

سلطنتِ روما کے زوال سے تحریک احیائے علوم تک ایک ہزار سال کے عرصے کو قرون وسطیٰ یا تاریک دور کہا جاتا ہے۔ اس دوران فلسفے کی تعلیم پس پشت چلی گئی اور مذہبی علم ہی قدر و منزلت کا ذریعہ قرار پایا۔

۴۔ تحریک احیائے علوم یا نشاۃ ثانیہ کا دور: (Renaissance)

یہ تحریک قرون وسطی کے 'تاریک دور' کا اختتام اور ایک نئے دور کا آغاز تھی جس میں انسان نے مذہب سے چھٹکارا حاصل کر کے اپنی خواہشات کے لیے ہر ممکن آزادی پانے کو کوشش کی۔ اس تحریک کے کئی عوامل تھے مثلاً صلیبی جنگوں میں عیسائیت کی شکست، عیسائی مذہب کی اپنی کمزوریاں، یہ احساس کہ عیسائیت معاشرے کی صحیح رہنمائی کرنے سے قاصر ہے، پادریوں کی بدعنوانی و بدکرداری، یورپ میں اسلامی دنیا کے عقلی علوم کی طرف رجوع، آکسفورڈ اور کیمبرج جیسے اداروں کا قیام۔ سب سے بڑا سبب ۱۴۵۳ء میں ترکوں کے قسطنطنیہ کو فتح کرنے کے بعد وہاں آباد یونانی علماء اور فلاسفر کی یورپ میں نقل مکانی تھا۔ ان فلاسفہ کے اثرات کی وجہ سے ایک صدی کے اندر اندر یورپ میں دوبارہ یونانی افکار غالب آگئے۔ احیائے علوم اور 'نشاۃ ثانیہ' کی اس تحریک نے مذہبی علوم کو معاشرے کے لیے بے فائدہ قرار دے دیا اور ان کی جگہ عقلیت پسندی اور انسان پرستی کو اختیار کیا جس کی دعوت یونانی فلسفہ دیتا ہے۔

۵۔ عقلیت پسندی کا دور: (Rationalism)

مغربی فلسفے کا پانچواں دور سترہویں صدی کے اواخر سے لے کر ۱۷۷۵ء تک چلا۔ اس دور میں فلسفہ یونانی فلسفیوں کی تقلید سے بھی آزاد ہوگیا۔ عقلیت پسندی کے سب سے نامور علمبردار 'ڈے کارٹ' (۱۵۹۶ء تا ۱۶۵۰ء) نے فطرت یا خدا کی قدرت کو ایک مشین قرار دیا اور اس کی روحانیت کی حیثیت کا انکار کیا۔ ڈے کارٹ کا سب سے بڑا گمراہ کن نظریہ یہ تھا کہ "انسان کے لیے اپنی ذات کے سوا کائنات کی ہر شے میں شک و شبہے کی گنجائش ہے"۔

عقلیت پسندی کے اگلے مرحلے میں صداقت یا حق کے وجود سے ہی انکار کر دیا گیا۔ فرانس کے مفکر 'مون ٹین' (Montaigne) نے کہا کہ بچپن میں مجھے ککڑی بہت پسند تھی، مگر اب پسند نہیں آتی، اس مثال سے اس نے سمجھایا کہ حق یا صداقت کوئی پختہ اور مستقل چیز نہیں، بلکہ یہ ایک نسبتی شے ہے جو وقت اور مقام کے ساتھ بدلتی رہتی ہے۔

اٹھارہویں صدی کے انگریز فلسفی 'ہیوم' (۱۷۱۱ء تا ۱۷۷۶ء) نے تمام مذہبی معتقدات کو اس بناء پر مسترد کر دیا کہ انہیں نہ تو سائنسی لیبارٹری میں ٹیسٹ کیا جا سکتا ہے، نہ وہ عقلی پیمانے پر پورے اترتے ہیں۔

تحریک احیائے علوم اور خالص عقلیت پسندی پر مبنی فلسفے نے مغربی دنیا میں مذہب اور سیاست دونوں کو بہت متاثر کیا۔ مذہبی سطح پر سب سے بڑی یہ تبدیلی آئی کہ اصلاح مذہب کی تحریک شروع ہوگئی جس نے کلیسا کی بالادستی ختم کر دی۔

سیاست میں یہ تبدیلی آئی کہ بادشاہ پوپ کی عالمگیر مذہبی حکومت سے نکل کر آزاد ہوگئے۔ قومی حکومتیں وجود میں آئیں اور وطنی تعصب زندہ ہوا۔ اٹلی کے مشہور مفکر 'میکاولی' (۱۴۶۹ء تا ۱۵۳۲ء) نے سیاست کے نئے اصول پیش کرتے ہوئے باشاہوں کے لیے دھوکہ بازی اور مکر و فریب کو لازمی اور بادشاہ کی ذات کو ہر باز پرس سے بالاتر قرار دیا۔

۶۔ صنعتی انقلاب کا دور

انیسویں صدی میں صنعتی انقلاب اور مشینی ایجادات نے آخرت کے منکروں کر جیتے جی جنت میں پہنچا دیا۔ یہ سب طبعی سائنس پر دیوانہ وار محنت کا نتیجہ تھا۔ اس اقتصادی ترقی نے معاشرے کو بے شمار نئے مسائل سے دوچار کیا جن کو حل کرنے کے لئے نئے معاشرتی اور سیاسی تصوارت اور نظام پیش کیے گئے۔

۷۔ بیسویں صدی: نفاق اور جھوٹے ادیان کا دور

یہ نفاق، جھوٹے ادیان اور جھوٹی روایتوں کی صدی ثابت ہوئی، اس میں مختلف رجحانات اور افکار کسی قسم کی درجہ بندی کے بغیر نظر آتے ہیں اور باہمی تضادات کے باوجود بیک وقت موجود رہے۔ لوگ نظریاتی ادل بدل کے عادی ہوگئے۔ دو بالکل مختلف اطراف میں بھی کام کرنا ایک عام بات بن گئی۔ اس صدی کے دو مشہور فلسفے یہ ہیں:

- فلسفۂ عملیت (Pragmatism)

اس نظریے کے مطابق ’’کوئی خیال یا نظریہ بذات خود صحیح یا غلط نہیں ہوتا، بلکہ ہر خیال کی قدر وقیمت کا فیصلہ عملی یعنی مادی زندگی میں اس کے اثرات اور نتائج دیکھ کر کیا جائے گا‘‘۔

- منطقی ثبوتیت (Logical Positivism)

اس کا حاصل یہ ہے کہ ’’اسم کسی چیز پر دلالت نہیں کرتا، بلکہ ہر لفظ اور جملہ کسی مخصوص حالت (Situation) میں بولا جاتا ہے، چنانچہ جملے میں معنی ڈھونڈنے کے بجائے ہمیں اس حالت کا تجزیہ کرنا چاہیے جس میں یہ جملہ بولا گیا ہے‘‘۔

منطقی ثبوتیت کے قائلین کا کہنا ہے کہ جملے سے کچھ ثابت نہیں ہوسکتا جب تک کہ اس کا پس منظر نہ دیکھا جائے۔ مقصود یہ ہے کہ خدا، رسول، آخرت اور روح جیسے الفاظ کو ایک خاص صورتحال کا ردعمل مانا جائے۔ انہیں سچا کہا جائے نہ جھوٹا۔ کبھی وہ بامعنی تھے، اب بے معنی ہوچکے ہیں۔

۸۔ اسلام کی نشأۃ ثانیہ: اکیسویں صدی

اس دور میں باقی تمام چیزیں افکار وخیالات اور رجحانات بیسویں صدی کے سے ہیں۔ البتہ فرق یہ آیا ہے کہ ۱۹۸۰ء کے جہادِ افغانستان، سوویت یونین کی شکست وریخت، کیمونزم کی ناکامی، نیو ورلڈ آرڈر کے اعلان اور اس کو مسلط کرنے کے لیے عالم اسلام پر امریکی یلغار کے بعد...... ایک طرف ’اسلامی نظریے‘ کی پائیداری اور دوسری طرف مغربی افکار کی بے وزنی ثابت ہوگئی ہے۔ عالم اسلام طرح طرح کی آزمائشوں سے گزرنے کے بعد بھی حوصلہ مند ہے اور مغرب تمام تر وسائل جھونک کر بھی ہنوز کامیابی سے دور ہے۔

مغرب کے تیار کردہ متبادل نظامِ زندگی

فلسفے کے مختلف ادوار اور ان میں ابھرنے والے نظریات سے مغرب میں تین بڑی تحریکیں نمودار ہوئیں جن کا مدار خالص عقلیت پسندی اور مادہ پرستی پر تھا۔

۱۔ ہیومنزم یا انسان پرستی

۲۔ تحریک تنویر

۳۔ رومانیت

۱۔ انسان پرستی: (Humanism)

ہیومنزم (انسان پرستی) نے تحریک احیائے علوم کے ساتھ ساتھ جنم لیا تھا۔ ہزاروں برس سے یہ حقیقت مسلّمہ تھی کہ اولادِ آدم نوع کے لحاظ سے ’انسان‘ ہے۔ اور کائنات میں اس کی حیثیت ’بندے‘ کی ہے۔ مگر ہیومنزم کی تحریک نے انسان کے بندہ ہونے کی حیثیت کا انکار کرتے ہوئے اسے ’آزاد فرد‘ کا مقام دیا۔ انسان پرستی کا معنی ہے کائنات میں موجود چیزوں میں انسان کو سب سے اہم سمجھنا۔ اور ہر بات پر انسان کے نقطۂ نظر سے غور کرنا۔

۲۔ تحریک تنویر: (Enlightenment Movement)

انسائیکلوپیڈیا بریٹانیکا میں ’تحریک تنویر‘ کی درج تعریف کا خلاصہ یہ ہے:

’’یہ سترہویں اور اٹھارہویں صدی کی ایک یورپی علمی تحریک ہے جس میں خدا، عقل، فطرت اور انسان سے متعلقہ نظریات کو ایک وسیع دنیاوی نقطۂ نظر کے ساتھ اس طرح پیش کرنا ہے جو آرٹ، فلسفے اور سیاسیات میں انقلابی ترقی کا باعث ہو۔ تحریک تنویر کے نظریات کے مطابق جو آدمی کائنات کو سمجھنا اور اپنی حالت کو بہتر بنانا چاہتا ہے وہ عقل پر انحصار کرے۔ عقلیت پسند انسان، معلومات، آزادی اور خوشی کے حصول کی کوشش کرتا رہتا ہے۔‘‘

تحریک تنویر کے نزدیک انسانی عقل تین ذرائع استعمال کرکے اصل حقائق تک پہنچ سکتی ہے۔ وہ ذرائع ہیں: استقراء، استخراج اور وجدان۔ ’استقراء‘ کا معنی ہے جزئیات کے مشاہدے کے ذریعے کوئی قانون اخذ کرنا۔ ’استخراج‘ کا مطلب ہے ایک قاعدہ کلیہ سوچ کر اسے جزئیات پر منطبق کرکے حقیقت کا پتہ چلانا۔ ’وجدان‘ کا مطلب طبعی احساسات کے ذریعے کسی شے کے اچھے برے ہونے کا فیصلہ کرنا۔ پس مذہبی رہنمائی کی قطعاً ضرورت نہیں رہ جاتی۔

۳۔ رومانیت (Romanticism)

انسائیکلوپیڈیا بریٹانیکا میں رومانیت کی تعریف اس طرح کی گئی ہے:

’’یہ اٹھارہویں سے انیسویں صدی کے وسط تک مغربی معاشرے کو متاثر کرنے والا ایک عملی رجحان ہے جس نے ادب، مصوری، موسیقی، فن تعمیر، تنقید اور تاریخ نویسی پر گہرے اثرات چھوڑے۔‘‘

’تحریک رومانیت‘ بھی حواس خمسہ، عقل اور وجدان کو علم کا اصل ذریعہ سمجھتی تھی اور کسی خارجی ذریعۂ علم کی قائل نہیں تھی۔

ان تحریکوں کے اثر سے یہ طے ہوچکا تھا کہ انسان کی خواہش اور پسند ہی اچھے، برے کا معیار ہے اس لیے ایک آئیڈیل معاشرہ تشکیل دینے کے لیے بھی انسانی خواہش ہی کو محور بنایا گیا۔ یہ

بھی تسلیم کر لیا گیا کہ انسان کی سب سے بڑی خواہش آزادی ہے، یعنی انسان جو کچھ چاہے اسے حاصل کر سکے۔ انسان کی ترقی بھی اسی آزادی پر موقوف ہے۔ اب رہی یہ بات کہ انسان کی آزادی کس حد تک ہو اور کس انداز کی ہو؟ اس بارے میں مفکرین اور فلاسفروں میں اختلاف ہوا، اس طرح کئی نظامِ زندگی اختراع کیے گئے جن میں سیکولرازم، لبرل ازم اور کیمونیٹیرین ازم زیادہ اہم ہیں۔ یہ سب نظام اس بات پر متفق تھے کہ 'آزادیٔ فرد' افضل ترین مقصد ہے تاکہ جو چاہے وہ حاصل کر سکے۔ اسی طرح یہ تینوں مذہب کے انکار، خالص عقلیت پسندی اور انسان پرستی پر بھی متفق ہیں۔ بس طریقہ کار میں اختلاف تھا۔

اب ہم ان ازموں کا مرحلہ وار جائزہ لیں گے۔

سیکولرازم:

سیکولرازم انسانی زندگی کو دو الگ حصوں میں بانٹتا ہے؛ ذاتی زندگی، سماجی زندگی۔ ذاتی زندگی میں انسان مذہب پر عمل کرنا چاہے تو کر سکتا ہے۔ دوسرا حصہ سماجی زندگی کا ہے، اس میں مذہب کی مداخلت بالکل نہیں ہوگی بلکہ عقل بالاتر رہے گی۔

لبرل ازم:

لبرل ازم تین اصولوں پر قائم ہے......۱۔ آزادی ۲۔ مساوات ۳۔ عدل

آزادی کا مطلب یہ ہے کہ ہر انسان اپنی آزادی اور من مانی کا انفرادی طور پر اظہار کر سکتا ہے۔ مگر چونکہ اس قدر آزادی سے دوسروں کی زندگی میں خلل پڑ سکتا ہے اس لیے زندگی کو دو حصوں میں تقسیم کر لیا جائے؛ پبلک لائف اور پرائیویٹ لائف۔ پبلک لائف میں انسان ضروری معاشرتی پابندیوں کا لحاظ کرے اور پرائیوٹ لائف میں جو چاہے کرے۔ شراب پیے، بدفعلی کرے یا خدا کی عبادت کرے اس کی مرضی۔

مساوات سے یہ مراد ہے کہ انسان قانونی اور سیاسی طور پر برابر ہیں۔ قانونی طور پر اس طرح کہ قانون ہر شخص کو نجی زندگی میں کچھ بھی کرنے کی اجازت دیتا ہے۔ سیاسی طور پر مساوات اس طرح کہ ہر شخص کا ووٹ برابر ہے۔

لبرل ازم میں عدل کے تصور سے یہ مراد ہے کہ ہر انسان کے اہداف کو معاشرے میں یکساں احترام حاصل ہو گا چاہے وہ شفاخانہ قائم کرنے کا ہدف ہو یا قحبہ خانہ کھولنے کا۔

کیمونیٹیرین ازم:

اس کے بانی روسو ہیگل اور مارکس تھے۔ ان کے نزدیک ہر انسان انفرادی طور پر خیر اور شر کا فیصلہ کرنے کا حق نہیں رکھتا بلکہ اس کا فیصلہ انسانوں کی مجموعی اغراض کو دیکھ کر کرنا چاہیے۔ اس طرح کیمونیٹیرین ازم سے انسان کی آزادی کا اجتماعی تصور پیدا ہوا۔

آگے چل کر یہ نظریہ کئی شاخوں میں بٹ گیا۔ جن میں سے دو اہم ترین ہیں:

۱۔ قوم پرستی(Nationalism)

۲۔ اشتراکیت(Socialism)

۱۔ قوم پرستی(Nationalism)

قوم پرستی یہ کہتی ہے کہ انسانوں کو اپنی اجتماعی آزادی کا اظہار قومی حیثیت سے کرنا چاہیے۔ اب چونکہ قومیں کبھی نسلی بنیاد پر بنتی ہیں اور کبھی وطنی بنیاد پر، اس لیے قوم پرستی کی دو شکلیں بن گئیں۔

۱۔ وطنی قوم پرستی(Civil Grounded Nationalism)

اس نظریے میں لوگ کسی ریاست کے شہری ہونے کی حیثیت سے ایک قوم شمار ہوتے ہیں۔ ان کا مقصد اپنی قوم کے لیے زیادہ سے زیادہ آزادی، قوت اور وسائل جمع کرنا ہوتا ہے۔

۲۔ نسلی قوم پرستی(Ethical/Racial ground Nationalism)

اس نظریے میں لوگ کسی نسل سے تعلق کی بناء پر ایک قوم مانے جاتے ہیں۔

گزشتہ صدی میں ہٹلر نازی ازم قوم پرستی کا علمبردار تھا اور مسولینی کا فاشزم وطن پرستی کا علمبردار تھا۔

۲۔ اشتراکیت:(Socialism)

اشتراکیت یہ کہتی ہے کہ انسانوں کا اصل نمائندہ طبقہ مزدور لوگ ہیں۔ انہیں کی اغراض اور خواہشات کو انسانوں کی اغراض مان کر معاشرے کا نظام بنایا اور چلایا جائے۔ اشتراکیت اور قوم پرستی کی تمام قسمیں، کیمونیٹیرین ازم کی شاخیں ہیں۔ لبرل ازم کیمونیٹیرین ازم کا بھائی ہے۔ یہ نظریات اسلام سے کوئی تعلق نہیں رکھتے کیونکہ ان کا مقصد صرف دنیاداری، مفاد پرستی اور اتباعِ ہوا ہے۔ یہ نظام آزادی، مساوات، عدل اور ترقی کا جو معیار پیش کرتے ہیں اور اس کے لیے جو راہ اختیار کرتے ہیں، اس کا پہلا قدم ہی انسان کو مذہب سے منحرف کر دیتا ہے۔

(جاری ہے، ان شاء اللہ)

اخباری کالموں کا جائزہ

شاہین صدیقی

ریاستی انتخابات میں ہندُتوا کی جیت

رواں سال مارچ میں انڈیا کی پانچ اہم ریاستوں میں انتخابات اور اس کے نتائج سے نہ صرف سیاسی مبصرین بلکہ تمام سیاسی پارٹیاں بھی ششدر رہ گئی ہیں۔ ان پانچ ریاستوں میں سے چار ریاستوں، منی پور، گوا، اتراکھنڈ اور اترپردیش میں بی جے پی حکومت میں آگئی جبکہ پنجاب میں عام آدمی پارٹی نے کانگریس کو شکست دے کر وہاں حکومت سنبھال لی۔

ان سب ریاستوں میں سب سے پریشان کن معاملہ اترپردیش میں بی جے پی کی فتح کا ہے، کیونکہ وہاں کے وزیر اعلیٰ یوگی ادتیاناتھ کا رویہ انتہا پسندانہ اور مسلمانوں کے خلاف جارحانہ رہا۔ مسلمانوں کی املاک کو تباہ کرنے اور اپنی تقاریر میں مسلمانوں کے خلاف اشتعال انگیزی پھیلانے اور ان کی املاک کو 'بلڈوز' کرنے کی بار بار دھمکیاں دینے کی وجہ سے اس کا نام ہی ''بلڈوزر بابا'' پڑ چکا ہے۔

اترپردیش کی سیاسی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ یہ بات مشہور ہے کہ 'جو اترپریش میں حکومت کرے گا وہی مرکز میں حکومت کرے گا'۔ لیکن غور طلب بات یہ ہے کہ اترپردیش، جہاں ۸۰ فیصد ہندو اور ۲۰ فیصد مسلمان آباد ہیں، وہاں کی ہندو آبادی نے یوگی کی ناقص کارکردگی کے باوجود، اپنے مسائل کو نظر انداز کرتے ہوئے، مسلمانوں کے خلاف منافرت پھیلانے والے یوگی کو خالص مذہبی بنیاد پر ووٹ دیے۔

ان انتخابی نتائج کے بارے میں ندیم عبد القدیر اپنے کالم میں لکھتے ہیں:

بھگوا سیاست کا سورج نصف النہار پر | ندیم عبد القدیر

''منی پور ایک عیسائی ریاست ہے اور یہاں کے لوگوں نے ہندتوا سیاست کو ووٹ دیا۔ گوا میں بھی عیسائی آبادی ۲۵ فیصد ہے یہاں بھی بھگوا پارٹی اقتدار میں واپس آگئی اور یہ سب بھگوا تنظیموں کے ذریعے گرجا گھروں پر حملوں کے کئی واقعات کے باوجود ہو گیا۔ اتراکھنڈ ریاست جب سے قیام میں آئی ہے تب سے یہاں ایک بار کانگرس اور ایک بار بی جے پی حکومت بناتے رہے ہیں۔ یہ پہلی بار ہے جب یہاں کوئی پارٹی اپنی حکومت کا دفاع کرنے میں کامیاب رہی، اور یہ پارٹی بی جے پی ہے۔

پنجاب میں 'شرومنی اکالی دل' سکھوں کی واحد سیاسی جماعت ہے۔ پارٹی سکھوں کے حقوق کی واحد علمبردار ہے اس کے باوجود اس الیکشن میں سکھوں نے اپنی آنکھوں پر مذہب کی پٹی باندھ کر ووٹ نہیں دیا بلکہ مذہبی وابستگی سے بالاتر ہو کر انہوں نے عام آدمی پارٹی کو موقع دیا وہ بھی واضح اکثریت کے ساتھ۔ ان نتائج سے یہ ظاہر ہے کہ منی پور اور گوا کے عیسائی اور پنجاب کے سکھوں نے کسی بھی طرح سے مذہبی خطوط پر ووٹنگ نہیں کی، لیکن جب آپ ہندو ریاستوں کے نتائج دیکھتے ہیں تو یہاں صرف اور صرف مذہبی وابستگی پر ہی ووٹنگ دکھائی دیتی ہے پھر وہ اتراکھنڈ ہو یا پھر اترپردیش۔

اترپردیش کے انتخابی نتائج نے تو کئی ریکارڈ بنا دیے، کیونکہ ۱۹۹۶ء کے بعد سے یوپی میں پہلی بار کوئی پارٹی اپنی حکومت کا دفاع کرنے میں کامیاب رہی ہے......بی جے پی کو تقریباً ۴۴ فیصد ووٹ ملے ہیں جبکہ یوپی میں اعلیٰ ذات ہندو آبادی محض ۲۰ فیصد ہے......

......اس لحاظ سے دیکھا جائے تو صرف بی جے پی ہی وہ پارٹی ہے جسے اس کے روایتی اعلیٰ ذات ہندو ووٹروں سے زیادہ ووٹ ملے ہیں۔ ووٹروں کے اس رجحان کا مطلب یہ ہے کہ پچھلے پانچ سالوں کی تمام تباہ کاریوں کے باوجود بی جے پی کو صرف اس کے روایتی اعلیٰ ذات ہندو ووٹروں نے ہی اقتدار میں واپس نہیں لایا ہے بلکہ اس کام میں دیگر ذاتوں نے برابری کا یا پھر بڑھ چڑھ کر حصہ لیا ہے۔ انہیں پچھلے پانچ سال میں ریاست میں ہونے والی تاریخی بربادی کی کوئی پرواہ ہی نہیں رہی۔ عالم یہ ہے کہ ہندو ووٹر لاٹھیاں کھا کر، مہنگائی جھیل کر، ہسپتالوں کی خستہ حالی کے سبب اپنے رشتہ داروں کی لاشیں اٹھا کر اور اپنی ذات برادری پر ہونے والے تمام ظلم دیکھنے کے بعد بھی خوشی خوشی بی جے پی کو ووٹ دے رہا ہے۔ اس نے آخر یوگی حکومت میں ایسا کیا دیکھ لیا کہ وہ سب مصیبتیں جھیلنے پر بھی راضی ہے؟ اپنے دورِ اقتدار میں یوگی حکومت نے اگر کوئی کام سب سے زیادہ جوش و خروش کے ساتھ کیا ہے تو وہ صرف اور صرف مسلمانوں کو ہراساں کرنا ہے۔ مسلم لیڈروں کے خلاف درجنوں معاملات درج کر کے انہیں جیل میں ڈالنا، مسلمانوں پر حکومت کے ذریعے کیے جانے والی ستم ظریفیوں کو اپنے کارنامے کے طور پر بتانا، لوٗجہاد کے نام پر مسلم نوجوان اور ان کے اہل خانہ کو ہراساں کرنا، گاؤ ہتیا کا الزام لگا کر مسلمانوں پر ظلم کے پہاڑ توڑنا، مسلمانوں پر یو اے پی اے عائد کرنا، انہیں جیل میں ٹھونسنا، ان کے مکانوں کو بلڈوزر سے منہدم کر دینا۔ یہی وہ سارے کام ہیں جو یوگی حکومت نے کیے ہیں اور اس کے بدلے بی جے پی کا واضح

اکثریت کے ساتھ حکومت میں آنا اس بات کو واضح کرتا ہے کہ اتر پردیش کا ووٹر مسلمانوں پر ظلم کو دیکھ کر اتنا خوش ہے کہ وہ اس کے لیے ہر طرح کی مصیبتوں کو جھیلنے کے لیے بھی تیار ہے۔"

[روزنامہ اردو ٹائمز | ۱۳ مارچ ۲۰۲۲ء]

بی جے پی کی اس کامیابی کا راز کیا ہے اور آخر وہ کیسے اپنے روایتی اعلیٰ ذات کے ہندو ووٹروں سے آگے نکل کر تمام ہندو ذاتوں کا ووٹ حاصل کرنے میں کامیاب ہوئی اس حوالے سے رام پنیانی لکھتے ہیں:

اسمبلی انتخابات میں بی جے پی کی فتح کا مطلب سمجھیے | رام پنیانی

"بی جے پی کے حق میں کئی اسباب کام کر رہے تھے۔ فرقہ وارانہ پولرائزیشن تو تھا ہی، آر ایس ایس کا انتہائی اثر دار نیٹ ورک بھی تھا۔ ہمیں یہ یاد رکھنا ہوگا کہ بی جے پی ایک بڑے کنبے کا حصہ ہے، جس کی قیادت ہندو نیشنلزم کی بنیادی تنظیم آر ایس ایس کے ہاتھوں میں ہے۔ جب بھی کوئی انتخاب ہوتا ہے، آر ایس ایس کے ہزاروں پرچارک اور لاکھوں سوئم سیوک بی جے پی کی طرف سے محاذ سنبھال لیتے ہیں۔ اتر پردیش میں انتخاب سے پہلے آر ایس ایس کے سرکردہ لیڈر 'ارون کمار' نے آر ایس ایس سے منسلک تنظیموں کے لیڈروں کی ایک میٹنگ بلا کر انہیں یہ ہدایت دی تھی کہ انتخابی مہم میں وہ بی جے پی کی مدد کریں۔ اس بار تو آر ایس ایس کے کھیا موہن بھاگوت نے بھی کھل کر کہا تھا کہ انتخابی مہم میں ہندوتوادی پروگراموں (رام مندر، کاشی وشواناتھ کاریڈور) اور نیشنلسٹ سرگرمیوں (بالاکوٹ) کا تذکرہ ترجیحی بنیاد پر کیا جائے......

......جہاں تک ذات پر مبنی فارمولوں کا سوال ہے، انہیں اپنے حق میں کرنے کے لیے مذہبی پولرائزیشن کو مزید گہرا کیا گیا۔ سوشل انجینیئرنگ کے ذریعہ پارٹی نے پہلے ہی دلت طبقات کو اپنے ساتھ لے لیا تھا۔ آر ایس ایس کے کنبے کے پاس پہلے سے ہی ایک مضبوط تشہیری نظام ہے جس کے ذریعہ وہ سماج کے ہر شخص تک اپنی بات پہنچا سکتا ہے۔ یہ واقعی حیرت انگیز ہے کہ آر ایس ایس نے کس طرح بڑھتی ہوئی قیمتوں، نوجوانوں میں بے روزگاری، کسانوں کی بدحالی اور اقلیتوں کو دہشت زدہ کرنے کے کئی واقعات کے باوجود ووٹروں کو اپنے حق میں کرنے میں کامیابی حاصل کی۔"

[روزنامہ اردو ٹائمز | ۲۰ مارچ ۲۰۲۲ء]

ریاستی انتخابات میں بی جے پی کی فتح اور کانگریس کی بری طرح شکست یہ واضح کرتی ہے کہ ہندوستان میں سیکولرازم کا نظریہ اپنی کشش کھو چکا ہے۔ ہندو اکثریت اس نظریے سے بیزار ہو چکی ہے اور اس کا ووٹ اب خالص مذہبی بنیادوں پر ہوتا ہے۔ جبکہ مسلمانوں کے علاوہ دیگر اقلیتوں کے لیے بھی اس نظریے میں اب کشش نہیں رہی بلکہ ان کے لیے زیادہ ترجیحی چیز معاشی استحکام اور خوشحالی ہے۔ صرف مسلمان ہی واحد طبقہ رہ گیا ہے جو سیکولرازم کے نظریے میں اپنی بقا تلاش کر رہا ہے۔ لیکن ضروری ہے کہ مسلمان اب اس دھوکے سے باہر آجائیں اور سرابوں کے پیچھے بھاگنے کی بجائے اپنے مسائل کا عملی حل سوچنے کی جانب توجہ دیں۔ اور دوسروں پر بھروسہ کرنے اور دوسروں پر امیدیں لگانے کی بجائے اپنے دفاع کو مضبوط کرنے پر توجہ دیں۔

کرناٹک میں مسلم دشمن اقدامات

حجاب کے خلاف کرناٹک ہائی کورٹ کا فیصلہ

گزشتہ چند مہینوں سے کرناٹک کے تعلیمی اداروں میں حجاب پر پابندی موضوعِ بحث بنی رہی ہے۔ کرناٹک کی ہائی کورٹ نے اپنے جاری کردہ فیصلے میں تمام ریاستی تعلیمی اداروں میں حجاب پر یہ کہہ کر پابندی لگا دی ہے کہ اسلام میں حجاب فرض نہیں بلکہ اختیاری ہے، اس لیے یہ یونیفارم میں شامل نہیں ہوگا۔

یہ فیصلہ پوری ریاست میں لاگو کر دیا گیا اور مسلمان طالبات کو بھی صرف یونیفارم میں بغیر حجاب کے تعلیمی اداروں میں آنے کی ہدایت کر دی گئی۔ واضح رہے کہ سکھوں کی پگڑی یونیفارم کے اس فیصلے سے مستثنیٰ ہے۔ طالبات نے اب کرناٹک ہائی کورٹ کے اس فیصلے کے خلاف سپریم کورٹ کا رخ کیا ہے۔

اس حوالے سے رشید الدین روزنامہ سیاست میں لکھتے ہیں:

ظلم سہتا ہوا انسان برا لگتا ہے | رشید الدین

"حجاب پر تنازع کا مقصد طالبات کو اسلام کے ساتھ ساتھ تعلیم سے دور کرنا ہے۔ قابل مبارکباد ہیں وہ لڑکیاں جنہوں نے کلاس اور امتحانات کے بائیکاٹ کو ترجیح دی لیکن شریعت پر کوئی سمجھوتہ نہیں کیا۔ طالبات نے دنیاوی تعلیم پر حجاب کو ترجیح دیتے ہوئے اسلامی حمیت کا ثبوت دیا ہے۔ حیرت اس بات پر ہے کہ ملک بھر میں حجاب کی تائید میں خواتین میدان میں ہیں لیکن خواتین کے حقوق کے تحفظ کی جدوجہد کا دعویٰ کرنے والی تنظیمیں اور جہدکار خاموش ہیں۔ بے حیائی کو عام کرنے کا معاملہ آتا ہے تو یہ روشن خیال اور ترقی پسند جہدکار میدان میں آجاتے ہیں۔ افسوس تو ان مسلم قیادتوں پر ہوتا ہے جو مسلمانوں کی نمائندگی کا دم تو بھرتے ہیں لیکن خواتین کی تائید میں میدان عمل میں آنے کے لیے تیار نہیں۔"

[روزنامہ سیاست | ۲۰ فروری ۲۰۲۲ء]

لیکن مسلمانوں میں بعض دانشور ایسے بھی ہیں جن کی رائے یہ ہے کہ تعلیم کے حصول کے لیے مسلم طالبات کو حجاب چھوڑ دینا چاہیے۔ اسی طرح کے ایک دانشور خالد شیخ روزنامہ انقلاب میں لکھتے ہیں:

حجاب معاملے میں کرناٹک حکومت کی غلط بیانی | خالد شیخ

”ہم نے چند ایک لڑکیوں اور خواتین کو نیوز چینلوں پر یہ کہتے سنا کہ تعلیم چھوڑ دیں گے لیکن حجاب نہیں چھوڑیں گے۔ ہم اس سے متفق نہیں ہیں۔ حجاب و نقاب اور پردے کی اہمیت مسلّم ہے لیکن جس مذہب کی وحی کا آغاز اقراء سے ہوا ہو، علم و تعلیم کے حصول کے تئیں اس طرح کا رویہ نامناسب ہے......

......جن طالبات کو حجاب کے سبب تعلیم میں دشواریوں کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے اُن کے لیے ضروری ہے کہ اپنے آئینی حق کے لیے جدوجہد جاری رکھیں جس میں انہیں سماج کے مختلف طبقات اور دانشوروں کی حمایت حاصل ہو رہی ہے مگر اس کے ساتھ ہی حصولِ تعلیم کا سلسلہ بھی جاری رکھیں۔ اگر انہوں نے سلسلۂ تعلیم منقطع کر دیا تو یہ مخالفین کی جیت ہو گی جو چاہتے ہی ہیں کہ مسلم بچیاں تعلیم سے دور ہو جائیں۔“

[روزنامہ انقلاب | ۲۴ فروری ۲۰۲۲ء]

کرناٹک ہائی کورٹ کے فیصلے اور بعض مسلمان مذہبی رہنماؤں کی اس رائے، کہ حجاب ایک اختیاری معاملہ ہے، پر تنقید کرتے ہوئے ندیم عبد القدیر لکھتے ہیں:

کرناٹک ہائی کورٹ کے استدلال کی خامیاں | ندیم عبد القدیر

”دراصل عدالت کی ’حجاب اسلام کا لازمی جز نہیں ہے‘ کی تھیوری کے پیچھے اُن جاہل مسلم دانشوروں کی دلیل ہے کہ ”اسلام میں حجاب آپ کی پسند ناپسند کا معاملہ ہے۔ آپ پہننا چاہتے ہیں تو پہنیے ورنہ مت پہنیے“۔ ان جاہل لوگوں نے ہی حجاب کو ’میٹر آف چوائس‘ Matter of Choice بنا دیا اور اس دلیل نے ہی سارا بیڑہ غرق کر کے رکھ دیا ہے۔ قرآن میں جابجا کہا گیا ہے کہ ”سچ بولو“، ”جب بھی تولو، پورا پورا ناپ تولو“، جو وعدہ کرو، اسے پورا کرو“۔ اگر پسند ناپسند اور میٹر آف چوائس کی ہی تھیوری ان احکامات پر بھی نافذ کی جائے تو یہ ساری باتیں بھی اسلام کی لازمی جز نہیں رہ جائیں گی۔ پھر اسلام کی تشریح کچھ اس طرح ہو گی کہ سچ بولنا ہے تو بولو ورنہ مت بولو اسلام میں ضروری نہیں ہے۔ یہ میٹر آف چوائس ہے۔“

[روزنامہ اردو ٹائمز | ۲۰ مارچ ۲۰۲۲ء]

رشید الدین حجاب کیس میں مسلم قیادت کے کردار پر تنقید کرتے ہوئے اپنے ایک اور کالم میں لکھتے ہیں:

ہم تو پھول جیسے تھے آگ سا بنا ڈالا | رشید الدین

”جارحانہ فرقہ پرست طاقتوں سے مقابلہ کے لیے مسلم قیادت، جماعتوں اور تنظیموں کا موقف ناقابل فہم ہے۔ مسلسل حملوں کے باوجود مسلم قیادت صرف بیان بازی کے ذریعے زبانی احتجاج کو سب کچھ سمجھ رہی ہے۔ حالانکہ وقت کی ضرورت ہے کہ عملی طور پر ظالم کا ہاتھ روکنے کی کوشش کی جائے......

......ابھی تو تجربہ صرف ایک ریاست میں چل رہا ہے، لیکن اگر خاموش رہیں تو سپریم کورٹ کا فیصلہ بھی حجاب کے خلاف آئے گا، اور اسے سارے ملک میں نافذ کرنے کی کوشش کی جائے گی......

......مسلم پرسنل لا بورڈ اور دیگر مسلم قیادتوں کو اپنے نجی اختلافات کو فراموش کرتے ہوئے متحدہ طور پر میدان عمل میں اترنا ہو گا کیونکہ دنیا صرف طاقت کی زبان سمجھتی ہے۔ اگر موجودہ قیادتیں شریعت کے تحفظ میں ناکام ہو جائیں تو آنے والی نسلیں کبھی معاف نہیں کریں گی۔“

[روزنامہ سیاست | ۱۳ اپریل ۲۰۲۲ء]

حلال پروڈکٹس کے خلاف مہم

ابھی حجاب معاملہ ٹھنڈا بھی نہیں ہوا تھا کہ ہندُتوا غنڈوں نے حکومتی سرپرستی میں ایک نیا کھیل شروع کر دیا۔ کرناٹک میں مسلمان دکانداروں کے خلاف پمفلٹ بانٹے جا رہے ہیں، اور اس دفعہ وہ ’حلال گوشت‘ پر پابندی عائد کرنے کی دھمکیاں دے رہے ہیں۔ خبر یہ ہے کہ بھگوا غنڈوں نے ریاست میں بہت سے دکانداروں کو اور ریسٹورنٹ مالکان کو زدوکوب کیا اور تشدد کا نشانہ بنایا جنھوں نے اپنے پاس ”یہاں حلال فوڈ دستیاب ہے“ کے بورڈ لگا رکھے ہیں۔

بجرنگ دل کے غنڈے حلال پروڈکٹس کو ”معاشی جہاد“ کا نام دے کر اس کے خلاف سرگرم ہو چکے ہیں اس معاملے میں دکانداروں اور صارفین کو دھمکی آمیز پمفلٹ بانٹے جا رہے ہیں اور مطالبہ کیا جا رہا ہے کہ مسلمان گاہک بھی گوشت ہندو دکانداروں سے خریدیں۔

اس حوالے سے ندیم عبد القدیر اپنے کالم میں لکھتے ہیں:

کرناٹک ہندتوا کی نئی تجربہ گاہ | ندیم عبد القدیر

”حلال گوشت کے خلاف مہم تو ناقابل یقین ہی محسوس ہوتی ہے۔ ہندوستان میں عموماً اور کرناٹک میں خصوصاً ہندتوا وادیوں کے سر پر مسلمانوں سے دشمنی اس قدر حاوی ہو گئی ہے کہ حلال گوشت پر بھی اعتراض ہونے لگے ہیں۔ دنیا میں بڑے بڑے مسلم دشمن پیدا ہوئے ہیں لیکن آج تک کسی بھی مسلم دشمن

کے دماغ میں ”حلال گوشت“ کی مخالفت کا آئیڈیا نہیں آیا۔ مسلمانوں کے خلاف خناس اتنا بڑھ چکا ہے کہ وہ ’حرام‘ کو ’حلال‘ سے بہتر سمجھنے لگے ہیں اور کھلے عام ’حرام‘ گوشت کو کھانے کی خواہش کا اظہار کر رہے ہیں۔ حلال گوشت کے خلاف مہم پوری شد و مد کے ساتھ چل رہی ہے اور ہندوؤں کو یہ بتایا جا رہا ہے کہ وہ حلال نہیں بلکہ حرام گوشت کھائیں۔

گزشتہ دنوں کرناٹک میں وشو ہندو پریشد کے کچھ غنڈوں نے ایک مسلمان کی چکن کی دکان پر پہنچ کر اس سے ’حرام‘ گوشت کی مانگ کر دی (حلال کی ضد حرام ہی ہوتی ہے)۔ جب دکاندار نے ان سے معذرت کی تو انہوں نے دکاندار کو پیٹنا شروع کر دیا۔ یہ بالکل ایسا ہی ہے جیسے ہم ممبئی کے کسی ’ویج ریسٹورنٹ‘ میں جا کر اس سے ’بڑے کے پائے‘ مانگیں اور جب وہ نہ دے تو اسے مارنا شروع کر دیں......

حجاب کی مخالفت، مسلم دکانداروں پر پابندی اور اب حلال گوشت کے خلاف مہم مسلمانوں کو ہراساں کرنے کے نت نئے حربے ہیں۔ یہ سلسلہ جاری ہے جبکہ دوسری طرف حکومت، پولیس اور عدالت کی حالت ’ٹک ٹک دیدم، دم نہ کشیدم‘ جیسی ہے۔

وہ مسلم دانشور جو شرپسندوں کے ہر ظلم کا ٹھیکرا کسی نہ کسی بہانے سے مسلمانوں ہی کے سر پھوڑنے کی کوشش کرتے ہیں، آخر اس معاملے میں کیا فرمائیں گے؟ حجاب کے معاملے میں مسلمانوں کو یہ مشورہ دیا گیا کہ تعلیم ضروری ہے حجاب نہیں اور یہ کہہ کر ان مسلم دانشوروں نے شرپسندوں کے ظالمانہ مطالبے کو مان لینے کی نصیحت کی۔ حلال گوشت کے معاملے میں اب وہ کیا جواز پیش کریں گے؟ کیا وہ مسلمانوں کو یہ مشورہ دیں گے کہ ’حلال گوشت‘ بھی کھانا اسلام میں ضروری نہیں؟......

......انسانی تاریخ میں ایسی نفرت کسی بھی قوم میں نہیں پائی گئی جو آج ملک کے ہندتوا وادیوں کے دلوں میں مسلمانوں کے خلاف ہے۔“

[روزنامہ اردو ٹائمز | ۱۳ اپریل ۲۰۲۲ء]

سکولوں میں بھگوت گیتا کی تعلیم لازمی

کرناٹک میں حجاب اور حلال پروڈکٹس کے معاملے کے بعد اب تازہ معاملہ سکولوں میں بھگوت گیتا کی تعلیم کو لازمی کرنے کا ہے۔ گجرات حکومت کی جانب سے سکولوں میں بھگوت گیتا پڑھائے جانے کے فیصلے کے بعد کرناٹک حکومت نے بھی اسکول کے نصاب میں بھگوت گیتا پڑھانے کا اعلان کیا ہے۔ اس حوالے سے روزنامہ سیاست میں ایک ہندو کالم نگار ”سہاش گٹاڈے“ لکھتے ہیں:

اسکولوں میں حجاب غیر سیکولر اور بھگوت گیتا سیکولر | سہاش گٹاڈے

”حجاب کی جب بات آتی ہے تو بی جے پی اسے سیکولر اسکولوں میں دراندازی قرار دیتی ہے۔ حجاب کرنے والی طالبات کو اسکولوں اور کالجوں میں داخل ہونے سے روکنے کی تائید کرتی ہے، لیکن انہیں سیکولر تعلیمی اداروں میں جب بھگوت گیتا پڑھانے کی بات آتی ہے تو وہ اس کا خیر مقدم کرتی ہے۔ اس طرح کے تضاد سے بی جے پی کی منافقت اور اس کی منفی سوچ کا اندازہ ہوتا ہے......

......بی جے پی کے قائدین نے یہ کہتے ہوئے حجاب پر پابندی کو معقولیت پر مبنی قدم قرار دیا تھا کہ مذہبی علامتوں یا شعائر کے لیے اسکولوں میں کوئی جگہ نہیں ہے۔ ان لوگوں نے حجاب پر پابندی کی پر جوش انداز میں تائید کی۔ بھگوت گیتا کو پڑھانے کی تائید کرتے ہوئے پارٹی اور نہ ہی حکومت کو یہ یاد رہا کہ ان لوگوں نے ہی حجاب پر پابندی کی وکالت کرتے ہوئے یہ کہا تھا کہ اسکولوں میں تعلیم دی جاتی ہے، مذہبی درس نہیں دیا جاتا اور مذہبی علامتوں کے لیے یہاں کوئی جگہ نہیں ہے......

......اسکولوں میں مذہبی تعلیم کی باتیں کرنے والے یہ جان لیں کہ مذہبی تعلیم کے لیے آر ایس ایس اور دیگر منفرد مذہبی رہنماؤں کے قائم کردہ لاکھوں ادارے موجود ہیں۔ صرف ایک کمیونٹی کو نشانہ بنا کر اپنا الو سیدھا کرنے کے لیے مذہب اور مذہبی تعلیم کے نعرے لگائے جا رہے ہیں۔ تعلیم ایسی ہونی چاہیے جس سے اخوت و بھائی چارگی اور انسانیت مستحکم ہو نہ کہ سماج مذہب کی بنیاد پر بٹ جائے۔“

[روزنامہ سیاست | ۱۳ اپریل ۲۰۲۲ء]

یکساں سول کوڈ کی کوششیں

ہندوستان کے مسلمانوں کے خلاف یکے بعد دیگرے اقدامات میں ’یکساں سول کوڈ‘ کا نفاذ بھی بی جے پی کی فہرست میں شامل ہے۔ uniform civil code یا یکساں سول کوڈ سے مراد تمام شہریوں کے لیے یکساں قوانین کا نفاذ ہے۔ چاہے وہ شہری ہندو ہو، عیسائی ہو یا مسلمان۔ ہر شہری کے لیے شادی بیاہ، طلاق، وراثت اور دیگر معاملات میں یکساں قوانین ہوں گے اور پرسنل لا کی کوئی اہمیت نہیں ہو گی۔

ہندوستان کی تاریخ میں پہلے بھی کئی مرتبہ یکساں سول کوڈ کے اطلاق پر طویل قانونی بحثیں ہوئی ہیں۔ لیکن بی جے پی کے ’ہندو راشٹر‘ بنانے کے منصوبے کی تکمیل میں ترنگا پرچم کی جگہ بھگوا پرچم، اور یکساں سول کوڈ کا پورے ہندوستان میں اطلاق ابھی باقی ہے۔ اس کے لیے جن ریاستوں سے بی جے پی ابھی الیکشن جیتی ہے وہاں ان قوانین کے اطلاق کے لیے کوششیں شروع کر دی گئی ہیں۔

اس حوالے سے رشید الدین روزنامہ اردو ٹائمز میں لکھتے ہیں:

دریچوں تک چلے آئے تمہارے دور کے خطرے | رشید الدین

"رام مندر، کشمیر کی دفعہ ۳۷۰ اور یکساں سول کوڈ ہمیشہ بی جے پی کے ایجنڈہ میں شامل رہے ہیں۔ رام مندر کے حق میں سپریم کورٹ نے فیصلہ دیا اور مرکز نے کشمیر کے خصوصی مؤقف سے متعلق دفعہ ۳۷۰ کو پارلیمنٹ کے ذریعے ختم کیا۔ اب یکساں سول کوڈ کے نفاذ کی باری ہے۔ اگرچہ یکساں سول کوڈ سے دیگر مذاہب بھی متاثر ہوں گے لیکن اصل نشانہ اسلامی شریعت ہے۔ پارلیمنٹ کے ذریعے اور عدالتی فیصلوں کی آڑ میں شریعت میں مداخلت کا آغاز ہو چکا ہے۔ اگر ملک میں سیکولر اور جمہوری طاقتوں کا کمزور مؤقف جاری رہا اور مسلم قیادتیں بے حسی کا شکار رہیں تو ملک میں یکساں سول کوڈ کے نفاذ سے بی جے پی کو کوئی طاقت نہیں روک پائے گی۔"

[روزنامہ اردو ٹائمز | ۳۰ مارچ ۲۰۲۲ء]

اختتامیہ

ہندوستان کے مسلمانوں کو موجودہ حالات میں جس سیاسی، معاشی اور سماجی ابتری کا سامنا ہے اور جس طرح انہیں بزور طاقت کچلا جا رہا ہے، مسلمان دانشور اور لکھاری طبقہ بھی الّا ماشاء اللہ اس کی وجہ سے ایک طرح کی مایوسی کی کیفیت سے گزر رہا ہے۔

موجودہ حالات میں مسلمانوں کے لیے حل کیا ہے اور انہیں کیا حکمت عملی اپنانی چاہیے اس حوالے سے روزنامہ سیاست میں ایک کالم نگار ظفر آغا لکھتے ہیں:

کرناٹک کے مسلمانوں کے لیے لمحۂ فکریہ | ظفر آغا

"ہندوستان میں اس وقت جو سیاسی حالات ہیں ان کے مد نظر مسلمانوں کے لیے محض وہی حکمت عملی کارگر ہو سکتی ہے جو رسول کریم ﷺ نے اپنے مکی دور میں اختیار کی تھی۔ یعنی مکہ میں رسول کریم ﷺ نے دس برس تک اعلان نبوت کے بعد محض صبر سے کام لیا۔ یہاں تک کہ رسول پر کوڑا بھی پھینکا گیا لیکن آپ نے اُف بھی نہیں کی۔ ہندوستان کے حالیہ سیاسی ماحول میں مسلمان کے پاس رسول ﷺ کے مکی دور کی طرح سوائے صبر کے اور کوئی چارہ نہیں ہے۔ مشرقی ہندوستان کے مسلمان کو یہ بات سمجھ میں آ چکی ہے، چنانچہ گروگرام میں پارکوں میں جمعہ کی نماز پر پابندی کے باوجود وہ سڑکوں پر نہیں نکلا اور نہ ہی اس نے بند وغیرہ کیا۔ کرناٹک کے مسلمان کو بھی حجاب کے معاملے میں صبر سے کام لینا ہوگا۔ شرعی یعنی علماء کی قیادت سے سخت گریز کرنا ہوگا۔ اس معاملے میں ایس این ڈی پی جو سیاست کر رہی ہے وہ وہی جذباتی سیاست ہے جو حیدر آباد میں اسد الدین اویسی کرتے ہیں۔ اس سے ایس این ڈی پی کو تو سیاسی فائدہ ہوگا لیکن کرناٹک کا مسلمان آخر میں مارا جائے گا۔ اس لیے کرناٹک سمیت سارے ہندوستان میں مسلمان کو جوش سے نہیں ہوشمندی سے کام لینے کی ضرورت ہے۔"

[روزنامہ سیاست | ۲۰ مارچ ۲۰۲۲ء]

سوال یہ ہے کہ اس قدر ظلم کے سامنے صبر کب تک؟ روزانہ کی بنیاد پر مسلمان قتل ہو رہے ہیں۔ کبھی ہجوم زنی کی زد میں آ کر، کبھی گائے کے ذبیحہ کے الزام میں۔ روزانہ کی بنیاد پر مسلمان عورتوں کا تقدس پامال ہو رہا ہے، کبھی بُلی بائی، سُلی ایپ بنا کر، کبھی حجاب پر پابندی لگا کر۔ روزانہ کی بنیاد پر مسلمانوں کا معاشی استحصال ہو رہا ہے کبھی دکانداروں کو کاروبار سے روک کر، کبھی ان کا بائیکاٹ کر کے کبھی حلال گوشت پر پابندی کا مطالبہ کر کے۔

بی جے پی کی حکومت الیکشن کے بعد اب پہلے سے زیادہ تازہ دم ہو کر مسلمانوں پر حملے کر رہی ہے اور ہندتوا کے ایجنڈے کو کامیابی سے آگے بڑھانے کے لیے پوری طرح تیار ہے۔ دس سے زائد ریاستوں میں 'لَو جہاد' کے نام پر تبدیلیٔ مذہب پر پابندی عائد کی گئی اور اب مساجد سے اذان کی آواز بھی انہیں گوارا نہیں ہو رہی اور صوتی آلودگی کے نام پر مساجد میں لاؤڈ اسپیکر پر اذان کے خلاف مطالبے اٹھ رہے ہیں۔ ایسے میں ہندوستانی مسلمان کب تک اپنے گھر میں بیٹھ کر اپنی باری کا انتظار کرتا رہے گا؟

یوں نہ بیٹھے ہوئے خالی ہاتھوں کو مل
گھر بچانا ہے اپنا تو گھر سے نکل
بِن طلب حال رب بھی بدلتا نہیں
یہ قرآں کے یہ فیصلہ ہے اٹل
آنسوؤں سے بدلتے ہیں حالات کب
وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ پہ چل

☆☆☆☆☆

ظلمت رات کی......!

محترمہ عامرہ احسان صاحبہ

پوٹن اکیسویں صدی کا ہٹلر بن کر روسی گم گشتہ سلطنت دوبارہ حاصل کرنے کو قطبی بھنور بنا، ناگہانی بلا بن کر یورپ پر ٹوٹ پڑا ہے۔ یوکرین، نیٹو امریکہ کو مدد کے لیے پکارتا رہ گیا۔ روس کی مذمت اور یوکرین کو لارے لپے کے سوا حقیقی مدد انہوں نے فراہم نہ کی۔ یوکرینی صدر اور وزیر خارجہ دکھ بھرے طعنے دیتے رہ گئے۔ 'نیٹو اتحاد' روس کے سامنے بھیگی بلی بن گیا۔ امریکہ نیٹو کی کمر ۲۰ سالہ افغان جنگ کی مار اور اخراجات کے ہاتھوں ٹوٹ چکی، وہ کچھ کہنے کے قابل بھی نہیں۔ یہی دیکھ لیجیے کہ امریکی فوجیوں پر اب سے لے کر ۲۰۵۰ء تک ۲ کھرب ڈالر خرچ ہو گا، اخراجات مابعد جنگ کے زمرے میں۔ ۴۶۵ ارب ڈالر تو افغانستان سے معذور ہو کر آنے والے فوجیوں پر خرچ ہو چکے۔ مزید روس سے الجھنے کی سکت بڑے چودھری صاحب میں کہاں! تاہم یوکرین کے خلاف جنگ میں دنیا کی مہذب ترین اقوام (بزعم خود) کے چہرے کا نقاب فوراً ہی اتر گیا۔ 'انسانیت' کے بہی خواہوں کی نسلی برتری کا خمار میڈیا میں خبث باطن بن کر پھوٹ پڑا۔ صحافی معاشرے کا باشعور طبقہ سمجھے جاتے ہیں۔ جنگوں کی کوریج کرنے والے، جنہوں نے دنیا دیکھی ہوتی ہے، ان سے وسعت نظر اور حساسیت کی توقع رکھی جاتی ہے۔

یوکرین میں جنگی تباہی اور گورے یورپی نسل کے یوکرینیوں کو مرتا دیکھ کر نسلی تفاخر امڈ آیا۔ یہی رویہ اینکروں کے علاوہ ان ممالک کے منصب داروں کا بھی تھا۔ فرانس کے BFMTV کا کہنا تھا:

> "ہم اکیسویں صدی میں ہیں، ہم ایک یورپی شہر میں ہیں اور یہاں کروز میزائل یوں فائر کیے جارہے ہیں گویا ہم عراق یا افغانستان میں ہوں! کیا آپ سوچ سکتے ہیں؟"

عراق و افغانستان پر مسلط کردہ خونخوار جنگ کیا اکیسویں صدی میں نہ تھی؟ CBS نیوز پر ارشاد ہوا:

> "یہ شامی مہاجر نہیں ہیں...... یہ عیسائی ہیں، گورے ہیں، یہ بالکل ہم جیسے ہیں۔"

ان قوموں نے (بلا استثناء سبھی مغربیوں نے اتنے ہی نسلی منافرت بھرے جملے سرے عام کہتے ہیں) بہر طور یہ ثابت کر دکھایا ہے کہ یہ گلوبل حکمرانی کے لیے کتنے نااہل ہیں۔ جابجا ایسے الفاظ BBC پر کہے گئے:

> "یہ نیلی آنکھوں سنہری بالوں والے ہیں، انہیں مرتا دیکھنا بہت مشکل ہے!"

اگرچہ روس نے جب چیچن مارے تھے تو وہ کوہ قاف کے خوبصورت ترین شہزادے اور پریاں تھیں، یا افغانستان کے خوبصورت بچے اور نوجوان بھی گورے چٹے نیلی آنکھوں والے تھے۔ جن شامیوں پر قیامت ڈھائی وہ بھی رنگ روپ میں کچھ کم نہ تھے۔

صاف کہو، مسلمان کا مقدر راکٹ، میزائل مار کر پرخچے اڑتے قبرستان آباد کیے چلے جانا ہے، گورا ہو گندمی ہو یا کالا۔

خود یوکرین میں پناہ گزینوں کے ساتھ نسلی امتیاز کے بدترین مظاہر دیکھے جارہے ہیں۔ سفید فام اور سیاہ فام کی لائنیں الگ بنوا کر امتیازی سلوک کیا جارہا ہے۔ دنیا کے دگرگوں حالات انہی قیامتوں سے گزر کر بالآخر نبی صادق ﷺ کی پیش گوئیوں کے مطابق بالآخر سیدنا عیسیٰ علیہ السلام تشریف لا کر جنت نظیر حق پر، شریعت پر استوار دنیا لوٹائیں گے۔ خوشنما نعروں اور اصطلاحوں کا فریب چھٹ جائے گا۔ آسماں ہو گا سحر کے نور سے آئینہ پوش، اور ظلمت رات کی سیماب پا ہو جائے گی۔ وہی اسوۂ محمد ﷺ لوٹ کر حکمران ہو گا۔ یاد کیجیے فتح مکہ پر نبی کریم ﷺ نے خانہ کعبہ کی چھت پر اذان دینے کا عظیم اعزاز بلال حبشی رضی اللہ عنہ کو عطا فرمایا۔ خانہ کعبہ کے اندر جانے کے لیے اپنے ہمراہ سیاہ فام سیدنا بلال رضی اللہ عنہ اور حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کا انتخاب کیا۔ وہ منظر جس میں آپ ﷺ کے زانوئے مبارک پر ایک طرف ہاشمی مطلبی ننھے جگر گوشے گورے چٹے حسن رضی اللہ عنہ ہیں، تو دوسری طرف سیاہ فام حبشی خدوخال والے اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ ہیں۔ آپ ﷺ کی محبت پاش نظریں دونوں پر یکساں پھوار برسا رہی ہیں! گورے کو کالے پر عجمی کو عربی پر عملاً حقیقتاً ترجیح نہ دینے والا دین ہی آج بدقماش چودھریوں کے ظالمانہ نظام کی جگہ لینے کا حقدار ہے۔ دنیا کی آبادی کا ۹۰ فیصد حصہ ان کے ہاتھوں یرغمال بن کر رہ رہا ہے۔ صرف ایک جھلک (ان گنت واقعات) عراق اور افغانستان میں امریکی نیٹو فوجیوں کی وحشت کی دیکھ لیجیے، جو ۲۹ مارچ ۲۰۱۱ء میں 'گلوبل ریسرچ' میں شائع ہوئی بعنوان! "امریکی فوجیوں نے افغانستان میں معصوم شہریوں کا قتل کس طرح روا رکھا"۔ طویل اذیت ناک کہانی کا مختصر سا حصہ پیش خدمت ہے:

> "۱۵ سالہ گل مدین کی طرف پہلے گرنیڈ اچھالا (کیونکہ ظاہر یہ کرنا مقصود تھا کہ بچے نے امریکی فوجیوں پر گرنیڈ پھینکا تھا) اور پھر اس پر بلا سبب گولیاں برسا دیں۔ تفتیش کے لیے آنے والوں نے مقامی بزرگ کی عینی شہادت کے باوجود کہ گرنیڈ بچے نے نہیں فوجی مورلاک نے پھینکا تھا، مزید گولیاں مارنی ضروری جانیں کہ کہیں زندہ نہ ہو۔ پھر فوجی اس کے باپ کو لے آئے، جس کا

کم عمر بیٹا خون کے تالاب میں پڑا تھا۔ امریکی فوجیوں نے اس قتل کا جشن مناتے ہوئے خون میں نہائی لاش کے ساتھ باپ کے سامنے ہی تصویریں کھنچوائیں، گورے چٹے مقتول کو سر کے بالوں سے اوپر کھینچ کر گویا وہ شکار کردہ ہرن کی یادگار ہو۔ پلاٹون کا اسکواڈ لیڈر اسٹاف سارجنٹ گبز تھا، جس نے تیز دھار ریزر سے مردہ بچے کی انگلی کاٹی اور ہومز کو پہلا افغان شکار کرنے کی یادگار کے طور پر تھمائی۔ ہومز نے اسے سنبھال کر زپ لاک لفافے میں رکھا تاکہ سکھا کر محفوظ کر سکے۔ اس واقعے پر کسی قسم کی پرسش نہ ہونے پر، کمپنی کی عین ناک تلے درجنوں سپاہی ایک قاتل ٹیم کا کردار کھلے بندوں ادا کر رہے تھے۔"

یہ مختصر ترین نامکمل کہانی صرف اس وحشت کی عکاسی کر رہی ہے، جو مسلمان بے گناہ شہریوں پر ڈٹ کر روا رکھی گئی، افغانستان، عراق، شام میں جابجا۔ اب مغرب بے اختیار بول پڑا ہے، گورے یوکرینی مرتے دیکھ کر! نئی نسل شاید نہیں جانتی وہ حقائق جو ایک جرمن تاریخ دان مری ایم گرہارڈ نے اپنی کتاب "جب فوجی آئے......" میں لکھے ہیں۔ اس کے مطابق جرمنی کی جنگِ عظیم دوئم کی شکست کے بعد اتحادی فوجیوں کے ہاتھوں ۲۰ لاکھ جرمن عورتیں عصمت دری کا نشانہ بنیں۔ بعینہٖ گورے، امریکی، روسی، برطانوی، فرانسیسی فوجی ہی تھے! یاد رہے کہ یورپی امریکی، طالبان سے کہہ رہے ہیں کہ وہ (افغان) خواتین کے ساتھ عزت کا سلوک کریں!

۸ مارچ بھی اصطلاحی مغالطوں اور خوشنما نعروں کے پس منظر میں گھرا ایک لالی پاپ ہے جو حقوق، مساوات، آزادی کے نام پر عورت کو ایک دن کے لیے تھما کر اس کا تماشا بنایا جاتا ہے۔ جذباتی ہو کر رنگ برنگے اجڑے پھٹے بدترین حلیوں میں شتر بے مہار ایک میلہ رچایا جاتا ہے۔ اسے فنڈ کرنے، ایجنڈا دینے والے ہاتھ بیرونی ہوتے ہیں۔ گزشتہ چند برسوں میں بالعموم اور ۲۰۲۱ء میں بالخصوص اس آزادی کے شجرِ خبیثہ کے قومی پھل نہایت زہریلے اور کریہہ ثابت ہوئے۔ المناک سانحات نے پوری قوم کو لرزا کر رکھ دیا۔ خواہ نور مقدم، ظاہر جعفر کی خونچکاں داستاں ہو۔ E-11 اسلام آباد کے جوڑے (ماورائے نکاح) کی شرمناک کہانی ہو یا ٹک ٹاکر کا مینار پاکستان پر نظریۂ پاکستان کے پرخچے اڑاتے ہوئے خود بھی نشانِ عبرت بن جانا۔ لاہور، بلوچستان، سندھ میں اعلیٰ ترین تعلیمی اداروں میں بدترین ہراسمنٹ اور خودکشی نما قتل کے تمام اسکینڈل۔ مخلوط تعلیم، بے محابا آزادی کے ہاتھوں شادی کے وعدے پر گھر سے بھاگ کر بڑھتے پھیلتے اجتماعی زیادتی کے واقعات۔ داغدار معاشروں سے درآمد کردہ لنڈے کا بدبودار نعرہ: "داغ تو اچھے ہوتے ہیں"، گھروں خاندانوں کو اجاڑ رہا ہے۔ بے لگام فلمیں ڈرامے حیا باختگی کی جھاڑ جھنکار اُگا رہے ہیں۔

پاکستان میں سروے کے مطابق نماز پڑھنے والے ۱۳ فیصد اور ڈرامے دیکھنے والے ۵۴ فیصد ہیں۔

رقص گاہوں میں اس انداز سے پائل چھنکی
جس کی آواز میں آوازِ اذاں ڈوب گئی

مسلمان عورت داؤ پر لگی ہے۔ اس کے تحفظ کی فکر اور اقدامات اہم ترین ضرورت ہے، ہنگامی بنیادوں پر۔ پدریت کو گالی بنا کر عورت کو نور مقدم بنا دیا۔ ظاہر جعفری کا پورا کیس آزادی مارچ کا ایکسرے ہے۔ اسی کی سرگرم کارکن کم نصیب نور مقدم بھی تھی۔ ظاہر کا کہنا تھا کہ دونوں کا کھلا حد شکن تعلق دونوں کے والدین کے علم میں تھا۔ قاتل خود کسی نیک پاک کردار کا حامل نہ تھا۔ اس سانحے کے سبھی کردار کھلی آنکھوں سے نور مقدم کو وحشت ناک جنگل میں آتے جاتے دیکھ رہے تھے۔ انجام انہونا غیر متوقع یوں بھی نہ تھا کہ ظاہر جعفر کے اعترافات اور بیانات سے اسے 'شیطان پرست' نوعیت کا ایک کردار دکھا رہے تھے۔ معاشرے کو ہوش کے ناخن لینے کی ضرورت ہے۔ مسلمان مرد طعنوں کے خوف سے مردانگی کی سیٹ خالی کر چکا۔ غیرت اور حیا کا تذکرہ شرمناک بن گیا۔ واقعی پردہ مرد کی عقل پر پڑ گیا۔ اٹھیے اور خاندانی نظام کو مضبوط ہاتھوں سے بحال کیجیے، بچائیے۔ ذی وقار، حیادار عورت ہی معاشرے کو بقا اور ترقی دے سکتی ہے، ورنہ انتشار اور بے راہ روی کے طوفان اٹھتے اور ملک و ملت اجاڑتے ہیں۔ مساواتی سبز باغ میں ظاہر جعفر جیسے بھیڑیے پلتے ہیں۔ اس کا سدباب کیجیے۔

[یہ مضمون پہلے ایک معاصر روزنامے میں شائع ہو چکا ہے (ادارہ)]

☆☆☆☆☆

امت کو محبت کرنے والے لوگ درکار ہیں!

"امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے لیے لوگوں سے محبت کرنے والا فرد ہونا چاہیے، ایسا فرد جس کا ظرف بڑا اور زبان پاک ہو، وہ جو جب کسی مسلمان کو برائی کرتا دیکھے تو یہ نہ کہے کہ 'میں تجھ سے اللہ کے لیے نفرت اور دشمنی رکھتا ہوں، کیونکہ تم یہ اور یہ برائی کرتے ہو' خدا کے لیے میرے بھائی ایسا نہ کرو! یہ کیوں نہیں کہتے ہو کہ 'میرے بھائی میں تجھ سے اللہ کے لیے محبت کرتا ہوں مگر آپ میں یہ ایک مسئلہ ہے، اس کی اصلاح کیجیے'۔"

(مجددِ جہاد، شیخ عبد اللہ عزام شہید علیہ الرحمۃ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اِمارتِ اِسلامیہ افغانستان

دفترِ امیر المومنین

ملک بھر میں پوست کی کاشت اور منشیات کی روک تھام کے تناظر میں
عالی قدر امیر المومنین حفظہ اللہ کا فرمان

ملک بھر میں عوام الناس کو مطلع کیا جا رہا ہے کہ اس فرمان کے صادر ہونے کے بعد افغانستان میں پوست کی کاشت مطلقاً بند ہے، اس کے بعد کسی کو بھی اجازت نہیں ہو گی کہ وہ اپنی زمینوں پر پوست کی کاشت کرے۔ جس کسی نے بھی پوست کی کاشت کی تو اس کی فصل کو ختم کیا جائے گا اور اس کے خلاف شریعت کی روشنی میں قانونی کارروائی کی جائے گی۔

اسی طرح ملک بھر میں منشیات کی تمام اقسام؛ یعنی: شراب، ہیروئین، شیشہ (آئس)، ٹیبلیٹ ’کے‘، چرس اور باقی تمام نشہ آور اشیاء کا استعمال، منتقلی، خرید و فروخت، تجارت، بر آمد و درآمد اور منشیات بنانے کے کارخانوں پر مکمل پابندی ہے۔

جس کسی نے بھی ان احکامات کی خلاف ورزی کی، اس کے خلاف شرعی عدالت میں کارروائی کی جائے گی اور اس کو سزا کا سامنا کرنا پڑے گا۔

والسلام

۲۸ شعبان المعظم ۱۴۴۳ھ

*نوٹ: یہ اعلامیہ اصلاً پشتو، دری اور انگریزی زبان میں نشر کیا گیا تھا، جس کی اردو ترجمانی ادارہ ’نوائے غزوۂ ہند‘ نے کی ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

امارتِ اسلامیہ افغانستان

دفترِ امیر المومنین

امارتِ اسلامیہ کے تمام مجاہدین کو عالی قدر امیر المومنین حفظہ اللہ کی ہدایات

اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے امارتِ اسلامیہ کے مجاہدین کو ایک عظیم فتح سے نوازا ہے، اور اب ہمیں ایک بڑی آزمائش کا سامنا ہے۔ اس آزمائش میں کامیابی کے ساتھ سرخرو ہونے کے لیے درج ذیل نکات پر سنجیدگی سے توجہ دیں۔

۱۔ تمام مجاہدین اپنی نیتیں خالص اللہ تعالیٰ کی رضا و خوشنودی حاصل کرنے کے لیے کریں۔

۲۔ بڑے اور چھوٹے سب اپنی ذات کو تقویٰ اور پرہیز گاری سے آراستہ کریں۔

۳۔ اللہ تعالیٰ کی بہت حمد و ثناء کریں جس نے اس مقدس جہاد کی برکت اور اپنی نصرت سے یہ عظیم فتح عطا فرمائی۔

۴۔ تمام امور میں عدل و انصاف کیجیے۔

۵۔ جنگ سے تھکے ہارے عوام کے ساتھ حسنِ سلوک سے پیش آئیں۔

۶۔ کبر، غرور، عجب اور ظلم و خیانت سے اپنے آپ کو محفوظ رکھیں۔

۷۔ قوم پرستی، وطن پرستی، زبانی تعصب اور دوست پرستی سے سختی سے پرہیز کریں۔

۸۔ فوقیت محض تقویٰ اور امانت داری کی بنا پر دیں۔

۹۔ اپنے درمیان اعتماد اور بھائی چارگی کا ماحول قائم کریں۔

۱۰۔ ایسے ہر کام سے اجتناب کریں جس سے بد اعتمادی پیدا ہونے کا خدشہ ہو۔

۱۱۔ اپنے درمیان امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا فریضہ ادا کرنا نہ چھوڑیں، نمازیں باجماعت ادا کریں۔

۱۲۔ بیت المال میں خیانت سے بچیں۔

۱۳۔ شہدا کے وارثین کا خیال رکھیں اور انہیں کبھی نہ بھولیں۔

۱۴۔ ایک دوسرے کے کاموں میں مداخلت سے اجتناب کریں۔

والسلام

*نوٹ: یہ اعلامیہ اصلاً پشتو، دری اور انگریزی زبان میں نشر کیا گیا تھا، جس کی اردو ترجمانی ادارہ 'نوائے غزوۂ ہند' نے کی ہے۔

جن کو بننا تھا بتول!

قاضی ابو احمد

اللہ رب العزت ہمارے خالق ہیں، مالک ہیں، پالنہار ہیں، رب ہیں؛ تنہا اسی رب کی بادشاہی تب بھی تھی جب کچھ نہ تھا، آج بھی ہے اور تا ابد رہے گی؛ وہ سلطان ہے، وہ شہنشاہ ہے اس نے جس کو چاہا جیسے چاہا تخلیق فرمایا اور ہر ایک کو بہترین ساخت، بہترین شکل اور بہترین کردار عطا کیا۔ جنھیں انسان بنایا، انھیں اپنی رحمت سے اشرف المخلوقات بنایا، وہ چاہتا تو زمین پر رینگنے والا کوئی سانپ بچھو یا چار پاؤں پر چلنے والا کوئی کتا یا سور بنا دیتا، چاہتا تو ذہن و دل انسان کا دیتا اور ساخت بدترین جانور کی؛ کسی مخلوق کے شایاں نہیں کہ وہ یہ سمجھے کہ اللہ رب العزت نے اس کے استحقاق کی بنا پر اسے اچھی جنس، اچھی شکل، اچھا ذہن، زیادہ مال یا کثیر اولاد سے نوازا ہے؛ یہ سراسر اللہ رب العزت کی رحمت ہے کہ انسانوں کی اکثر تعداد کو نک سک سے درست کر کے مکمل انسان بنایا، پھر بعض کو بعض نقائص کے ساتھ بھی پیدا فرمایا تاکہ مکمل انسان ان کو دیکھ کر اپنی نعمتوں کا شکر ادا کریں اور جس میں کچھ نقص ہے وہ صبر کرے اور اللہ کی عطا کردہ دیگر نعمتوں کا شکر ادا کرے۔

اسی طرح اللہ رب العزت نے ہر جنس سے اس کے جوڑے پیدا فرمائے۔ انسانوں میں، جنات میں، جانوروں میں، پھولوں، پودوں میں اور اس سب میں بھی جنھیں انسان جانتا ہے اور جنھیں نہیں جانتا۔ اصل بات اللہ رب العزت کو پہچاننے، اس کی قدرت کاملہ اور حکمت کے ادراک اور اس کی شہنشاہی تسلیم کرنے کی ہے۔ انسان اگر سلیم فطرت رکھتا ہو تو وہ صحرا میں بسنے والا بدو بھی ہو تو کائنات میں اللہ رب العزت کی جابجا بکھری نشانیوں کو دیکھ کر اپنے خالق حقیقی کو پہچان جاتا ہے اور اگر زیغ قلب کا مریض ہو تو چاند چھوڑ مریخ کو پہنچ کر بھی اسے اللہ رب العزت نظر نہیں آتا۔ ہم مسلمان جو زبان سے لا الٰہ الا اللہ کا اقرار کرتے ہیں، ہمارے اعمال اس کی گواہی دیتے ہیں کہ یہ لا الٰہ الا اللہ ہمارے دلوں کے اندر بھی پیوست ہے یا نہیں۔ ہماری زبانیں جو الفاظ اگلتی ہیں، وہ ظاہر کرتے ہیں کہ ہمارے دلوں میں رب واحد کے شہنشاہ ہونے، اس کے مختار کل ہونے اور اس کے نہ صرف خالق بلکہ مالک الملک ہونے کا ادراک اور اس کا یقین موجود ہے یا نہیں۔ جن دلوں نے اپنے رب کی شہنشاہی کو تسلیم کیا انھیں ایک طرف تو اپنی ذات اس کائنات کے حقیر ترین ذرے سے بھی حقیر دکھائی دیتی ہے اور دوسری جانب اپنے رب کی بندگی کی سعادت کی بدولت ان کی رسائی عرش معلیٰ تک ہوتی ہے۔ یہی مطلوب ہے کہ انسان اپنے آپ کو اپنے رب کے غلام کے سوا کچھ نہ سمجھے، جو رب اسے بتادے وہ کرے اور رب جس سے منع فرمادے وہ رک جائے، رب جن فرائض کا اسے پابند بنائے انھیں ادا کرے اور (اپنی ذات سے متعلق) حقوق کی عدم ادائیگی پر صبر کرے اور اپنے رب سے مدد طلب کرے۔

جیسے جیسے دنیا اپنے انجام کی طرف بڑھتی جا رہی ہے، فرائض بھلائے جا رہے ہیں اور حقوق کی جنگ بھڑکتی جا رہی ہے۔ ان میں سے جو جنگیں حقیقی ہیں، انھیں لغو اور مہمل قرار دے کر دبا دیا جاتا ہے، مثلاً قیدیوں کے حقوق، ان مسلمان بچوں اور عوام کے حقوق جو غاصبین کی لگائی اقتصادی پابندیوں کی وجہ سے مرنے پر مجبور ہیں، فلسطینیوں کے حقوق، ترکستانی (ایغور) مسلمانوں کے حقوق، روہنگیا مسلمانوں کے حقوق، ہندوستان میں بسنے والے مسلمانوں کے حقوق وغیرہ اور جن جنگوں کی کوئی بنیاد ہی نہیں ان کا واویلا صبح و شام سنائی دیتا ہے، جن میں سرفہرست عورتوں کے حقوق ہیں۔ یہ عورتیں جو سڑکوں پر اپنے حقوق کی خاطر نکلتی ہیں، انھیں عورت کہنا بھی لفظ عورت (جس کے لفظی معنی مستور کے ہیں) کی توہین معلوم ہوتا ہے۔ حد تو یہ ہے کہ سڑکوں پر نکلی ان مادر پدر آزاد عورتوں کو دیکھ کر قریباً انھی جیسی ایک بے پردہ خاتون نے تبصرہ کیا کہ سمجھ میں نہیں آتا کہ ان خواتین کو مزید کس قسم کی آزادی چاہیے۔ آپ ان خواتین کے حلیے ملاحظہ کریں، قسم قسم کے عریاں ملبوسات میں ملبوس، سرعام سگریٹ پیتی، ہاتھوں میں سمارٹ فون تھامے، نعرے لگاتی، آوازے کستی یہ تمام خواتین اپنے گھروں سے بے نیاز ہیں، ان میں سے ہر ایک خواہ وہ بہن بیٹی ہو یا بیوی اور ماں اپنے گھر اور گھر والوں سے اپنے شوہر و بچوں سے بے نیاز ہے، کسی قسم کی ذمہ داری اس کے کاندھوں پر نہیں ہے، بہترین برانڈز کے لباس، جوتے، ہینڈ بیگ، گاڑیاں اور موبائل فون ان کے پاس ہیں، مزید انھیں کیا چاہیے؟

پھر ایک کلاس وہ بھی ہے جو سڑکوں پر تو نہیں نکلتی مگر ان سے بھی چار ہاتھ آگے ہے۔ یہ وہ خواتین ہیں جو سوشل میڈیا پر فعال ہیں۔ غالباً ان کے باپ بھائیوں کو بھی علم نہیں ہوتا کہ ان کی عزت کیسے کیسے سربازار نیلام ہو رہی ہے۔ ہر ایک کی رسائی انٹرنیٹ تک ہے، ہر ایک کے ہاتھ میں سمارٹ فون ہے، کیمرہ ہے، ہر ایک ملین ملین فالورز کو اپنے پیچھے لگانے کی دوڑ میں ایک دوسرے سے بڑھ کر برہنگی، عریانیت اور فحاشی کا مظاہرہ کرنے کی کوشش کر رہی ہے۔ ایسے ہی دو واقعات جنھوں نے کچھ عرصہ قبل میڈیا کی توجہ کھینچی، مصری حکومت کی طرف سے دو بیس بائیس سالہ مصری دوشیزاؤں کو دی جانے والی دس اور چھ سال قید کی سزا سے متعلق ہیں۔ مذکورہ لڑکیوں میں سے ایک ساڑھے نو لاکھ اور دوسری دس لاکھ سے اوپر فالورز رکھتی ہے۔ اور ان کے سوشل میڈیا افعال میں فحش رقص، طرح طرح سے اپنے جسم کے ایک ایک عضو کی نمائش اور دوسری عورتوں کو اس فاشی کے ذریعے پیسے کمانے کی دعوت دینا شامل ہے۔ مصری حکومت، جو خود بھی دین سے اتنی ہی دور ہے جتنی کوئی بھی سیکولر حکومت، نے اس واقعے کا نوٹس تب لیا جب ان میں سے ایک لڑکی نے ایک ایسے انٹرنیٹ فورم کے لیے اشتہاری

پیغام دیا جو ویڈیوز پوسٹ کرنے پر ادائیگی کرتا ہے، پیغام میں لڑکی نے خواتین کو تحریض دی کہ وہ اپنے سوشل میڈیا اکاؤنٹ کے ذریعے گھر بیٹھے پیسے کما سکتی ہیں، ان کی جسمانی کشش جتنے زیادہ فالورز کھینچے گی ان کو ملنے والی رقم میں اتنا ہی اضافہ ہو گا۔ اس پر بعض لوگوں نے تبصرہ کیا کہ یہ تو قحبہ گری ہے، اس میں اور ایک طوائف میں کیا فرق ہے، وہ بھی اپنا جسم بیچ کر پیسہ کماتی ہے اور تم بھی اسی چیز کی دعوت دے رہی ہو، اس قسم کے تبصروں سے حکومتی حلقوں کی توجہ ان خواتین کی طرف مبذول ہوئی اور مصری عدالت نے انھیں سزا سنائی۔ عدالت نے اپنے بیان میں سزا کی دیگر وجوہات بتانے کے علاوہ یہ بھی کہا کہ مذکورہ خواتین مصری معاشرے اور خاندانی اقدار کے خلاف کام کر رہی تھیں اور دیگر عورتوں کو ورغلا رہی تھیں۔

اس سزا پر انٹرنیشنل میڈیا میں خاصی لے دے ہوئی کہ اب خواتین گھر بیٹھ کر اپنی مرضی سے اپنا سوشل میڈیا اکاؤنٹ بھی نہیں چلا سکتیں؟ اور اگر یہ خواتین نسبتاً غریب طبقے سے تعلق نہ رکھتی ہوتیں تو انھیں ایسی سزا نہ سنائی جاتی، نیز یہ بھی کہ معاشرتی اور خاندانی اقدار کیا ہیں، ان کی وضاحت کہاں موجود ہے؟ اسلام، مسلمانیت، اللہ رب العزت کے احکام، نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کا حوالہ تو نہ عمل کرنے والوں کے عمل میں موجود ہے اور نہ ہی سزا سنانے والوں کی سزا میں۔ گویا اسلام سے تو دونوں اطراف یکساں بری ہیں۔ رہ گئی بات ایک مشرقی معاشرے کی مشرقی روایات اور اقدار کی تو حقیقت یہ ہے کہ یہ بھی اب کہاں باقی رہ گئی ہیں۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کا مفہوم ہے کہ جب تم میں حیا نہ رہے تو جو جی چاہے کرو؛ حیا دراصل وہ رکاوٹ ہے جو انسان کو حلال وحرام کی جائز وناجائز کی اور اچھے اور برے کی تمیز دلاتی ہے اور اس کے لیے اس کی حدود واضح کرتی ہے۔ جب حیا کا چولا اتار پھینکا پھر کہاں کی روایات اور کہاں کی اقدار۔ آج یہی میڈیا جو ان خواتین کو سزا سنائے جانے کے خلاف سیخ پا ہے، کل انھی خواتین کے ان کے فالورز کے ہاتھوں 'preplanned rape' (یاد کیجیے مینار پاکستان ریپ کیس) کی داستان مرچ مسالے لگا کر نشر کر رہا ہو گا اور ان خواتین کو اس واقعے میں کلیتاً معصوم قرار دے رہا ہو گا۔

مسلمان عورت یا تو مسلمان کا ٹیگ اپنے ساتھ سے ہٹا لے پھر میرا جسم میری مرضی کے نعرے لگاتی پھرے، مگر جس کی غیرت اس ٹیگ کو خود سے دور کرنا گوارا نہیں کرتی اسے یہ بھی تسلیم کرنا ہو گا کہ اللہ رب العزت نے اسے عورت بنا کر اسے چند فرائض کا پابند کیا ہے۔ اس کے حقوق اس کے باپ بھائی شوہر اور بیٹوں پر ہیں۔ مگر ان حقوق کو بھی اللہ رب العزت نے غیر واضح نہیں چھوڑا کہ ہر چیز جو عورت چاہے اور مانگے وہ اس کا حق ہے۔ اسی طرح مرد کے اوپر نہ صرف اس کے گھر کی بلکہ امت کی کثیر ذمہ داریاں عائد کی ہیں اور اس کے حقوق اس کے بیوی، بچوں، اس کے رشتہ داروں کے ذمہ ہیں۔ پس جو اللہ کو اپنا رب جانتا اور مانتا ہے، جو اس کی غلامی پر راضی اور خوش ہے اسے اس کی مرد وزن کی اس تقسیم پر بھی راضی اور خوش ہونا چاہیے کہ اللہ رب العزت کے کسی ایک فیصلے کو بھی نہ ماننے اور رد کرنے اور اس میں نقص نکالنے سے آدمی کے اپنے دین میں نقص آتا ہے۔ اسلام نے عورت کو حقوق کے دائرے میں بہت کچھ عطا کیا ہے اور جو فرائض اس کے ذمے ہیں وہ ان حقوق کے مقابلے کچھ بھی نہیں، مگر اسلام ہماری زندگیوں میں، ہمارے معاشروں میں ہے کہاں؟ اسے تو ہم نے دودھ سے مکھی کی طرح نکال پھینکا ہے۔ جو مسلمان کہلاتے ہیں ان کی اپنی زندگیوں بھی اسلام بس اتنا ہی ہے جتنا ان کی معاشرت اور معیشت کو ان کے معیار زندگی کو سوٹ کرتا ہے۔ مسلمان ممالک میں کالجوں یونیورسٹیوں میں پڑھنے والی یا جاب کرنے والی اکثر لڑکیاں اور خواتین جو اپنے آپ کو کٹر مسلمان سمجھتی ہیں ان کی مسلمانی بس سر ڈھانپنے تک ہی ہے یا کبھی کبھار نماز پڑھنے اور روزہ رکھنے کی حد تک۔ باقی جسم پر کسا ہوا لباس پہننا، مخلوط نظام تعلیم، دفاتر میں مخلوط ماحول، مخلوط نجی محفلیں اور بازاروں میں مارا مار صبح سے شام تک پھرنا، موسیقی کی دھنوں پر سر دھننا، صنف مخالف سے دوستی رکھنا اور سوشل میڈیا پر جو چاہے جیسے چاہے پوسٹ اور وصول کرنا...... ان سب سے ان کی لکڑ ہضم پتھر ہضم مسلمانی پر کوئی ضرب نہیں پڑتی۔

اسلام ایک نظریہ ہے، ایک دین ہے، مکمل نظام حیات ہے، ایک مکمل پیکج ہے جس میں pick & choose (اختیار) کی گنجائش نہیں ہے؛ یا تو پورے کا پورا اسلام لے لو اور خود کو اس کے رنگ میں رنگ دو، یا پھر پورے کے پورے باہر نکل جاؤ، اور جو آدھا دین کے اندر اور آدھا باہر رہنے پر خوش ہے تو پھر اللہ رب العزت کی ذات بہت غیرت والی ہے اسے بھی اس کی کوئی پروا نہیں جسے اللہ اور اس کے دین کی پروا نہیں۔ کسی شاعر نے کئی عشروں پہلے جو کہا تھا کہ

قوم کی وہ بیٹیاں جن کو بننا تھا بتول
کالجوں میں سیکھتی ہیں ناچ گانے کے اصول

بھلا ہوا کہ کہنے والے نے آج کے دور کی بیٹیاں نہیں دیکھیں، جو خواہ کالج جائیں یا نہ جائیں گھر بیٹھے ہی نہ صرف ناچ گانے کے اصول سیکھ رہی ہیں بلکہ عوام الناس کو ان سے لطف اندوز ہونے کے بھرپور مواقع بھی 'بالکل مفت' فراہم کر رہی ہیں۔ ایک بنت حوا عافیہ صدیقی ہیں جو سینے میں اللہ پاک کا کلام محفوظ کیے، کفار کے نرغے میں ہر روز اپنی عزت وعصمت لٹنے کا ماتم کرتی ہیں اور فیصل اکرمؒ شہید جیسے غیرت مند بھائی اپنی بہن کی عزت بچانے کی خاطر اپنی جان قربان کرتے ہیں، یا وہ عفت مآب ترکستانی بہنیں ہیں جو اپنے ہی گھروں میں غاصب ظالم چینیوں کے ہاتھوں ہر رات زیادتی کا نشانہ بنتی ہیں اور دوسری طرف امت کی یہ بیٹیاں ہیں جو بصد شوق اپنی عزت وعصمت لٹانے کو تیار ہیں۔ ایسے میں غیرت کے نام پر کوئی قتل ہو جائے تو قاتل کو کیا ملامت کرنا؟

معاشرے کے بگاڑ میں، دینی، معاشرتی اور خاندانی اقدار وروایات کے بکھرنے میں، خاندانی بنیادوں کے منہدم ہونے میں ہم سب کا کردار ہے، ہم سب قصوروار ہیں۔

(باقی صفحہ نمبر 51 پر)

شہباز 'سپیڈ' اور سمی دین بلوچ

محمد حنیف

مِسنگ پرسنز/لاپتہ افراد کا مسئلہ پچھلی دو دہائیوں سے پاکستان کے بڑے مسائل میں سے ایک ہے۔ زیرِ نظر تحریر میں انہی لاپتہ افراد اور ان کے اہلِ خانہ کی کہانی کی 'نہایت' مختصر جھلک ہے۔ یہ تحریر معروف سیکولر و لادین صحافی محمد حنیف نے بی بی سی اردو کے لیے بطورِ کالم لکھی ہے۔ اس کالم میں آج ملکِ پاکستان میں نافذ نظام کے تین بنیادی ستونوں فوج، عدلیہ اور حکومت کا نہایت مختصر الفاظ میں پردہ چاک کیا گیا ہے۔ اس تحریر کو پڑھتے ہوئے لاپتہ افراد کے مسئلے کو 'دہشت گردی' اور 'علیحدگی پسند بلوچوں' سے جوڑنے سے قبل 'نفاذِ اسلام' اور 'ظالموں اور بنیادی حقوق کے غاصبوں' کو سامنے رکھیے۔ کراچی تا ملتان و مظفر گڑھ شہید ہونے والے مفتیانِ عظام، علمائے کرام، داعیانِ کرام اور مجاہدینِ عالی عزم کو یاد رکھیے۔ تربیلا ڈیم کے گیٹوں اور گڈو بیراج کے گیٹوں میں داڑھیوں والوں کے قیمہ کیے اعضائے جسمانی کو سامنے رکھیے۔ لاہور کے چڑیا گھر کے نیچے تہہ خانے میں واقع خفیہ زندان تا ساہیوال جیل میں بند حفاظِ کرام کو یاد رکھیے جنہیں پہلے غائب کیا گیا اور پھر جھوٹے مقدمات بنا کر زندانوں میں ڈالا گیا۔ سوات تا اوراان و گوادر ہر لاپتہ کیے جانے والے کو را کا ایجنٹ نہ سمجھیے، بلکہ اپنی بہو بیٹی کی طرح محترم 'سمی دین بلوچ' کی مانند یہ مطالبہ کیجیے کہ ہمارے باپ بھائی مجرم ہی سہی لیکن ان کو کم از کم اپنے خود ساختہ قانون اور خود ساختہ عدالتوں کے سامنے ہی پیش کرو، یوں بیٹیوں کو نیم یتیمی کی صورت زندہ در گور تو نہ کرو۔ یہاں یہ امر بھی اہم ہے کہ زیرِ نظر تحریر محمد حنیف نے لکھی ہے جو شعائرِ دین کے خلاف اپنی دشمنی میں مشہور ہے اور ایک لادین سیکولر شخص ہے (اللہ تعالیٰ محمد حنیف کو توبہ کی توفیق اور ہدایتِ دین سے نوازیں، آمین)۔ ایسے مسائل کو اٹھانا تو اہلِ دین کی اولین ذمہ داری ہے کہ ہم مسلمان تو وہ بہترین امت ہیں جن کو انسانوں کی نفع رسانی کے لیے نکلنے کا کہا گیا ہے۔ اللھم وفقنا کما تحب و ترضی، آمین یا ربّ العالمین! (ادارہ)

سمی نے کبھی کسی کو بد دعا نہیں دی۔ اگر دل میں دی ہو تو پتا نہیں لیکن ۱۴ سال پہلے سمی کے باپ ڈاکٹر دین محمد کو اٹھایا گیا تو وہ سکتے میں تھی، ماں کو کیا بتائے، چھوٹی بہن کو کیسے سنبھالے۔

اس نے بہت کم عمری میں وہ سارے طریقے سیکھ لیے جو غائب کیے جانے والوں کے خاندان والے سیکھ لیتے ہیں۔ ایف آئی آر کٹوانے کی کوشش، ہائی کورٹ میں پٹیشن پر ایک شہر کے بعد دوسرے شہر میں احتجاجی کیمپ، سمی دین بلوچ نے اپنے باپ کی رہائی کے لیے تین ہزار کلومیٹر پیدل مارچ بھی کیا۔ اسلام آباد بھی پہنچی، کسی طرح وزیر اعظم عمران خان سے ملاقات بھی ہو گئی۔

خان صاحب نے اس کی درخواست غور سے سنی، کہا کہ آپ میری بیٹی کی طرح ہیں، میں آپ کے والد کو بازیاب کروانے کی پوری کوشش کروں گا۔

مجھے پہلی دفعہ لگا کہ خان صاحب جب اپنے جلسوں میں کہتے ہیں کہ وزیر اعظم قوم کا باپ ہوتا ہے، اور انہوں نے سمی کے سر پر ہاتھ رکھ دیا ہے تو سمی کو اب اچھی خبر ملے گی (سمی بری خبر کے لیے بھی خود کو تیار رکھتی ہے لیکن میرے منہ میں خاک)۔

جب سمی ڈاکٹر دین کی جبری گمشدگی کے بعد سکتے سے نکل رہی تھی تو میں نے اس کا ایک مختصر سا انٹرویو کیا تھا۔ اس وقت سمی ۱۲ یا ۱۳ سال کی ہو گی۔

اس نے اپنے باپ کے بارے میں ایک بات کی تھی جو مجھے آج بھی یاد ہے۔ ڈاکٹر دین محمد خضدار کے ایک سرکاری ہسپتال میں کام کرتے تھے۔ سمی نے کہا کہ وہ ایسے تھے کہ گھر میں جب ہم بیمار ہوتے تھے تو وہ اپنے ہسپتال سے دوائی لینے کی بجائے بازار سے دوائی خرید کر دیتے تھے۔

ملک کے چوروں لٹیروں اور ان کے خلاف جہاد کرنے والے کو خبر ہو کہ اگر کوئی کرپشن فری گھرانہ تھا تو وہ ڈاکٹر دین محمد کا گھرانہ تھا۔ میں بھی سمی کے انٹرویو کے بعد بھول گیا لیکن میں نے زندگی میں پہلی دفعہ کسی بچی کو بڑے ہوتے دیکھا، احتجاجی کیمپوں میں، ۱۴ سال تک۔

جب بھی کہیں اس کو دیکھتا ہوں تو نظریں نیچی کر کے نکل لیتا ہوں۔ میں نے کبھی عمران خان کی طرح اسے اپنے بیٹی کہا ہو گا لیکن ۱۴ سال تک میں نے بھی پلٹ کر نہیں پوچھا۔

پاکستان میں جب کسی کو عمر قید کی سزا ہوتی ہے تو سنا ہے کہ ۱۴ سال پورے کر کے وہ بھی رہا ہو جاتا ہے۔ سمی نے نہ کبھی پاکستان توڑنے کی بات کی ہے، نہ کسی ادارے کو گالی دی ہے۔

حالانکہ ایک جاوید اقبال نامی جج نے کہا تھا کہ تمہارا باپ ۱۰ دن میں گھر واپس آ جائے گا۔ دس سال سے بھی زیادہ گزر گئے سمی نے پھر بھی جاوید اقبال نامی جج (جو مسنگ پرسنز کمیشن کے بعد اسامہ بن لادن کمیشن اور پھر نیب کے سربراہ بھی ہیں) کو گالی نہیں دی۔ عمران خان کو بھی انتہائی شائستہ لہجے میں یاد کروایا کہ آپ نے وعدہ کیا تھا۔

سمی نے بد دعا نہیں دی لیکن اب عمران خان سڑکوں پر ہیں اور پوچھتے ہیں کہ میں نے کون سا قانون توڑا ہے؟ اس سے پہلے بھی ایک وزیرِ اعظم تھا نواز شریف۔ اس کو بھی سمی کے سوال کا سامنا کرنا پڑا۔ اس وقت تک سمی بڑی ہو گئی تھی اور اپنے باپ ڈاکٹر دین محمد کے علاوہ دوسرے مِسنگ پرسنز کی بات کرنے لگی تھی۔

ایک جج تھا افتخار چودھری۔ اس نے پہلے بڑھک لگائی کہ اس دن سے ڈرو جب ایک ایس ایچ او کسی شہری کو اغوا کرنے والے کرنل کو گرفتار کرے گا۔ خدا کا شکر ہے وہ دن نہیں آیا۔ جج صاحب نے کہا کہ وزیرِ دفاع پیش ہو۔

(باقی صفحہ نمبر 100 پر)

’دی کشمیر فائلز‘: ہندوتوادیوں کا نیا ہتھیار

شاہین صدیقی

آج کل پورے ہندوستان میں فلم ”دی کشمیر فائلز“ کا بہت چرچا ہے۔ تمام میڈیا پر، چاہے الیکٹرانک ہو، پرنٹ ہو یا سوشل میڈیا، یہ فلم ہر جگہ موضوعِ بحث بنی ہوئی ہے۔ ۱۹۸۹، ۹۰ کے دوران جموں و کشمیر میں ہندو براہمن، جو پنڈت[1] کہلاتے ہیں، کے قتل و نقل مکانی کے واقعہ پر مبنی یہ فلم ۱۱ مارچ کو ریلیز ہوئی جسے فلمساز ”اگنی ہوتری“ اور اداکار ”انوپم کھیر“ نے بنایا۔

اس فلم کی تشہیر کے لیے ہندوستان کے وفاقی وزراء اور وزیر اعظم مودی نے بھی اس فلم کو سراہا اور لوگوں کو یہ فلم دیکھنے کی تجویز دی۔ بعض ریاستوں میں سرکاری اہلکاروں کو ایک دن کی چھٹی بھی دی گئی تاکہ وہ سینما جا کر یہ فلم دیکھ سکیں۔ اس کے علاوہ حکومت نے اس فلم کو ٹیکس فری بھی کر دیا۔

حقیقت میں بی جے پی کی ریاستی انتخابات میں دوبارہ فتح اور تواتر سے مسلمانوں کے خلاف ہونے والے واقعات و اقدامات کے سلسلے کی ہی ایک کڑی ہے کہ واقعہ کی اصل سے ہٹ کر مسلمانوں کے خلاف نفرت پھیلانے کے لیے جھوٹ پر مبنی یہ فلم بنائی گئی اور نشر کی گئی۔

انتہائی سنسنی خیز اور جذباتی مناظر پر مبنی یہ فلم کشمیری پنڈتوں پر ”مسلمانوں کے ظلم و ستم“ کی داستان بیان کرتی ہے جس کی وجہ سے بڑی تعداد میں کشمیری پنڈتوں کو کشمیر سے نقل مکانی کرنا پڑی۔

یہ واقعہ کشمیر میں ۱۹۸۹ء، ۱۹۹۰ء میں ہونے والے ہنگاموں کے دوران پیش آیا۔ اس فلم میں صرف کشمیری مجاہدین کو ہی نہیں بلکہ کشمیر کے تمام مسلمانوں کو ظالم جبکہ کشمیری پنڈتوں کو مظلوم دکھایا گیا ہے۔ کشمیری مسلمانوں کو ہندو عورتوں بچوں اور بوڑھوں کا قتل عام کرتے، خواتین کی عصمت دری کرتے اور ہندوؤں کی املاک کو لوٹتے ہوئے دکھایا گیا ہے۔ اس فلم میں جہاں مسلمانوں کو جہاد کے نعرے لگاتے دکھایا گیا ہے وہاں یہ مطالبہ کرتے ہوئے بھی دکھایا گیا ہے کہ ’ہندو مرد کشمیر سے نکل جائیں اور ہندو عورتوں کو ہمارے لیے چھوڑ جائیں‘۔

یہ فلم اس اعتبار سے مختلف ہے کہ اس کا عموماً فلم بنانے کے مقصد یعنی ’تفریح‘ سے دور کا بھی کوئی تعلق نہیں ہے۔ فلم میں ہندوؤں پر ہونے والے مظالم کے وحشت ناک مناظر انتہائی تفصیل کے ساتھ پیش کیے گئے ہیں اور فلم میں اس قدر زہر گھولا گیا ہے کہ انڈیا کے تمام سینماؤں میں جہاں جہاں یہ فلم چلتی ہے ہر دفعہ فلم کے اختتام پر پورے جوش و خروش کے ساتھ مسلمانوں کے خلاف نعرے بازی کی جاتی ہے۔ اس طرح سے یہ فلم تاریخی حقائق کو بدلنے، کشمیر میں مسلمانوں پر کی جانے والے ریاستی دہشت گردی پر پردہ ڈالنے اور پورے ہندوستان میں ہندوؤں کے اندر مسلمانوں کے خلاف نفرت کی آگ بھڑکانے کی بظاہر ایک کامیاب کوشش ہے۔

اصل حقائق کیا ہیں؟

۱۹۷۵ء میں جب شیخ عبد اللہ نے ریاست جموں و کشمیر کو ہندوستان میں مکمل ضم کرنے کے معاہدے پر دستخط کیے، اس کے بعد سے کشمیر میں بے چینی پائی جاتی تھی اور اس اقدام کی مخالفت اور احتجاج کیا جا رہا تھا۔ جموں و کشمیر لبریشن فرنٹ (جے کے ایل ایف) نے ہندوستان سے آزادی کا نعرہ لگایا تھا اور وہ اس مقصد کے لیے نوجوانوں کو منظم کر رہی تھی۔ ۱۹۸۴ء میں حکومت نے جے کے ایل ایف کے مشہور رہنما مقبول بھٹ کو پھانسی دے دی جس کی وجہ سے پوری وادی میں احتجاج شروع ہو گئے۔ آئندہ سالوں میں پوری وادی شدید سیاسی عدم استحکام کا شکار رہی۔ یہ وہ دور تھا جب جموں و کشمیر میں زیادہ تر اعلیٰ انتظامی عہدوں پر اور حکومتی ذمہ داریوں پر ہندو پنڈت براجمان تھے۔ ۱۹۸۹ء میں مجاہدین نے کشمیر میں بھارتیا جنتا پارٹی (بی جے پی) کے سرکردہ رہنما ’پنڈت ٹکا لال ٹاپلو‘ کو قتل کر دیا۔ یہ پہلے ہندو پنڈت کا قتل تھا۔ اس کے کچھ عرصے بعد مجاہدین نے سرینگر ہائی کورٹ کے جج نیل کنٹھ گنجو، جس نے مقبول بھٹ کو پھانسی کی سزا سنائی تھی، کو قتل کر دیا۔ اسی عرصے میں مبینہ طور پر مجاہدین نے مقامی اخبار کے ذریعے سے اعلان کیا کہ تمام ہندو پنڈت کشمیر چھوڑ کر چلے جائیں۔

ہندو پنڈتوں کی دو نامور شخصیات کے قتل کے بعد اس اعلان نے کشمیری پنڈتوں میں خوف و ہراس پیدا کر دیا اور بہت سے خاندانوں نے نقل مکانی شروع کر دی۔

دوسری طرف جموں و کشمیر کی سیاسی صورتحال بہت کشیدہ چل رہی تھی۔ اس وقت کشمیر کا وزیر اعلیٰ فاروق عبد اللہ تھا اور انڈیا کے اُس وقت کے وزیر اعظم وی پی سنگھ نے کشمیر میں فاروق عبد اللہ کے مخالف جگ موہن کو گورنر تعینات کر دیا۔ فاروق عبد اللہ نے احتجاجاً وزیر اعلیٰ کے عہدے سے استعفیٰ دے دیا جس کے جواب میں گورنر جگ موہن نے کشمیر میں گورنر راج لگا دیا۔ یہ واقعہ ۱۹ جنوری ۱۹۹۰ء کا ہے۔ اسی رات جگ موہن نے انڈین سیکیورٹی فورسز کے ذریعے سے مجاہدین اور اسلحے کی تلاش کا بہانہ بنا کر کشمیر میں گھر گھر تلاشی اور چھاپے مارنے

[1] پنڈت اصل میں تو ہندوؤں کے مذہبی رہنماؤں کے لیے خطاب ہے لیکن کشمیر میں بسنے والے تمام برہمن اپنے نام کے ساتھ پنڈت کا سابقہ لگاتے آئے ہیں۔ سیکولر نظریات کے حامل انڈیا کے پہلے وزیر اعظم جواہر لال نہرو کے نام کے ساتھ بھی ”پنڈت“ اسی وجہ سے لگتا ہے کہ اس کا تعلق بھی کشمیری برہمن خاندان سے تھا۔

شروع کیے اور اس عمل میں سینکڑوں لوگوں کو گرفتار کیا اور مسلمان عورتوں کی بے حرمتی کی گئی۔

اگلے دن ۲۰ جنوری ۱۹۹۰ء کو ہزاروں کشمیری مسلمانوں نے سری نگر کے گواکدال پُل پر جمع ہو کر ان حکومتی اقدامات کے خلاف احتجاج کیا۔ ان احتجاج کرنے والوں پر انڈین فورسز نے فائر کھول دیا اور ایک اندازے کے مطابق اس احتجاج میں لگ بھگ ۳۰۰ کشمیری مسلمان شہید ہوئے۔

اس احتجاج کے بعد جہاں ایک طرف مجاہدین کی کارروائیوں میں اضافہ ہوا تو وہیں انڈین فورسز نے بھی کھل کر کشمیری مسلمانوں پر ظلم و تشدد شروع کر دیا۔

خوف وہراس اور فسادات کے ڈر سے ہندو پنڈتوں نے بڑی تعداد میں وادیٔ کشمیر سے نقل مکانی شروع کر دی اور جموں اور انڈیا کے دیگر علاقوں میں منتقل ہونا شروع ہو گئے۔ ان میں بڑی تعداد جموں میں بنائے گئے کیمپوں میں منتقل ہوئی۔

انسانی حقوق کے ادارے 'ہیومن رائٹس واچ' کی مئی ۱۹۹۱ء کی ایک رپورٹ کے مطابق ۱۹۸۹ء سے ۱۹۹۰ء کے دوران کتنے ہندو پنڈت قتل ہوئے اس حوالے سے مختلف اندازے پائے جاتے ہیں اور ان کی تعداد ۸۹ سے ۲۱۹ تک بتائی جاتی ہے۔ جبکہ اسی عرصے میں اس سے کئی گنا زیادہ مسلمان شہید ہوئے۔

۲۳ مارچ ۲۰۱۰ء کو جموں و کشمیر اسمبلی میں ہلاکتوں کے حوالے سے اٹھائے گئے ایک سوال کے جواب میں جموں و کشمیر کے ریاستی وزیر 'رمن بھلا' نے بتایا کہ ۱۹۸۹ء سے لے کر ۲۰۰۴ء کے درمیان کل ۲۱۹ کشمیری پنڈت قتل ہوئے جبکہ اسی مدت میں 'سرکاری اعداد و شمار' کے مطابق چالیس ہزار کشمیری مسلمان شہری ہلاک ہوئے۔

ان حقائق کو سامنے رکھیں تو واضح ہو جاتا ہے کہ ان تیس سالوں میں ہندو پنڈتوں کی انتہائی قلیل تعداد ہلاک ہوئی ان میں بھی اکثریت ایسوں کی تھی جو سرکاری عہدوں پر فائز تھے۔ جبکہ اسی عرصے میں اگر سرکاری اعداد و شمار کو درست مان لیا جائے تو لاکھوں نہیں تو دسیوں ہزار کشمیری مسلمان شہید کر دیے گئے۔ اتنے واضح حقائق موجود ہونے کے باوجود ہندی میڈیا اور حکومت یہ ثابت کرنے پر بضد ہے کہ ہندو پنڈتوں کی 'نسل کشی' ہوئی اور سارے کشمیری مسلمان ظالم تھے اور اس 'نسل کشی' میں برابر کے شریک تھے۔

فلم پر ردِ عمل

کشمیر کے سابق وزیر اعلیٰ فاروق عبد اللہ نے اس فلم کے حوالے سے تبصرہ کرتے ہوئے اس کی صداقت پر سوال اٹھایا اور اس کو حقیقت سے بہت دور کہا۔

سابق را چیف 'اے ایس دُلت' نے، جو ۹۰-۱۹۸۹ میں کشمیر میں ہی تعینات تھا، اس فلم کو 'پروپیگنڈہ فلم' کہا اور کہا کہ بہت سے پنڈت جو ۱۹۹۰ء میں وہیں رہے، خود مسلمانوں نے ان کی حفاظت کی۔ بہت سے کشمیری پنڈت خاندان وہیں بسے رہے۔ یہاں تک کہ آرٹیکل ۳۷۰ کی منسوخی کے بعد بھی ان پنڈتوں کو نشانہ نہیں بنایا گیا۔

عام آدمی پارٹی کے سربراہ اور نئی دہلی کے وزیر اعلیٰ اروِند کیجریوال نے بھی نئی دہلی اسمبلی میں تقریر کے دوران اس فلم کو سراسر جھوٹ قرار دیا اور نئی دہلی میں اسے 'ٹیکس فری' کرنے سے انکار کر دیا۔ اس حوالے سے روزنامہ اردو ٹائمز کے اداریے میں اس تقریر پر جو تبصرہ کیا گیا ہے وہ ملاحظہ ہو:

خیالی فلمیں | اردو ٹائمز اداریہ

”اروند کیجریوال نے اپنی تقریر میں نہ صرف بی جے پی بلکہ سیدھے وزیر اعظم نریندر مودی پر اتنی جارحانہ طور پر تنقید کی جس کے بارے میں آج کے ماحول میں سوچا بھی نہیں جا سکتا ہے۔ انہوں نے کہا کہ ۸ سال کی حکومت کے بعد اگر کسی وزیر اعظم کو ایک فلم ساز کے 'چرن میں شرن' لینا پڑ رہا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اُس وزیر اعظم نے ۸ سال میں کچھ نہیں کیا۔ بی جے پی کی کشمیری پنڈتوں سے ہمدردی کو سیاسی ڈرامہ بازی قرار دیتے ہوئے اروند کیجری وال نے کہا کہ اگر کشمیری پنڈتوں سے بہت ہمدردی ہے اور یہ فلم کشمیری پنڈتوں کی حقیقت منظر عام پر لانے کے لیے ہی بنائی گئی ہے تو اس مقصد کی تکمیل کا سب سے آسان طریقہ ہے کہ فلم کو یوٹیوب پر ڈال دیا جائے۔ سارا ملک اسے دیکھ لے گا۔ اروند کیجریوال نے وویک اگنی ہوتری کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بی جے پی کے ورکروں اور لیڈروں کو کہا کہ کشمیری پنڈتوں کے نام پر کچھ لوگ کروڑوں کما رہے ہیں اور آپ لوگوں کو فلم کا پوسٹر چپکانے کا کام دیا گیا ہے۔ کیا اسی کام کے لیے سیاست میں آئے تھے؟ آپ کا مسئلہ بجلی، پانی اور بے روزگاری ہے لیکن آپ سے کہا جا رہا ہے کہ فلم دیکھو۔“

[روزنامہ اردو ٹائمز | ۲۷ مارچ ۲۰۲۲ء]

روزنامہ اعتماد میں کالم نگار ناظم الدین فاروقی اس فلم پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

کشمیر فائلز اور حجاب پر پابندی کا مسئلہ | ناظم الدین فاروقی

”کشمیر فائلز کی تباہ کاری تقسیم ہند و پاک یا سقوطِ حیدر آباد سے کہیں زیادہ برق رفتاری سے بڑی مؤثر ثابت ہو رہی ہے۔ پہلے تو یہ کوئی تفریحی فلم نہیں ہے۔ بظاہر ایسا لگتا ہے کہ یہ فلم دو مقاصد کے لیے بنائی گئی ہے۔ ایک تو سارے مسلم

کشمیریوں کو ملک میں یکا و تنہا کیا جائے اور انہیں ذلیل و خوار کر کے بھرپور سزا دی جائے۔ دوسرا ملک کے ۸۰ فیصد غیر مسلم عوام میں مسلمانوں کے خلاف نفرت، عداوت اور انتقام کی چنگاری لگا کر آگ بھڑکانا۔ ۲۰ فیصد مسلمانوں کو الگ تھلگ کرتے ہوئے انہیں ظالم، خونخوار اور ہندوؤں کے خون کی پیاسی کمیونٹی قرار دیتے ہوئے فلم کا سیاسی و مذہبی طور پر استعمال و استحصال کیا جارہا ہے۔ کشمیر فائلز کو ملک کے طول و عرض میں مقبولِ عام کرنے کے لیے حکومت مکمل تعاون پیش کر رہی ہے۔ حیرت کی بات ہے کہ آسام حکومت نے کشمیر فائلز دیکھنے کے لیے ریاست کو نصف یوم تعطیل دی ہے۔ دنیا کے کسی ملک میں فلمیں دیکھنے کے لیے اس طرح کی تعطیل کا کہیں اعلان نہیں کیا جاتا۔ بی جے پی کے ممبران پارلیمنٹ اور ارکان اسمبلی و دوسرے قائدین بھی ایک ایک ہفتے کے مفت ٹکٹ لے کر عوام کو فلم بینی کی ترغیب دے رہے ہیں۔"

[روزنامہ اعتماد | ۲۷مارچ ۲۰۲۲ء]

انڈیا سے متعلق سیاسی خبروں کی ویب سائٹ 'دی وائر' سے منسلک ایک لکھاری نیومی بارٹن نے اس فلم کا تنقیدی جائزہ لیا ہے اور اس میں پائی جانے والی خامیوں کو اجاگر کیا ہے۔ اس نے تنقید کی کہ فلم یہ پیغام دے رہی ہے کہ جو کچھ کشمیری پنڈتوں کے ساتھ ہوا اس کی سزا مجموعی طور پر سارے مسلمانوں کو دی جانی چاہیے اور اس لیے ان پر جو بھی تشدد کیا جائے وہ اس کے حقدار ہوں گے۔ آگے چل کر وہ اُن حقائق کی نشاندہی کرتا ہے جنہیں اس فلم میں نظر انداز کر دیا گیا۔ اس حوالے سے تحریر سے ایک اقتباس کا ترجمہ درج ذیل ہے:

'The Kashmir Files' uses Kashmiri Pandits for propaganda, and hates Muslims | Naomi Barton

"دی کشمیر فائلز میں موجود واقعاتی غلطیوں کے بارے میں اور فلم میں سیاسی طور پر ناموافق سچائیوں کو نظر انداز کرنے کے بارے میں بہت کچھ لکھا جاچکا ہے۔ مثلاً مرکز میں اقتدار اُس وقت ایسی حکومت کے پاس تھا جو بی جے پی کی حمایت کی محتاج تھی اور یہ کہ ریاست اس وقت خود وفاق کے تحت تھی۔ اور یہ کہ سرکاری اور غیر سرکاری ریکارڈز کے مطابق قتل ہونے والے کشمیری پنڈتوں کی تعداد چند سو میں ہے نہ کہ ہزاروں میں جیسا کہ فلم میں دعویٰ کیا گیا۔"

بارٹن اس بات پر بھی تنقید کرتا ہے کہ فلم کے آخری سین کے طور پر ندی مرگ قتل عام کو دکھایا گیا ہے جہاں ۲۴ عام شہریوں کو جنگجوؤں نے گولیاں مار کر ہلاک کر دیا۔ لیکن یہاں سوال یہ اٹھتا ہے کہ 'دی کشمیر فائلز' نامی اس فلم میں سوپور قتل عام کیوں نہیں دکھایا گیا؟ جہاں ۴۳ عام شہریوں کو انڈین بارڈر سیکورٹی فورس نے قتل کیا، اور یہی نہیں کہ گولیاں مار کر قتل کیا بلکہ انہیں دکانوں میں جمع کیا گیا، ان پر گولیاں برسائی گئیں، ان پر پارافین چھڑکا گیا اور پھر دکانوں کو آگ لگا دی گئی۔

تحریر کے آخر میں اس فلم کے مقصد کے حوالے سے بارٹن ایک جامع تبصرہ کرتا ہے۔ اس حوالے سے ایک اقتباس کا ترجمہ درج ذیل ہے:

"اس فلم میں اگنی ہوتری نے کشمیری پنڈتوں کو تمام ہندوؤں کی جگہ پر دکھایا، اور اس فرضی خوف کو دگنا کر دیا جو ہندوتوا کی بالادستی کے منصوبے کے لیے ناگزیر ہے، جس کی مخالف سمت میں مسلمان ایک اکائی ہیں۔

جہاں ہری دوار کی مجلسِ نفرت میں شامل ہونے والوں جیسے شدت پسندوں نے زہر اگلا کہ ہندو برادری کو دست دراز اور درندہ خو مسلم آبادی کے خلاف اپنے دفاع کے لیے ہتھیار اٹھانے چاہئیں، اگنی ہوتری نے اس تصور کو زندگی بخش دی۔ جہاں 'لَو جہاد' کے بے بنیاد خوف کے کاروبار کو اب قانون سازی کی طرف دھکیلا جارہا ہے، اگنی ہوتری نے ایک ایسی بے بس اور کمزور ہندو عورت کی نمائش کی جسے تحفظ کی ضرورت ہے۔ جہاں دائیں بازو کے میڈیا کی وجہ سے جھوٹی خبریں ہر طرف چھائی ہوئی ہیں، اگنی ہوتری نے پوری احتیاط کے ساتھ کسی پیچیدہ سچ کے وجود کے امکان کو ہی ختم کر دیا ہے......

......شمالی ہند کے تھیٹروں میں جذباتی لوگ ردِّ عمل میں ہندو مردوں سے مسلم عورتوں سے شادی کرنے کا مطالبہ کر رہے ہیں اور ایسے نعرے لگائے جارہے ہیں کہ "مُلّے کاٹے جائیں گے، رام رام چلّائیں گے"، ہم دیکھ سکتے ہیں کہ اگنی ہوتری نے نفرت کی ایک بڑی نہر کھود ڈالی ہے۔ اب زیادہ پریشان کن سوال یہ ہے کہ اس کا پانی کتنا گہرا ہے۔"

[The Wire | ۲۱مارچ ۲۰۲۲ء]

حقیقت میں نسل کشی کس کی ہوئی؟

بعض ہندو تجزیہ نگار اور لکھاری پوری ڈھٹائی سے کہہ رہے ہیں کہ آزاد ہندوستان کی تاریخ میں نسل کشی کا صرف ایک ہی واقعہ ہوا ہے اور وہ کشمیر میں ہندو پنڈتوں کی نسل کشی ہے۔ حالانکہ پچھلے تیس سال میں آنے والے تمام سرکاری اور غیر سرکار اعداد و شمار کے مطابق جو ہندو پنڈت قتل ہوئے ان کی تعداد کل ہندو پنڈت آبادی کا پانچ فیصد بھی نہیں بنتی اور اسے نسل کشی سے تعبیر کیا جارہا ہے۔

لیکن جموں و کشمیر میں نسل کشی کا واقعہ اس سے پہلے ہو چکا ہے۔ لیکن یہ ہندو پنڈتوں کی نسل کشی نہیں تھی بلکہ ۱۹۴۸ء میں جموں کے مسلمانوں کی نسل کشی تھی۔ اس حوالے سے روزنامہ اردو ٹائمز میں افتخار گیلانی نے کچھ حقائق پیش کیے ہیں جن سے ایک اقتباس درج ذیل ہے:

کہانی کشمیری پنڈتوں کی | افتخار گیلانی

”چند سال قبل کشمیر کے ایک سابق بیوروکریٹ خالد بشیر کی تحقیق پر مبنی رپورٹ کو ٹائمز آف انڈیا کے کالم نویس سوامی انکلیشور ائیر اور معروف صحافی سعید نقوی نے اپنے کالم کا موضوع بنایا تو کئی تحقیقی اداروں میں تہلکہ مچ گیا۔ جدید تاریخ کی اس بدترین نسل کشی پر تعصب اور بے حسی کی ایسی دبیز تہہ جم چکی ہے کہ کوئی یقین ہی نہیں کر پارہا۔ اس نسل کشی کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ جموں میں ۶۹ فیصد مسلم آبادی تھی، جس کو چند مہینوں میں ہی اقلیت میں تبدیل کر دیا گیا۔ دی ٹائمز لندن کی ۱۰ اگست ۱۹۴۸ء کی ایک رپورٹ کے مطابق ان فسادات میں چند ماہ کے اندر دو لاکھ ۳۷ ہزار افراد ہلاک ہوئے۔ جموں کی ایک سیاسی شخصیت رشی کمار کوشل نے ریاست میں مسلمانوں کے خلاف منافرت پھیلانے میں اہم کردار ادا کیا۔ وہ خود مسلمانوں پر گولیاں چلا رہے تھے۔ اودھم پور کے رام نگر میں تحصیل دار اودھے سنگھ اور مہاراجا کے اے ڈی سی کے فرزند بریگیڈئر فقیر سنگھ خود اس قتلِ عام کی نگرانی کر رہے تھے۔“

[روزنامہ اردو ٹائمز | ۲۷ مارچ ۲۰۲۲ء]

کشمیری پنڈتوں سے مخلص کون؟

اس فلم کو بنانے والے اور بی جے پی کی حکومت کشمیری پنڈتوں کے ساتھ کتنی مخلص ہے اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ یہ فلم صرف انڈیا کے اندر اربوں روپے کا کاروبار کر چکی ہے لیکن جب فلم کے پروڈیوسر اگنی ہوتری سے ایک صحافی نے پوچھا کہ اس فلم سے جو منافع حاصل ہو رہا ہے کیا اسے کشمیری پنڈتوں کی فلاح و بہبود کے لیے اور ان کی دوبارہ آبادکاری کے لیے استعمال کیا جائے گا؟ تو اس کے جواب میں اگنی ہوتری نے غصے میں جواب دیا کہ کیسا منافع؟ ابھی تک تو کوئی منافع نہیں ہوا جب کوئی منافع ہو گا تب دیکھیں گے۔ اس پر جب صحافی نے اس فلم کی کامیابی اور اربوں روپے کا کاروبار کرنے کی طرف اشارہ کیا تو اگنی ہوتری نے اس صحافی کو نظر انداز کر دیا اور دوسرے سے بات شروع کر دی۔

دوسری طرف جموں کے کیمپوں میں رہنے والے کشمیری پنڈت پچھلے تیس سال سے ہندوستانی حکومت سے سراپا احتجاج ہیں کہ انہیں نظر انداز کر دیا گیا ہے اور انہیں حقوق نہیں دیے جا رہے۔ ہندوستان کی حکومتوں کی طرف سے پچھلے تیس سال میں ان کشمیری پنڈتوں کو دوبارہ آباد کرنے کی کوئی سنجیدہ کوشش نہیں کی گئی۔ بلکہ ہمیشہ انہیں سیاسی فوائد کے لیے ہی استعمال کیا جاتا رہا۔ آرٹیکل ۳۷۰ کی منسوخی کے بعد بھی ان کشمیری پنڈتوں کو واپس بسانے کی بات نہیں ہوئی بلکہ انڈیا سے دیگر ہندوؤں کو لا کر کشمیر میں آباد کرنے، کشمیری مسلمانوں کی اراضی پر قبضہ کرنے اور کشمیری مسلمانوں کی زرعی زمینوں کو ہتھیا کر ان پر صنعتیں لگانے پر کام جاری ہے۔ جبکہ کشمیری پنڈتوں کی جھولی میں حکومت کی طرف سے صرف نعرے، دعوے اور وعدے ہی ڈالے جا رہے ہیں۔ ان متشدد ہندوؤں سے زیادہ تو کشمیری پنڈتوں کے کشمیری مجاہدین خیر خواہ ثابت ہوئے کہ برہان وانی رحمۃ اللہ علیہ نے اعلان کیا کہ کشمیری پنڈت واپس آ کر آباد ہو جائیں انہیں تحفظ فراہم کیا جائے گا۔

اختتامیہ

یہ چیزیں ثابت کرتی ہیں کہ پورے ہندوستان میں ’ہندتوا‘ کے نظریے کا پرچار کرنے والا سنگھ پریوار خود ہندوؤں کے ساتھ بھی مخلص نہیں۔ بلکہ ان کے مسائل کو اپنے سیاسی فوائد کے لیے استعمال کر رہا ہے۔ اس کا مقصد صرف یہ ہے کہ جھوٹ اور پروپیگنڈہ کے ذریعے سے اکثریتی ہندو طبقے کے جذبات بھڑکائے جائیں اور ان کی حمایت حاصل کر کے جہاں اپنے اقتدار کو مضبوط سے مضبوط تر کیا جائے وہیں اکثریتی ہندو آبادی کے اندر مسلمانوں کے حوالے سے اس حد تک نفرت بھر دی جائے کہ سارے ہندو مسلمانوں کو ہندوستان سے ختم کرنے کے لیے اٹھ کھڑے ہوں اور ہندوستان کو ہندو راشٹر بنا کر صدیوں پرانی ’برہمن کی حکمرانی‘ کو واپس ہندوستان میں رائج کرنے کا خواب شرمندۂ تعبیر ہو سکے۔

ضرورت اس امر کی ہے کہ ہندوستان کے مسلمان حالات کی نزاکت کا ادراک کریں اور اس خام خیالی سے باہر آجائیں کہ ہندو ’برادرانِ وطن‘ کی اکثریت ان نظریات کو رد کرتی ہے اور وہ مسلمانوں کے ساتھ مل کر رہنے کی خواہاں ہے۔ مسلمانوں کے قتلِ عام کے لیے اسٹیج تیار کیا جا چکا ہے ایسے میں ہمیں چاہیے کہ سرابوں پر بھروسہ کرنے کی بجائے اپنے دفاع کی طرف توجہ دیں اور ہندو بلوائیوں کے حملوں کے خلاف خود کو منظم کرنا شروع کریں۔ اگر ہم اس بھول میں پڑے رہے کہ ہماری تعداد بہت زیادہ ہے اور ہمارے ساتھ ایسا نہیں ہو سکتا تو ہمارے ساتھ بھی خاکم بدہن وہی ہو گا جو کہ برما میں مسلمانوں کے ساتھ ہو رہا ہے۔

☆☆☆☆☆

بقیہ: عالمی تحریکِ جہاد کے گرم محاذوں سے

- کسمایو میں ملیشیا کے اڈے پر مارٹر گولوں کے حملے میں جانی اور مالی نقصان کی اطلاعات ملی۔
- بلبریر کے نزدیک یوگنڈا کے عسکری اڈے پر ۳۰ مارٹر گولے برسانے کے نتیجے میں جانی اور مالی نقصان ہوا۔
- کسمایو میں بم حملے کے نتیجے میں ملیشیا کے کم از کم ۹ ارکان زخمی۔
- سمرب میں ملیشیا کے اڈے پر حملہ کیا گیا۔

☆☆☆☆☆

عالمی تحریکِ جہاد کے گرم محاذوں سے

سعود میمن

مغربِ اسلامی

۱۸ دسمبر ۲۰۲۱ء: صوبہ تنگ میں دشمن کی بکتر بند گاڑیوں پر خود ساختہ بم سے حملہ۔

دسمبر ۲۰۲۱ء: صبری کا کوج کے قریب فوجیوں پر گھات لگا کر حملہ، پانچ فوجی گاڑیاں اور دیگر اشیاء غنیمت۔

یمن

۱۱ فروری: مافی میں سنائپر سے حوثیوں کو نشانہ بنایا گیا۔

۱۲ فروری: البیضاء میں حوثیوں کو خود ساختہ بم سے نشانہ بنایا گیا جس میں متعدد حوثی ہلاک اور زخمی ہوئے۔

۱۵ مارچ: اَبین میں (سیکیورٹی چیف) عبد اللطیف السعید کے جلوس کو گاڑی میں نصب بم سے نشانہ بنایا گیا، جس کے نتیجے میں عبد اللطیف السعید زخمی ہوا اور اس کے چار ساتھی ہلاک ہوئے۔

۱۸ مارچ: البیضاء کے علاقے مافی میں حوثیوں کے حملے کے جواب میں دفاعی حملہ کیا گیا جس میں متعدد حوثی ہلاک اور زخمی ہوئے۔ بفضل اللہ حوثیوں کو شکست ہوئی اور وہ فرار ہو گئے۔

افریقہ

یکم فروری:

- اتھوپیائی فوجیوں پر خود ساختہ بم سے حملہ ہوا، جس میں متعدد فوجی ہلاک و زخمی ہوئے۔
- سرکاری ملیشیا پر خود ساختہ بم سے حملہ ہوا، جس میں ملیشیا کے متعدد اہلکار ہلاک ہوئے اور موٹر سائیکل تباہ ہوئی۔
- سرکاری ملیشیا کے اہلکاروں اور اُن کی رہائشگاہ کو خود ساختہ بم سے نشانہ بنایا گیا۔

۲ فروری:

- صومالی حکومت اور ملیشیا کے اہلکار موسیٰ جلبی کو ہلاک کیا اور ایک ہتھیار غنیمت کیا۔

۳ فروری:

- کینیا میں فوجی اڈے پر حملے میں سرکاری ملیشیا کا افسر ہلاک، اور کینیا کے فوجی زخمی ہوئے۔
- بُرونڈی افواج کا بارودی ماہر حملے میں ہلاک ہوا۔
- فوجی اڈے پر حملے میں کینیا کے فوجی ہلاک اور زخمی ہوئے۔
- بردیری شہر میں اتھوپیا کے فوجی اڈے پر حملہ کیا گیا۔
- حملے میں سرکاری ملیشیا کے ۱۳ افراد مارے گئے اور ۶ افراد زخمی ہوئے، ۳ ہتھیار بطور غنیمت حاصل ہوئے۔

۴ فروری:

- خود ساختہ بم حملے میں امریکہ سے تربیت یافتہ صومالی سپیشل فورسز کے ۶ افراد ہلاک اور ۵ زخمی ہوئے، فوجی گاڑی تباہ ہوئی۔
- کینیا کی افواج اور سرکاری ملیشیا کے اڈوں پر دو حملوں میں ملیشیا کے ۲ افراد زخمی ہوئے۔
- ایتھوپیا کے فوجی اڈے پر حملہ کیا گیا۔
- بیدو شہر کا افسر 'عبدی شیخ محمد' حملے میں ہلاک ہوا۔

۵ فروری:

- صومالی مخابرات سے منسلک ۱۵ افراد حملے میں ہلاک اور زخمی ہوئے۔
- صومالی حکومت کی جیلوں کی نگرانی کرنے والی افواج کے مرکزی دفاتر پر بارودی حملہ کیا گیا۔
- سرکاری ملیشیا کے عسکری اڈے پر حملے میں 20 سے زائد افراد ہلاکت اور متعدد زخمی ہوئے۔

۶ فروری:

- ایتھوپیا کے فوجی اڈے پر حملہ کیا گیا، فوجی ساز و سامان تباہ۔
- دو مختلف کارروائیوں میں حکومتی ملیشیا کے متعدد اہلکار کی ہلاک ہوئے۔
- کینیا کی افواج اور ملیشیا کے اڈوں پر حملہ کیا گیا۔

۷ فروری:

- گھات لگا کر کیے گئے حملے میں حکومتی ملیشیا کے ۶ افراد ہلاک ہوئے۔
- حملے میں اتھوپیا کے ۷ فوجی مارے گئے اور فوجی ٹرک اور خیمے تباہ ہوئے۔

۸ فروری:

- صومالیہ کی پارلیمنٹ میں الیکشن کمیٹی کے رکن 'عبد الحسین آلوہ' کو ہلاک کیا گیا۔

۹ فروری:

- رسکمبونی کے قریب خود ساختہ بم سے حملے میں کینیا کے فوجی ہلاک و زخمی اور فوجی ٹرک تباہ ہوا۔
- موغادیشو میں صومالی پارلیمنٹ سے تعلق رکھنے والے 'محمود جامع عغال' کو ہلاک کیا گیا۔

۱۰ فروری:

- اشتہادی حملے میں پارلیمنٹ کی انتخابی کمیٹی کو نشانہ بنایا گیا، جس میں کمیٹی کے ۶ افراد کے علاوہ ۵ پولیس اہلکار بھی ہلاک ہوئے، جبکہ کمیٹی کے ۱۳ اراکین اور ۳ پولیس اہلکار زخمی ہوئے۔

۱۱ فروری:

- عذلی شہر میں ملیشیا کی چیک پوائنٹ پر حملے میں سرکاری ملیشیا کے ۱۲ افراد ہلاک ہوئے، اور ہتھیار غنیمت کیا گیا۔
- مھدائی میں خود ساختہ بم سے حملے میں حکومتی ملیشیا کے ۱۳ اہلکار ہلاک ہوئے ۔
- موغادیشو میں سرکاری ملیشیا کے افسر کو ہلاک کیا گیا۔
- کسمایو میں گھات لگا کر کیے گئے حملے میں سرکاری ملیشیا کا ایک فرد ہلاک اور ۴ زخمی ہوئے۔
- افمدو، جنالی، اودیقلی اور لفولی میں کیے گئے حملوں میں یوگانڈا کی افواج اور ملیشیا کو بھاری نقصان پہنچایا گیا۔
- موغادیشو میں سرکاری ملیشیا کے افسر کو ہلاک کیا گیا، ملیشیا کی رہائشی بیرک پر حملے میں ملیشیا کے متعدد اہلکار ہلاک وزخمی ہوئے۔
- گھات لگا کر کیے گئے بارودی حملے میں کینیا کے ۱۵ فوجی ہلاک اور فوجی گاڑی تباہ ہوئی۔

۱۲ فروری:

- شمال مشرقی کینیا میں خود ساختہ بم حملے کے نتیجے میں کینیا کے ۲۰ فوجی ہلاک اور فوجی ٹرک تباہ ہوا۔

۱۳ فروری:

- موغادیشو میں ایتھوپیا اور کینیا کی ملیشیا کے فوجی اڈوں اور رہائشی بیرک پر حملے میں جانی اور مالی نقصان ہوا۔

۱۴ فروری:

- بیداوا میں حملے کے نتیجے میں ملیشیا کا افسر 'عمر حسن افتین' ہلاک ہوا، ہتھیار اور سازوسامان بطور غنیمت لیا گیا۔
- دینسور شہر میں مارٹر حملے میں ملیشیا کے متعدد اہلکار زخمی ہوئے۔
- قریولی اور براوی میں یوگنڈا کی فوج کے عسکری اڈوں پر حملہ کیا گیا۔
- کسمایو میں حملہ جس میں سرکاری ملیشیا کا کم از کم ایک اہلکار ہلاک ہوا۔

۱۵ فروری:

- قریولی میں یوگنڈا کے فوجی اڈے پر حملہ ہوا جس میں یوگنڈا کے ۳ فوجی مارے گئے۔
- موغادیشو میں خود ساختہ بم حملے میں سرکاری ملیشیا کے ۱۳ افراد ہلاک اور موٹر سائیکل تباہ ہوئی۔
- جنالی میں سرکاری ملیشیا کے اڈے پر حملہ کیا گیا۔
- کسمایو میں حملے کے نیتیجے میں سرکاری ملیشیا کے افراد ہلاک وزخمی ہوئے۔

۱۶ فروری:

- موغادیشو میں بڑے پیمانے پر حملے اور اشتہادی کاروائیاں:
- پہلے حملے کا آغاز اشتہادی کارروائی سے ہوا جس کے بعد فوجی اڈے پر دھاوا بولا گیا۔ دوسرا حملہ اشتہادی کاروائی سے شروع ہوا، جس کے بعد ملیشیا کے فوجی اڈے پر دھاوا بولا گیا، تیسرا حملہ ملیشیا کے عسکری اڈے 'عیل جنالی' پر ہوا۔ ملیشیا کے اڈوں اور عسکری رہائشوں پر متفرق حملوں میں ملیشیا کا بھاری جانی اور مالی نقصان ہوا۔
- ہلو قا میں خود ساختہ بم حملے میں فوجی گاڑی میں سوار کینیا کا ایک فوجی ہلاک ہوا۔
- شمال مشرقی کینیا میں فوجی گاڑی پر گھات لگا کر حملہ کیا گیا۔
- کلبیو اور جسر طارق میں کینیا کی فوج اور ملیشیا کے دو اڈوں پر حملہ کیا گیا۔
- حدر میں حملے کے نتیجے میں سرکاری ملیشیا کے متعدد جنگجو ہلاک اور زخمی ہوئے۔

۱۷ فروری:

- تارتُو میں سرکاری ملیشیا کے دو اہلکار حملے میں ہلاک ہوئے اور اُن کے ہتھیار غنیمت کیے گئے۔
- واجد میں سرکاری ملیشیا کے عسکری ٹھکانے پر حملہ کیا گیا۔
- موغادیشو میں سرکاری ملیشیا کی دو عسکری رہائش گاہوں پر حملے کیے گئے۔

۱۸ فروری:

- بیدوا میں حملے کے نتیجے میں سرکاری ملیشیا کے متعدد اہلکار ہلاک و زخمی، ہتھیار اور عسکری سامان بطور غمیت لیا گیا۔
- حدرو، جنالی اور موز نقو میں ایتھوپیا، یوگنڈا اور کینیا کی افواج پر حملے کیے گئے۔
- موغادیشو میں سرکاری ملیشیا کی عسکری رہائشگاہ پر خود ساختہ بم سے حملہ کیا گیا۔

۱۹ فروری:

- صومالی پارلیمنٹ کی انتخابی کمیٹی کے سرکاری اہلکاروں، افسروں اور اراکین کے اجتماع پر استشہادی حملہ کیا گیا، جس میں ۲۰ ارکان ہلاک اور متعدد زخمی ہوئے۔
- دینسور میں سرکاری دفتر پر مارٹر سے حملہ کیا گیا۔
- البق میں کیے گئے حملے کے نتیجے میں برونڈی کی افواج اور ملیشیا کے متعدد اہلکار ہلاک و زخمی ہوئے۔
- باردیری میں سرکاری ملیشیا کے عسکری چیک پوائنٹ پر خود ساختہ بم سے حملہ کیا گیا۔
- کیسمایو میں سرکاری ملیشیا کی گشتی ٹیم پر گھات لگا کر حملہ کیا گیا۔
- بریری میں سرکاری ملیشیا پر حملے میں متعدد اہلکار ہلاک اور زخمی ہوئے۔

۲۰ فروری:

- شمال مشرقی کینیا میں کینیا کے فوجی اڈے پر حملہ کیا گیا۔
- بریری میں حملے کے نتیجے میں سرکاری ملیشیا کے ۳ اہلکار ہلاک ہوئے۔
- موغادیشو میں صومالیہ کے سرکاری اہلکار کو ہلاک کیا گیا۔
- حدر میں ایتھوپیا کے فوجی اڈے پر حملے کے نتیجے میں متعدد افراد ہلاک و زخمی ہوئے۔
- بیدوا اور اودیلنی میں عسکری رہائشگاہوں کو تین حملوں میں نشانہ بنایا گیا جس میں ملیشیا کے متعدد اہلکار ہلاک و زخمی ہوئے۔
- سرکاری ملیشیا کی گاڑی پر خود ساختہ بم سے حملہ کیا گیا۔
- بار سنجونی میں سرکاری ملیشیا کے عسکری اڈے پر حملہ کیا گیا۔

۲۱ فروری:

- افجوی میں خود ساختہ بم حملے میں مارئی علاقے پر فائز صومالی حکومت کا علاقائی ناظم اپنے چار محافظوں سمیت زخمی ہوا۔
- سینجلیر اور بار سنجونی میں سنائپر کارروائی اور حملے میں سرکاری ملیشیا کے دو افراد مارے گئے اور مزید دو زخمی ہوئے۔
- بولو مریر میں یوگنڈا کے فوجی اڈے پر حملہ کیا گیا۔
- موغادیشو میں حملے کے نتیجے میں سرکاری ملیشیا کے متعدد اہلکار ہلاک اور زخمی ہوئے۔
- ضلع بارجان میں عیسائی گاؤں پر حملے میں ایک ٹرک اور دو موٹر سائیکل تباہ ہوئے اور تیسرا موٹر سائیکل غنیمت میں لیا گیا۔

۲۲ فروری:

- موغادیشو کے دارالحکومت میں تھانوں اور پولیس کے مرکزی دفاتر پر حملوں میں سرکاری ملیشیا کے ۵ سے زائد افراد ہلاک اور زخمی ہوئے۔
- بیدوا میں ملیشیا کی عسکری رہائشگاہ پر حملہ کیا گیا۔
- الشباب کے مجاہدین نے فیدو میں امریکہ سے تربیت یافتہ صومالی افواج کے سپیشل یونٹ 'دناب' کا حملہ پسپا کیا۔ دناب کے ۷ اہلکار ہلاک اور ۶ زخمی ہوئے۔

۲۳ فروری:

- واجد میں بم حملے میں ایتھوپیا کے ۳ فوجی ہلاک ہوئے۔
- افجوی میں خود ساختہ بم حملے میں یوگنڈا کی افواج سے تعلق رکھنے والے ۳ بارودی ماہر ہلاک ہوئے۔
- موغادیشو میں کرنل 'حسن عثمان عبدی' کو ہلاک کیا گیا۔
- موغادیشو میں بم حملے میں سرکاری ملیشیا کے چھ اہلکار ہلاک ہوئے۔
- بیدا اور بورھکبا میں ایتھوپیا کے فوجی اڈوں پر دو حملے کیے گئے۔

۲۴ فروری:

- موغادیشو میں خود ساختہ بم سے کیے گئے حملے میں برونڈی افواج کے متعدد افراد ہلاک اور زخمی ہوئے۔
- موغادیشو میں کیے گئے حملے میں سرکاری ملیشیا کے دو اہلکار زخمی ہوئے۔

۲۶ فروری:

- بریری میں کیے گئے حملے کے نتیجے میں سرکاری ملیشیا کے ۷ اہلکار ہلاک اور ۸ زخمی ہوئے۔
- بلعد میں کیے گئے دو خود ساختہ بم حملوں میں برونڈی کے دو فوجی اہلکار ہلاک اور دو زخمی ہوئے۔
- جبوتی اور یوگنڈا کی افواج کے فوجی اڈوں پر حملے اور سمریب، قریولی اور قنسحدیری میں سرکاری ملیشیا پر حملے کیے گئے۔
- جسر طارق میں کیے گئے حملے میں سرکاری ملیشیا کا کم از کم ایک فرد ہلاک ہوا۔
- موغادیشو میں دو علیحدہ کارروائیوں کے دوران صومالی حکومت کے ایک جج اور صومالی پولیس کے ایک اہلکار کو ہلاک کیا گیا۔
- افجوی میں کیے گئے حملے کے دوران صومالی حکومت کی جانب سے افگوئی شہر میں مامور انتظامی سیکریٹری زخمی ہوا۔
- موغادیشو اور افجوی میں درکینلی انتظامیہ کے سابقہ افسر اور سرکاری ملیشیا کے اہلکار کو ہلاک کیا گیا۔

۲۷ فروری:

- کسمایو میں کیے گئے حملے کے دوران سرکاری ملیشیا کے ۳ اہلکار ہلاک اور زخمی ہوئے۔

- بوصاصو میں کیے گئے حملے میں سرکاری ملیشیا کا کم از کم ایک اہلکار ہلاک ہوا۔
- سمریب میں جبوتی افواج کے اڈے پر حملہ کیا گیا۔

۲۸ فروری:

- شمال مشرقی کینیا کے عمر جلعو نامی قصبے میں گھات لگا کر کیے گئے حملے میں ۳ فوجی اور قصبے کا ناظم ہلاک، موٹر سائیکل تباہ ہوئی۔
- بریری میں خود ساختہ بم سے کیے گئے حملے میں سرکاری ملیشیا کی بکتر بند گاڑی میں سوار متعدد اہلکار ہلاک اور زخمی ہوئے۔
- موغادیشو اور افجوی میں حملے کے دوران سرکاری ملیشیا کے ۶ افراد ہلاک اور زخمی ہوئے۔
- موغادیشو میں دار السلام نامی علاقے کے پولیس چیف کو حملے میں نشانہ بنایا گیا مگر میں وہ بچ نکلا۔
- بیدا اور بورھکبا میں ایتھوپیا اور سرکاری ملیشیا کے دو فوجی اڈوں پر حملہ کیا گیا۔

یکم مارچ:

- موغادیشو میں سرکاری ملیشیا کے افسر کی ہلاک کیا گیا۔

۲ مارچ:

- کسمایو میں گھات لگا کر کیے گئے حملے میں ملیشیا کے ۱۶ ارکان ہلاک اور ۲۰ زخمی ہوئے۔
- موغادیشو میں برونڈی اور یوگنڈا کی افواج پر حملہ
- مالحو میں ملیشیا پر ۲۰ مارٹر گولے داغے گئے۔

۳ مارچ

- بیدوا میں اودلی کے میئر (علاقے کا سیاسی سربراہ) کو دھماکے میں جہنم واصل کرنے کی کوشش، جس میں اُس کے چار محافظین زخمی ہوئے۔
- موغادیشو میں ملیشیا کے رکن کو ہلاک کیا گیا اور اُس کا ہتھیار بطور غنیمت حاصل ہوا۔

۷ مارچ:

- بورھکبا میں سرکاری ملیشیا ۱۳ افراد دھماکے میں ہلاک اور زخمی ہوئے۔
- موغادیشو میں پارلیمنٹ کے رکن کو ہلاک کیا گیا۔
- دینسور میں فوجی اڈے پر مارٹر گولوں سے حملہ کیا گیا جس میں دشمن کو مالی اور جانی نقصان ہوا۔

۸ مارچ:

- شمال مشرقی کینیا میں کینیا کے ایک فوجی کو جہنم واصل کیا گیا۔
- موغادیشو میں ملیشیا کے ایک رکن کو ہلاک کیا گیا۔
- موغادیشو میں کیے جانے والے دھماکے میں فوجی رہائش گاہ کو نشانہ بنایا گیا، جس میں ۴ فوجی ہلاک ہوئے۔

۱۰ مارچ:

- ملیشیا کی چیک پوائنٹ پر حملے کے بعد الشباب نے ماتابان شہر کا کنٹرول سنبھال لیا۔

۱۱ مارچ:

- بلمریر اور افجوئی میں یوگنڈا کے فوجی اڈوں پر حملہ جس میں دشمن کا جانی نقصان اور فوجی سازوسامان تباہ ہوا۔
- ہوزنقو اور کسمایو میں یوگنڈا کے دو فوجی اڈوں پر حملہ کیا گیا جس میں کینیا کے متعدد فوجی اور ملیشیا کے اہلکار ہلاک اور زخمی ہوئے۔
- موغادیشو اور افجوئی میں کی گئی دو کارروائیوں میں ملیشیا کے دو افراد ہلاک ہوئے۔

۱۲ مارچ:

- مجنگو میں کینیا کے فوجی اڈے پر حملہ کیا گیا جس میں چین کا ایک انجینئر اور ۶ کینیائی ملازمین ہلاک ہوئے۔
- بلد میں ایک چیک پوائنٹ پر حملے میں ملیشیا کا ایک رکن ہلاک ہوا اور اُس کا ہتھیار ضبط کر لیا گیا۔

۱۳ مارچ:

- موغادیشو میں ۴ دھماکوں اور حملوں میں ملیشیا کے متعدد افراد ہلاک ہوئے۔

۱۴ مارچ:

- کسمایو میں فوجی اڈے پر حملے میں ملیشیا کے ۱۰ سے زائد افراد ہلاک اور زخمی اور فوجی گاڑی تباہ ہوئی۔
- شمال مشرقی کینیا میں فوجی اڈے پر حملے میں کینیا کے دو فوجی ہلاک ہوئے۔
- موغادیشو میں ملیشیا کے رکن کو ہلاک کیا گیا اور اُس کا ہتھیار بطور غنیمت لے لیا گیا۔
- شمال مشرقی کینیا میں مجاہدین کے تیار کردہ بم سے کیے گئے حملے کے نتیجے میں کینیا کے ۱۱ فوجی ہلاک اور ۸ زخمی ہوئے۔
- دیبانکا میں بم حملے میں ملیشیا کے ۱۳ افراد ہلاک ہوئے۔

۱۵ مارچ:

- بوصاصو میں خود ساختہ بم سے کیے گئے حملے میں ملیشیا کے ۷ افراد ہلاک اور متعدد زخمی ہوئے، فوجی گاڑی تباہ ہوئی۔
- مہدے میں خود ساختہ بم سے برونڈی کی فوج کے 2 اہلکار ہلاک ہوئے۔
- موغادیشو میں پارلیمنٹ کمیٹی کا رکن بم حملے میں ہلاک ہوا۔
- موغادیشو میں ملیشیا کا رکن جہنم واصل ہوا۔

۱۶مارچ:

- کسمایو میں گھات لگا کر کیے گئے حملے کے دوران ملیشیا کے ۸ ارکان ہلاک اور ۳زخمی ہوئے۔
- تاقلی میں خود ساختہ بم حملے میں کینیا کی فوجی گاڑی تباہ اور اُس میں سوار اہلکار زخمی ہوئے۔
- بلد میں ملیشیا کے متعدد افراد ہلاک اور زخمی ہوئے۔
- ماتابان میں ایک چیک پوائنٹ پر حملہ، ملیشیا کے متعدد افراد زخمی اور ہلاک ہوئے۔

۱۷مارچ:

- شمال مشرقی کینیا میں فوجی کاروان پر گھات لگا کر حملہ کیا گیا۔
- واجد میں ایتھوپیا کے فوجی اڈے پر حملے میں ایتھوپیا کے متعدد فوجی زخمی اور ہلاک ہوئے۔
- بیدوا میں گھات لگا کر کیے گئے حملے میں ملیشیا کے ۳اہلکار زخمی ہوئے۔
- بریری میں افریقی افواج پر مارٹر گولے برسائے گئے جس کے نتیجے میں جانی اور مالی نقصان کی اطلاعات ملیں۔
- افجوئی میں کیے گئے دھماکے کے نتیجے میں ملیشیا کے ۳افراد ہلاک اور زخمی، موٹر سائیکل تباہ ہوئی۔
- موغادیشو میں ملیشیا کے رکن کو جہنم واصل کیا گیا۔
- کسمایو میں ملیشیا کے ارکان کو گھات لگا کر ہلاک اور زخمی کیا گیا۔
- موغادیشو میں غیر ملکیوں پر بم سے حملہ کیا گیا جس میں ۵افراد زخمی ہوئے۔
- موغادیشو میں جیل کے نگران افسر کو ہلاک کیا گیا۔

۱۸مارچ:

- موغادیشو میں خود ساختہ بم سے کیے گئے حملے میں برونڈی افواج کے ۶ اہلکار ہلاک اور ۳زخمی، ایک فوجی گاڑی تباہ ہوئی۔
- براوی اور کسمایو میں یوگنڈا اور ملیشیا کے اڈوں پر حملے کیے گئے۔

۱۹مارچ:

- شمال مشرقی کینیا میں گھات لگا کر کینیا کی فوجی گاڑی پر حملہ کیا گیا جس میں دشمن کا نقصان ہوا۔
- موغادیشو میں ملیشیا کے رکن کو جہنم واصل کر کے اُس کا ہتھیار غنیمت میں لے لیا گیا۔
- جوھر میں چیک پوائنٹ پر حملے میں ملیشیا کا کم از کم ایک فرد زخمی ہوا۔

۲۰مارچ:

- کسمایو میں فوجی اڈے پر حملہ جس میں دشمن کو جانی اور مالی نقصان پہنچایا گیا۔
- موغادیشو میں ملیشیا کے افراد کو دو دھماکوں میں نشانہ بنایا گیا، دشمن کی جانب سے ہلاکتوں اور زخمیوں کی اطلاعات۔
- عیلواق میں کارروائی کے دوران ملیشیا کا ایک فرد زخمی ہوا۔

۲۱مارچ:

- دنسور میں ایتھوپیا کے فوجی اڈے پر ۲۰ مارٹر گولے برسائے گئے، جانی اور مالی نقصان کی اطلاعات۔
- موغادیشو میں ملیشیا کی رہائشگاہ پر حملہ اور موغادیشو میں ملیشیا کے دو افراد کو ہلاک کیا گیا۔

۲۲مارچ:

- واجد، افمادو اور ہوزنقو میں فوجی اڈوں اور کینیا کی افواج پر حملوں میں دشمن کا جانی اور مالی نقصان ہوا۔
- بیدوا میں گھات لگا کر دشمن پر حملہ کیا گیا جس میں کم از کم ملیشیا کا ایک فرد ہلاک ہوا۔
- سمرب میں فوجی اڈے کے اندر جبوتی کی افواج پر حملہ کیا گیا۔
- دنسور میں دھماکے کے نتیجے میں ایتھوپیا کی افواج کے ۳ افراد ہلاک اور ۴ زخمی ہوئے۔

۲۳مارچ:

- موغادیشو میں حیلانی فوجی اڈے کے خلاف بڑی کارروائی عمل میں لائی گئی جس میں استشہادی حملے بھی شامل تھے۔ یہ فوجی اڈہ افریقی افواج کا سب سے بڑا فوجی اڈہ ہے۔ حملے میں اقوامِ متحدہ کے مرکزی دفتر، مغربی سفارت خانوں اور غیر ملکی سفارت

کاروں کو نشانہ بنایا گیا۔ گھمسان کی لڑائی کے بعد کارروائی کے نتیجے میں دشمن کے متعدد فوجی اہلکار ہلاک ہوئے۔ حملے میں ۶ غیر ملی ہلاک اور ۵ زخمی ہوئے۔ اس کے ساتھ ساتھ (صومالیہ میں افریقی اتحاد کا مشن)AMISOM کے ۱۸ افراد اور پولیس اہلکاروں کی بڑی تعداد زخمی ہوئی۔

- کیدانامی جزیرے پر کینیا کے فوجی اڈے کے اندر کینیا کے دو فوجیوں کو ہلاک کیا گیا۔
- بیدوا میں گھات لگا کر ملیشیا کے دو افراد کو جہنم واصل کیا گیا اور اُن کے ہتھیار غنیمت لے لیے گئے۔
- گھات لگا کر موغادیشو میں ملیشیا کے ایک رکن کو ہلاک کیا گیا۔

۲۴ مارچ:

- بلدوین میں مرتدین کے اڈے پر دو حملوں میں ۴۷ مرتد ہلاک اور ۹۰ سے زائد زخمی ہوئے۔ ہلاک ہونے والوں میں سرکاری افسران، الیکشن کے امیدواران، عسکری کمانڈر اور فوجی بھی شامل ہیں۔

۲۵ مارچ:

- موغادیشو میں پارلیمنٹ کمیٹی کے رکن کی ہلاک کیا گیا۔
- موغادیشو میں ملیشیا کے عسکری اڈے پر بم سے حملہ کیا گیا جس کے بعد جانی اور مالی نقصان کی اطلاعات ملیں۔

۲۶ مارچ:

- افجوئی اور موغادیشو میں کیے گئے دو دھماکوں میں ملیشیا ۵ افراد ہلاک اور زخمی ہوئے۔
- تبتو اور کسمایو میں عسکری اڈوں اور عسکری کارواں پر گھات لگا کر کیے گئے۔ حملوں کے نتیجے میں کینیا کے فوجی ہلاک اور ملیشیا کے کم از کم ۱۳ افراد زخمی ہوئے۔
- موغادیشو میں امنیتی اور جاسوسی اداروں میں مامور افراد کی گاڑی پر بم سے حملہ کیا گیا۔ حملوں میں ۲ افسران زخمی ہوئے۔
- بلدھاوا میں سکیورٹی ادارے کے افسر کو جہنم واصل کیا گیا۔
- موغادیشو میں ملیشیا کے رکن کو ہلاک کر کے اُس کا ہتھیار بطور غنیمت لے لیا گیا۔
- بوصاصو میں حملے میں ملیشیا کے ارکان ہلاک اور زخمی ہوئے، اس کارروائی میں عسکری گاڑیاں تباہ ہوئیں، اور ہتھیار اور دیگر عسکری سازوسامان بطور غنیمت ہاتھ آیا۔
- ارض البنط کی افواج کے ۲۵ سے زائد فوجی ہلاک اور زخمی اور 6 عسکری گاڑیاں تباہ ہوئیں۔ بڑے پیمانے پر ہتھیار، گولہ بارود اور عسکری سازوسامان بطور غنیمت لے لیا گیا، اور فارار میں فوجی اڈے کو نذرِ آتش کر دیا گیا۔
- موغادیشو میں حملے کے نتیجے میں افریقی افواج کے ۴ افراد ہلاک اور ۷ زخمی ہوئے۔

- جوھر ہوائی اڈے پر برونڈی کی افواج کو نشانہ بنایا گیا، دشمن کے نقصان کی اطلاعات موصول ہوئیں۔

۲۷ مارچ:

- افار شہر میں حملے کے نتیجے میں ارض البنط کی ملیشیا کے افراد ہلاک اور زخمی ہوئے، فوجی گاڑیاں تباہ ہوئی، ہتھیاروں کی بڑی تعداد، گولہ بارود، اور فوجی سازوسامان بطور غنیمت لے لیا گیا۔ اطلاعات کے مطابق ارض البنط کی افواج کے ۲۵ سے زائد فوجی ہلاک اور زخمی ہوئے اور ۶ فوجی گاڑیاں تباہ ہوئیں اور اڈہ نذرِ آتش ہوا۔
- موغادیشو میں فوجی اڈے پر حملے میں ۴ افریقی فوجی ہلاک اور ۷ زخمی ہوئے۔

۲۸ مارچ:

- بورھکبا میں حملے کے دوران ملیشیا کے ارکان ہلاک اور زخمی، ایک کلاشنکوف غنیمت حاصل ہوا۔
- بلد شہر میں برونڈی کے فوجی اڈے پر ۳ فوجیوں کو اُن کے اپنے ہی ساتھی نے ہلاک کر دیا۔

۲۹ مارچ:

- ہوز نقو میں کینیا کے فوجی اڈے پر حملہ کیا گیا۔

۳۰ مارچ:

- ونلوین میں دھماکے کے نتیجے میں سرکاری میئر (علاقے کا سیاسی سربراہ) زخمی اور اس کے دو محافظ ہلاک ہوئے۔
- بردالی شہر کے قریب ملیشیا کے عسکری کارواں پر گھات لگا کر حملہ کیا گیا جس میں متعدد افسران زخمی ہوئے، ایک کار تباہ اور ۴ موٹر سائیکل غنیمت کی گئیں۔
- موغادیشو میں صومالی سرکاری خفیہ ادارے کے ایک افسر کو ہلاک کیا گیا۔
- سنجلر کے علاقے میں ملیشیا کی عسکری رہائش پر حملے میں ملیشیا کے متعدد ارکان زخمی ہوئے۔

۳۱ مارچ:

- حنالی اور ھدر میں عسکری اڈوں پر ملیشیا کے متعدد ارکان ہلاک اور زخمی ہوئے۔
- بیدوا میں گھات لگا کر کیے گئے حملے میں ملیشا کے دو ارکان ہلاک اور ۳ موٹر سائیکل غنیمت ہوئے۔

(باقی صفحہ نمبر 79 پر)

سحر ہونے کو ہے

بنتِ طبیب

تین دن کے اندر اندر وہ سب پاکستان، افغانستان کے بارڈر کے قریب شفٹ ہو گئے تھے۔ یہ مجاہدین کا علاقہ تھا اور چھاپے کے لحاظ سے خطرات کم تھے۔ یہاں کی زندگی نور کے لیے کافی مختلف تھی۔ مٹی کے گھر تھے۔ باتھ روم، غسل خانے سب کچھ بہت مختلف تھے۔ کچن بھی کمروں کے اندر تھا۔ برتن اور کپڑے قریبی چشمے پر جا کر دھونے پڑتے تھے۔

جویریہ کی آنکھوں کے آپریشن کے حوالے سے اسلام آباد کے ایک ہسپتال میں کچھ امید بندھی تھی مگر اب وہ لوگ وہاں سے بہت دور آ گئے تھے۔ عبادہ کا خیال تھا کہ چھ سات ماہ گزرنے کے بعد وہ مجاہدین کے ہی کسی شہری علاقے میں کوشش کر کے دیکھیں گے۔

مصعب، ابو بکر اور علی بھی ان کے ساتھ ہی شفٹ ہو گئے تھے۔ اور سب سے حیرت انگیز بات یہ کہ ارمغان بھی اکثر و بیشتر یہاں کا چکر لگاتا رہتا تھا مگر زیادہ تر وہ اسلام آباد میں ہی رہتا تھا۔ عبادہ کے بقول وہ توبہ کر چکا تھا اور جہاد کر رہا تھا۔

ابو بکر کی بھی نسبت طے ہو گئی تھی۔ علی کی شادی جلد متوقع تھی اور جلد ہی اس نے منال کو لے کر ادھر آ جانا تھا۔ مصعب کی شادی کے لیے جویریہ کے آپریشن کا انتظار تھا۔

☆☆☆☆☆

”اللہ!...... بولو اللہ“ نور مریم کو گود میں لیے بول رہی تھی مگر وہ مسلسل گود سے اترنے پر مصر تھی۔ آخر تنگ آ کر نور نے اس کو نیچے اتار دیا۔ وہ گھٹنوں کے بل چلتی عبادہ کی طرف بڑھی۔ عبادہ بستر پر لیٹا کتاب پڑھ رہا تھا، اس لیے اس کو دیکھ نہ پایا۔ وہ دھپ سے اس کے پیٹ پر آ کر گر گئی۔

”ال...... ال...... اللہ!“ مریم عبادہ کے سینے پر چڑھ کر توتلی زبان میں ہکلائی۔

”نور! یہ اللہ بولی ہے؟“ عبادہ یک دم خوش ہو کر بولا۔ نور بھی مسکرا کر اسی کی جانب دیکھ رہی تھی۔

”میلی بیتی اللہ بولی ہے؟“ اس نے آگے بڑھ کر اس کے نرم و ملائم گال چوم لیے۔

مریم نو ماہ کی ہونے والی تھی۔ جیسے جیسے وقت گزر رہا تھا، وہ مزید سے مزید پیاری ہوتی جا رہی تھی۔ ہلکے ہلکے گھنگریالے بال کانوں سے نیچے تک آ رہے تھے۔ بڑی بڑی خوبصورت گڑیا جیسی آنکھیں۔ چھوٹی سی نازک سی ناک اور بھرے بھرے سے ہونٹ۔ عبادہ نے خوش ہو کر بے اختیار اس کو ہوا میں اچھالا تو وہ کھلکھلا کر ہنس دی۔

”اور اچھالوں؟“

”اول اول“ وہ اپنی توتلی زبان میں مزید کی فرمائش کرنے لگی۔

”عبادہ! سنا؟“ نور نے بے یقینی سے اس کی جانب دیکھا۔

”اور بولی ہے ناں؟“ عبادہ نے بھی محبت بھری نظروں سے مریم کی جانب دیکھا۔

مریم اب عبادہ کے اوپر سے اتر کر پیچھے ہونے لگی، پھر زمین کے سہارے سے کھڑے ہونے کی کوشش کرنے لگی۔

”ماشاء اللہ!“ نور اور عبادہ دونوں نے اس کی ہمت بندھائی۔ مگر چند سیکنڈ کھڑے رہ کر وہ دھپ سے گر گئی۔

”اب چار سیکنڈ کھڑی رہی ہے!“ نور نے خوشی سے عبادہ کی طرف دیکھا۔ عبادہ نے آگے بڑھ کر اس کو گود میں لے لیا اور اس کے گال چوم کر اپنے سے چمٹا لیا۔

”اللہ تعالیٰ میری بیٹی کو اپنا خاص بندہ بنائے!“

نور مسکرا دی اور عبادہ کو مریم کو گدگدی کرتا دیکھنے لگی۔

☆☆☆☆☆

ماموں...... !!!“ مصعب کے گھر میں داخل ہوتے ہی مریم کی چلچلاتی ہوئی آواز نے اس کا استقبال کیا اور وہ اس کی ٹانگوں سے لپٹ گئی۔

”السلام علیکم! کیا حال ہے؟“ اس نے فوراً اس کو گود میں اٹھا لیا۔ ”اماں سے پوچھ کر آؤ کہ میں تمہیں سیر کروانے لے جاؤں؟“ مصعب نے اس کو نیچے اتارتے ہوئے کہا۔ وہ لڑکھڑاتے قدموں سے اندر چلی گئی۔ ایک منٹ بعد ہی نور بھی آ گئی۔

”السلام علیکم! تم کب آئے؟“ نور نے مسکرا کر اس کی جانب دیکھا۔

”میں ابھی ابھی آیا ہوں...... امینہ خالہ کہاں ہیں؟ مریم کو اپنے ساتھ لے جاؤں؟“

”لے جاؤ!...... امینہ خالہ اور جویریہ پڑوس میں انصار کی طرف گئی ہیں!“ نور بولی تو مصعب خوشی خوشی مریم کو لے کر چلا گیا۔

آدھے گھنٹے بعد مریم لفافوں سے لدی پھندی روتی ہوئی آ گئی۔ نور پریشان ہو کر باہر کو لپکی۔ مصعب غصے سے اس کو گود میں لیے چلا آ رہا تھا۔

”لو سنبھالو اپنی بیٹی کو! دنیا جہاں کی چیزیں لے دیں...... آخر میں کہنے لگی کہ گڑیا لینی ہے...... میں نے نہیں لے کر دی...... بیس منٹ سے رو رہی ہے۔“

نور نے تنبیہی نگاہوں سے روتی ہوئی مریم کی طرف دیکھا۔

”مریم! چپ ہو جاؤ!“ اس نے مریم کو گھور کر دیکھا۔ ”اللہ تعالیٰ کو گڑیا نہیں اچھی لگتی!...... ضد گندے بچے کرتے ہیں! اللہ تعالیٰ کو گندے بچے اچھے نہیں لگتے!“ نور نے اس کے قریب پنجوں کے بل بیٹھتے ہوئے کہا تو یکایک اس کے رونے کو بریک لگ گئی اور وہ ٹکر ٹکر اس کو دیکھنے لگی۔

”گندے بچے جنت میں نہیں جائیں گے!“ وہ آنکھیں صاف کرتے ہوئے بولی۔ مصعب بے ساختہ ہنس دیا اور اس کو گود میں لے کر زور سے بھینچ کر پیار کیا۔

”ماموں! دمیة نہیں...... کرَۃ (گیند) چاہیے!“ ماموں کا موڈ اچھا دیکھ کر اس نے فوراً اگلا مطالبہ کر دیا۔ مصعب اور نور کھلکھلا کر ہنس دیے۔

☆☆☆☆☆

آج اسلام آباد میں جویریہ کا آپریشن تھا۔ نور اور امینہ خالہ ویٹنگ روم میں بیٹھی تھیں۔ عبادہ خطرے کی وجہ سے اپنے گھر میں ہی تھا البتہ مصعب امینہ خالہ اور نور کے ساتھ آیا ہوا تھا۔

تین گھنٹے کے بعد آپریشن تھیٹر سے ڈاکٹر صاحبان باہر نکلے۔ ان سب کے دل انجانے خدشے سے دھڑکنے لگے۔

”الحمدللہ! کامیاب آپریشن ہوا ہے!...... کچھ دنوں کے اندر اندر مریضہ عینک کی مدد سے بالکل ٹھیک دیکھنے لگیں گی!“

نور یہ سنتے ہی سجدے میں گر گئی۔ امینہ خالہ ڈاکٹر کو دعائیں دینے لگیں اور مصعب ڈاکٹر کی ہدایت کردہ دوائیں اور عینک کا بندوبست کرنے چلا گیا۔

☆☆☆☆☆

”فرانس نے ایک بار پھر حضرت محمد ﷺ کے گستاخانہ خاکے شائع کیے ہیں!“

”پوری مسلم دنیا میں احتجاج!“

”کارٹونسٹ ماز کیجان کو لاحق خطرات کی بنا پر ان کے گھر پر سخت سیکیورٹی!“

ریڈیو پر گونجنے والی آواز سے مرکز میں موجود تمام مجاہدین غصے سے بپھر گئے۔

”یہ خبیث!...... مسلمانوں کی غیرت کو اور کتنا آزمانا چاہتے ہیں؟“ ابو بکر غصے سے دھاڑا۔

”ان کو جب تک کوئی مزہ نہیں چکھائے گا...... ان کو آرام نہیں آئے گا!“ عبادہ بھی غصے سے بولا۔

سب کے کھانا کھاتے ہاتھ رک گئے تھے۔ بے دلی سے کسی کا بھی مزید کھانا کھانے کا دل نہ کیا اور ایک ساتھی دسترخوان سمیٹنے لگا۔

☆☆☆☆☆

حالات مجاہدین کے لیے بہتر سے بہتر ہوتے جا رہے تھے اور پاکستان کے مزید سے مزید علاقے فوج کے ہاتھ سے نکل رہے تھے۔ اس لیے عبادہ اب پھر شہری علاقوں میں آ گیا تھا۔ مصعب اور علی کی شادی ہو چکی تھی۔ ابو بکر کی شادی بھی جلد متوقع تھی۔

اللہ تعالیٰ نے نور کو ایک اور بیٹا عطا فرمایا تھا۔ مریم تین سال کی ہو رہی تھی جبکہ مصطفیٰ ابھی سات ماہ کا ہی تھا۔

ابو بکر کی شادی کی تیاریاں عروج پر تھیں مگر ابو بکر خود کسی اور ہی تیاری میں تھا۔ وہ اکثر اوقات عبادہ اور ارمغان کے ساتھ غائب رہتا تھا۔ نور اس کی سرگرمیوں سے بے خبر اس کی شادی کی تیاریوں میں خوشی خوشی مصروف تھی۔

☆☆☆☆☆

گھر میں ہر طرف خوشی ہی خوشی تھی۔ نور نے بھاری کامدار جوڑا پہنا ہوا تھا۔ گھر میں مہمان زیادہ تھے۔ موحد چچا، تائی جان وغیرہ اور عائشہ چچی کے ننھیال والے بھی آئے ہوئے تھے۔ وہ سب کو سنبھالتی پھر رہی تھی۔ وہ ایک ہفتے سے مصعب اور ابو بکر کے گھر آئی ہوئی تھی۔

”اماں! اماں!...... موسیٰ مجھے میرے لَعب (کھلونے) نہیں دے رہا!...... اُرِیدَ لعْبَتِی! (مجھے میرے کھلونے چاہییے)“ مریم نے اس کا پلو کھینچ کر اپنی طرف متوجہ کرنا چاہا۔

”اچھا! اچھا! اِصبِرِی! (صبر کرو) میں ابھی دیکھتی ہوں...... دوپٹہ تو چھوڑ دو!“ اس نے اپنا دوپٹہ صحیح کرتے ہوئے اس کو پیار کر کے ٹرخا دیا۔

اتنے میں اندر کے کمرے سے کسی بچے کی رونے کی آواز سنائی دی۔ کمرے کا دروازہ کھلا، مصعب نے گود میں مصطفیٰ کو اٹھایا ہوا تھا۔

نور نے فوراً آگے بڑھ کر روتا ہوا مصطفیٰ گود میں اٹھا لیا۔

”جیا کہاں ہے؟“ مصعب نے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے کہا۔ اس نے کچن کی طرف اشارہ کر دیا۔ وہ کچن کی طرف بڑھ گیا۔

اچانک گھر میں اونچی آواز سے عبادہ کے سلام کرنے کی آواز گونجی۔

''بابا آگئے! بابا آگئے!'' مریم نجانے کس کونے سے نمودار ہوئی اور اس کی ٹانگوں سے لپٹ گئی۔ علی کا موسیٰ اور بسام بھائی کی مناحل بھی اس کے پیچھے پیچھے عبادہ کے استقبال کو آگئے تھے۔

''السلام علیکم! ملکہ عالیہ!'' عبادہ نے بمشکل بچوں سے جان چھڑوا کر اس کی جانب دیکھا۔ مصطفیٰ بھی نور کی گود سے باہر کو گر رہا تھا۔ ''اوہ ہاں! آپ بھی تو شہزادہ محترم!''

اس نے ہنس کر مصطفیٰ کو گود میں اٹھا کر بھینچ کر پیار کیا۔

''جلدی کریں!...... چچا وغیرہ آپ کا اور امینہ خالہ کا ہی انتظار کر رہے ہیں۔'' نور اس کے سلام کا جواب دے کر تیزی سے بولی۔

عبادہ اور مصعب ابو بکر کو مردان خانے میں لے گئے۔

''چل اندر گھس!...... لڑکیوں کی طرح شرما رہا ہے!'' مصعب نے ابو بکر کو بیٹھک کے دروازے پر پہنچ کر اندر دھکیلا۔

نور اور جویریہ بھی اندر عورتوں کے پاس کمرے میں آگئیں۔

کمرے کے وسط میں گدے پر مؤمنہ دلہن کے روپ میں بیٹھی تھی۔ مریم، موسیٰ اور مناحل اس کے گرد طواف کر رہے تھے اور حیران ہو ہو کر اس کے سراپے کو دیکھ رہے تھے...... یہ آج ان کی خالہ کس حلیے میں تھیں۔ سمیہ منال سے باہر جانے کے لیے جھگڑ رہی تھی، اس کو اندر کی چیزوں سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔ موسیٰ ابھی ابھی مردان خانے سے اپنے بابا کے پاس سے ہو کر آیا تھا اور اب مؤمنہ کے اوپر چڑھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ منال نے بمشکل اس کو قابو کیا ہوا تھا۔

تھوڑی دیر میں ہی ایجاب و قبول ہوا اور نور مؤمنہ سے لپٹ کر خوشی سے پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ مؤمنہ نور کی بھابی بن گئی تھی۔

☆☆☆☆☆

ماموں! ماموں!...... اماں ماموں آگئے!'' مریم، موسیٰ اور سمیہ اچھلتے ہوئے اندر داخل ہوئے۔ اندر بیٹھی مؤمنہ بے ساختہ اکڑ گئی۔ نور نے مسکرا کر اس کی طرف دیکھا۔

''مؤمنہ! ابو بکر آگیا ہے!......'' اس نے مصطفیٰ کو اٹھایا اور باہر کو لپکی۔ اتنے میں ابو بکر اندر داخل ہو گیا۔ سب بچے ماموں سے لپٹ گئے۔

''بچو! یہ کیا تماشہ ہے؟'' وہ غصے سے بولی۔ ''ابو بکر تم بیٹھو!...... مریم! چلو تمہارے سونے کا وقت ہو گیا ہے...... موسیٰ اور سمیہ! اماں تم لوگوں کو ڈھونڈ رہی ہیں، چلو میرے ساتھ!''

وہ تینوں کو بمشکل دھکیلتے ہوئے باہر نکل آئی۔ منال کمرے کے پاس ہی کھڑی تھی۔ وہ اس کو یوں چاروں کے ساتھ دھینگا مشتی کرتا دیکھ کر ہنس دی اور آگے بڑھ کر سمیہ اور موسیٰ کو لے لیا۔

☆☆☆☆☆

نور نے تھک ہار کر بستر میں گھس کر رضائی اپنے اوپر کھینچی۔ مصطفیٰ اور مریم پہلے ہی گہری نیند سو رہے تھے۔ اس نے پیار سے دونوں کے معصوم چہروں کی طرف دیکھا۔ دونوں کو ایک ایک بوسہ دیا اور لحاف ان کے اوپر کر کے خود لیٹ گئی۔ عبادہ نجانے الماری میں سے کیا تلاش کر رہا تھا۔

پرسوں ہی وہ ابو بکر کے ولیمے سے فارغ ہوئے تھے۔ آج شام تک سب مہمان چلے گئے تھے مگر نور بہت تھک گئی تھی۔ امینہ خالہ اپنے کمرے میں تھیں۔ مصروفیت کی وجہ سے پچھلے دو دنوں میں وہ ان سے صحیح طرح مل بھی نہ سکی تھی۔ موحد چچا بمع اہل و عیال واپس چلے گئے تھے۔ علی اور منال بھی اپنے گھر چلے گئے تھے۔ ابو بکر اور مصعب تو اسی محلے میں رہتے تھے۔ مصعب بھی آج ہی اپنے کام کے سلسلے میں چلا گیا تھا۔

''نور! ڈرون بہت زیادہ ہے! میں رات آج باہر گزاروں گا!'' عبادہ الماری سے جیکٹ نکال کر پہنتے ہوئے بولا۔

''اف! عبادہ! اتنی رات ہے اور ٹھنڈ بھی ہے!...... کہاں جائیں گے اس وقت؟ پورا شہر تو سو رہا ہو گا! ڈرون کوئی اتنا زیادہ تو نہیں!'' نور نے نیند سے بند ہوتی آنکھیں بمشکل کھولیں۔ عبادہ بھی ڈانواں ڈول ہونے لگا۔ وہ صحیح کہہ رہی تھی، اتنی دیر سے وہ کس کے گھر جائے گا اور ٹھنڈ اتنی تھی کہ وہ کھلی فضا میں رات نہیں گزار سکتا تھا۔

''ٹھہرو...... پہلے میں ڈرون دیکھ کر آؤں کہ ہے یا نہیں!'' وہ بولا مگر نور نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ سو چکی تھی۔ وہ خاموشی سے باہر نکل گیا۔ ڈرون واقعی جا چکا تھا۔ وہ مطمئن ہو کر کمرے میں آکر لیٹ گیا اور آنکھیں موندلیں۔ پورے گھر میں گہری خاموشی چھا گئی۔

☆☆☆☆☆

ہر طرف آگ ہی آگ تھی۔ گھر ملبے کا ڈھیر بنا ہوا تھا۔ فضا میں ڈرون کی مکروہ آواز مسلسل گونج رہی تھی۔ لوگ چیختے چلاتے ملبہ کھودنے کی کوشش کر رہے تھے۔

''عبادہ!...... عبادہ!'' نور مریم کو کھینچنے کی کوشش کرتے ہوئے چیخ رہی تھی۔ عبادہ دوڑ کر اس کی طرف آیا۔ گھر کے ایک حصے میں آگ لگ چکی تھی اور وہ دونوں ملبے کے نیچے دبی ہوئی تھیں۔

''نور!...... نور!...... تم کہاں ہو؟'' وہ دیوانوں کی طرح چلایا۔

نور مریم کو نکالنے کی کوشش کر رہی تھی مگر ہر طرف آگ ہی آگ تھی۔ ملبے کے ڈھیر میں سے مریم کا آدھا دھڑ نظر آ رہا تھا۔ امینہ خالہ ایک سائیڈ پر مصطفیٰ کو گود میں لیے چپ کرانے کی کوشش کر رہی تھیں۔

رات کے بارہ بجے کے قریب کہیں میزائل گرنے سے ان سب کی آنکھ کھلی۔

''عبادہ! آپ ماما کو دیکھیں! میں بچوں کو لے کر آتی ہوں!'' وہ مریم کو کمبل میں لپیٹتے ہوئے بولی۔ وہ اب تین سال کی ہو چکی تھی اور کمبل میں لپٹنے پر بالکل تیار نہ تھی۔ عبادہ نے فکر مندی سے اس کی جانب دیکھ کر کچھ بولنے کے لیے منہ کھولا ہی تھا کہ ایک میزائل گھر کے قریب آ کر پھٹا۔ فضا میں ڈرون اور ہیلی کاپٹر کی ملی جلی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔

''عبادہ! آپ مصطفیٰ کو لے کر بھاگیں!...... ماما کو سنبھالیں!'' وہ کہتے ہوئے باہر کو بھاگی۔ عبادہ بھی مصطفیٰ کو اٹھا کر باہر بھاگا اور امینہ خالہ کو باہر نکالنے لگا۔

نور بھی اس کے پیچھے نکل ہی رہی تھی کہ شیلف پر پڑا مریم کا فیڈر اور مصطفیٰ کا پیمپر اٹھانے کے لیے رکی۔ اسی لمحے ایک میزائل گھر کے دروازے پر آ گرا۔

دھم! دھم! گھر ملبے کا ڈھیر بن گیا اور ایک حصے میں آگ لگ گئی۔

عبادہ، امینہ خالہ اور مصطفیٰ جھٹکے کی شدت سے دور جا گرے۔ نور اور مریم ملبے تلے دب گئیں۔ مریم کے رونے کی آواز پر نور نے ہاتھ پاؤں مارنے کی کوشش کی تو آدھا دھڑ نکل آیا۔ مگر وہ بری طرح دبی ہوئی تھی۔ اندھیرا ہر سو چھایا ہوا تھا۔ آگ کی وجہ سے کچھ کچھ دکھائی دے رہا تھا۔ آس پڑوس کے لوگ مدد کو آ گئے اور بالٹیاں بھر بھر کر آگ بجھانے لگے۔ عبادہ بھی دیوانوں کی طرح ملبے پر کدال مار رہا تھا۔

''عبادہ!...... کیا ہوا ہے؟'' دور سے ابو بکر کے چلانے کی آواز سنائی دی۔

''ابو بکر! نور اور مریم...... اندر دب گئی ہیں!'' عبادہ کی آواز میں لرزش تھی۔

''نور! کہاں ہو؟ نور!'' ابو بکر کے چلانے کی آواز سنائی دی۔

''اس طرف ہوں!'' نور چیخ کر بولی۔

''عبادہ! تم جاؤ! ہم لوگ نکال لیں گے...... دیکھو ڈرون اور ہیلی کتنا ہے!'' ابو بکر نے فکر مندی سے کہا مگر وہ کسی صورت یہاں سے ہٹنے پر تیار نہیں تھا۔

''تو اچھا ہے ناں!...... اگر ان دونوں کو کچھ ہو گیا تو میں بھی ساتھ ہی شہید ہو جاؤں گا!'' وہ اپنے حواس میں نہیں تھا۔ ''نور!...... مریم؟...... مریم کی آواز نہیں آ رہی نور!''

نور بے بس تھی، کیا کر سکتی تھی۔ آخر مریم کا جسم باہر نکل آیا۔

''عبادہ! اس کو مجھے دو! تم نور کو نکالو!'' ابو بکر نے مریم کو عبادہ کے ہاتھ سے لیتے ہوئے کہا اور ایمبولینس کی طرف دوڑ لگا دی۔ اس کا سر سائڈ سے پچکا ہوا تھا اور خون سے تر بتر تھا۔ اتنے میں نور بھی نکل آئی۔

''مریم کہاں ہے؟'' اس نے ملبے سے نکلتے ہی سوال کیا۔ اس کی ٹانگ پر چوٹ آئی تھی، اس لیے لڑکھڑا رہی تھی۔ عبادہ نے اس کو سہارا دیا۔

''ٹو...نو...ٹو...نو...'' اچانک فضا میں ایمبولینس کی آواز سنائی دی۔

چلو! ابو بکر مریم کو لے گیا ہے! ہم بھی چلتے ہیں!'' اس نے نور کو سہارا دے کر ایمبولینس میں بٹھایا اور امینہ خالہ کی طرف بڑھ گیا۔

☆☆☆☆☆

مریم کی لرزا خیز چیخیں سنائی دے رہی تھیں۔ عبادہ، نور اور امینہ خالہ باہر کمرے میں بیٹھے تھے مگر ان کو اس کی چیخوں کی آوازیں صاف سنائی دے رہی تھیں۔ نور نے عبادہ کا ہاتھ مضبوطی سے تھام رکھا تھا۔ امینہ خالہ مصلے پر بیٹھی ہوئی تھیں۔

ڈاکٹر صاحب مریم کا سٹریچر باہر لے آئے۔ وہ ابھی بھی خون میں لت پت تھی۔ نور اور عبادہ فوراً اٹھ کر اس کی طرف بڑھے۔ عبادہ نے آگے بڑھ کر بے چینی سے اپنی بچی کا گال چوما۔ نور بھی اس کو چھو کر دیکھنے لگی۔ اس کی نبض چل رہی تھی۔

''ڈاکٹر صاحب!...... مریم کیسی ہے؟'' نور نے نم آنکھوں سے ڈاکٹر کی طرف دیکھا۔

''ان شاء اللہ ٹھیک ہو جائے گی!...... کچھ پین کلرز اور اینٹی بائیوٹکس کی ضرورت ہے۔'' ڈاکٹر صاحب خود بھی پریشان لگ رہے تھے۔ ''دعا کریں کہ مل جائیں...... ورنہ امریکہ کی طرف سے پابندی کی وجہ سے دوائیں بھی نہیں مل رہیں!''

وہ سٹریچر کمرے میں لے آئے اور مریم کو ہاسپٹل بیڈ پر ڈال دیا۔

اتنے میں ابو بکر منہ لٹکائے آ گیا۔

''ڈاکٹر صاحب!...... نہ دوائیں ملیں، نہ خون کا بندوبست ہو سکا!''

''آپ لوگوں میں سے کسی کا بلڈ گروپ او پازیٹیو (O+) ہے؟'' ڈاکٹر صاحب نے پُر امید نگاہوں سے ان کی جانب دیکھا۔

''نہیں! ہم میں میرے بھائی مصعب کا ہے مگر وہ ابھی کہیں کام سے گیا ہوا ہے اور ہم سے رابطے میں نہیں ہے!'' ابو بکر مایوسی سے بولا۔ ڈاکٹر صاحب نے نظریں جھکا لیں۔ ان کی آنکھوں میں آنسو تھے۔

”اللہ تعالیٰ ان کم بختوں کو غارت کرے! اللہ کرے ان کے بچے بھی یوں ہی زخموں سے بے تاب اپنے والدین کے سامنے بے بسی کی موت مریں!“ وہ غصے سے بڑبڑائے۔ ایک آنسو ان کی آنکھوں سے پھسل کر گال تک آگیا۔

ابو بکر بوجھل دل لیے وہاں سے ہٹ گیا اور مریم کے بیڈ کے پاس آگیا۔ وہ زخموں سے بھری ہوئی دو گھنٹے پہلے والی پری کہیں گم ہوگئی تھی۔ اس کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔

”ابو بکر! تم ماما کو لے کر گھر چلے جاؤ!“ عبادہ نے ابو بکر کی طرف دیکھا۔ ”میں اور نور ادھر ہی ہیں...... ماما! آپ مصطفیٰ کو بھی لے جائیں۔“ ابو بکر سر ہلا کر کھڑا رہا۔ امینہ خالہ مصطفیٰ کو لے کر اٹھ گئیں۔

☆☆☆☆☆

مریم کے پاس صرف نور اور عبادہ رہ گئے تھے۔ مریم نیم بے ہوشی کی حالت میں تھی۔ کبھی چیخیں مارنے لگتی، کبھی چپ ہو جاتی۔ کبھی ٹانگیں چلانے لگ جاتی۔ کبھی آنکھیں کھول کر ان دونوں کو دیکھتی رہتی۔ اس کے دونوں بازوؤں پر ڈرپیں لگی ہوئی تھیں۔ سر پٹیوں سے جکڑا ہوا تھا۔

”عبادہ!...... مریم بچ جائے گی؟“ نور کی آنکھ سے آنسو بہہ رہے تھے۔ وہ عبادہ کے کندھے پر سر ٹکا کر بیٹھی تھی۔

”اللہ سے دعا کرو!“ عبادہ کی آواز بھاری ہوگئی۔ نور نے چونک کر اس کی جانب دیکھا تو وہ ہلکا سا مسکرایا۔ دو آنسو اس کے گال پر بہہ گئے۔

”ایسے کیوں دیکھ رہی ہو؟ میری بھی تو اولاد ہے ناں!“ نور نے فوراً چہرہ موڑ لیا۔

فجر کی اذان ہو چکی تھی۔ عبادہ اٹھ گیا اور ہسپتال کی مسجد میں نماز ادا کرنے چلا گیا۔ نور نے بھی وضو کر کے نیت باندھ لی۔ سلام پھیر کر وہ جائے نماز پر ہی بیٹھی تھی کہ مریم کے رونے کی آواز نے اس کو چونکا دیا۔ وہ فوراً اٹھ کھڑی ہوئی اور مریم کے پاس آگئی۔ اب وہ پھر نڈھال ہوگئی تھی۔ لمبے لمبے سانس لے رہی تھی۔ اس کو گڑبڑ سی محسوس ہوئی تو پاس کھڑی نرس کو آواز دی۔ نرس معاملے کی نزاکت سمجھ کر ڈاکٹر کو بلانے چلی گئی۔ فوراً دو ڈاکٹر اور ان کا عملہ دوڑا آیا اور مریم پر جھک گیا۔ اس کا سانس کافی رک رک کر آرہا تھا۔ نور کونے میں کھڑی اس کو دیکھ رہی تھی۔ اسی وقت وارڈ کے دروازے سے اس کو عبادہ آتا نظر آیا۔ وہ حیرت سے مریم ہی کی جانب دیکھ رہا تھا۔ اس کی نظر نور پر پڑی تو اس کی طرف بڑھا۔ اس کی آنکھوں کی سرخی اس بات کا پتہ دے رہی تھی کہ وہ رو کر آیا ہے۔

”نور! کیا ہوا ہے؟“ نور آگے بڑھی مگر وہیں ڈھے گئی۔ عبادہ نے آگے بڑھ کر اس کو سہارا دیا۔ وہ اس کے سینے سے لگ کر رو پڑی۔ پھر چہرہ اٹھا کر مریم کی طرف دیکھا۔ عبادہ کی نظر بھی مریم کی طرف اٹھ گئی اور اسی لمحے مریم نے آخری سانس لیا اور اس کی آنکھیں ساکت ہوگئیں۔ نور اور عبادہ کو لگا کہ ان دونوں کی روحیں بھی ساتھ پرواز کر گئی ہوں۔

نور وہیں گر گئی اور ہسپتال کے فرش پر ہی بیٹھ گئی۔ عبادہ بھی اس کو سنبھال نہ سکا اور دیوار سے سر ٹکا کر کھڑا ہو گیا۔ پھر دیوار پر بے بسی سے دو مکے مارے اور اس کی آنکھیں بہنے لگیں۔ اس نے اپنی آنکھیں رگڑیں مگر آنسوؤں نے تھمنے سے انکار کر دیا۔ نجانے ڈاکٹر صاحب کیا کیا کہہ رہے تھے، مگر اس وقت تمام باتیں دونوں کی سمجھ سے بالاتر تھیں۔

”نور؟“ آخر کافی دیر کے بعد عبادہ کو ہوش آیا تو اس نے اِدھر اُدھر دیکھا۔ وہ زمین پر بیٹھی ہونقوں کی طرح مریم کے بیڈ کو دیکھ رہی تھی۔ ”نور!“ اس نے آگے بڑھ کر اس کا ہاتھ تھاما اور زمین پر اس کے سامنے اکڑوں بیٹھ گیا۔ نور نے خالی خالی نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔ اس کا جنت کا پھول اپنی ازلی آرام گاہ کی طرف چلا گیا تھا۔

”عبادہ! مریم ہمیں چھوڑ گئی! ہمیں اکیلا کر گئی!“ وہ اس کی آغوش میں رونے لگی۔ عبادہ کی داڑھی اپنے آنسوؤں سے اور قمیص نور کے آنسوؤں سے بھیگ چکی تھی۔ تھوڑی دیر وہ یوں ہی بیٹھے رہے۔ آخر وہ بمشکل نور کو سہارا دے کر اٹھ کھڑا ہوا۔

”نور! چلو گھر چلیں! ابھی سب گھر والوں کو بھی ہم ہی نے حوصلہ دینا ہے!“ عبادہ دھیرے سے آنسوؤں کے درمیان بولا تو نور نے مریم کی طرف دیکھا اور پھر دوڑ کر اس سے لپٹ گئی اور دھاڑیں مار مار کر رونے لگی۔ عبادہ بھی اس کو بے بسی سے دیکھتا رہا۔ پھر وہ بیڈ کے دوسری جانب بیٹھ گیا اور مریم کے ننھے ننھے بے جان ہاتھوں کو اپنے چہرے سے لگا کر بلک بلک کر رونے لگا۔

ان کی آنکھوں کی ٹھنڈک، روح کا حصہ، جسم کا ٹکڑا...... ان سے جدا ہو گیا تھا۔

☆☆☆☆☆

گاڑی گھر کے سامنے رک گئی۔ ڈرائیور نے مڑ کر مصعب کی طرف دیکھا۔

”بھائی صاحب! آپ کا گھر آگیا ہے۔“ مصعب اچانک چونک کر اپنے خیالوں سے باہر آیا۔ وہ ہفتے کے بعد اپنے گھر واپس آرہا تھا اور بے چینی سے دوبارہ مریم اور مصطفیٰ سے ملنے کو منتظر تھا۔ پورا ہفتہ بھی بڑی مشکل سے گزرا تھا۔ اپنی اکلوتی بھانجی اور بھانجے میں اس کی جان تھی۔

مصعب نے اپنے گھر کا دروازہ کھولنا چاہا مگر وہ اندر سے بند تھا۔ اس نے دروازہ کھٹکھٹایا۔

”کون؟ اوہ تم؟ السلام علیکم!“ ابو بکر کی شکل نظر آئی۔ مصعب نے آگے بڑھ کر اس کو گلے سے لگایا پھر اندر داخل ہو گیا۔ اندر تو میلے کا سماں تھا۔ پورے کا پورا خاندان ہی جمع تھا۔ عبادہ اور نور

کو بھی اپنے گھر میں ہی دیکھ کر اس کا چہرہ کھل اٹھا۔ ان دونوں نے بھی مسکراتے چہروں سے اس کا استقبال کیا۔ وہ دونوں مصعب کے کمرے میں ہی بیٹھے تھے۔ جیا کھانے کی ٹرے لے کر کمرے میں ہی آرہی تھی۔ وہ سب اکٹھے دستر خوان پر بیٹھ گئے۔

’’اور سناؤ! کام ہو گیا؟‘‘ عبادہ نے مسکرا کر پوچھا۔

’’الحمدللہ! ٹھیک ٹھاک! تم لوگ سناؤ! میں تو بمباری کا سن کر بہت پریشان ہو گیا تھا۔‘‘ وہ بے چینی سے پہلو بدل کر بولا۔ مصطفیٰ کو اس نے گود میں لے لیا تھا مگر مریم ابھی تک اس کو نظر نہیں آئی تھی۔ ’’نور! میں نے یہ ہفتہ بڑی مشکل سے گزارا ہے...... مریم کو لاؤ ناں! اس دفعہ اس کے لیے ڈھیر سارے چلغوزے لایا ہوں...... اس کو بہت پسند ہیں ناں!‘‘

نور اور عبادہ کے چہرے یک دم تاریک ہو گئے اور نور کی آنکھوں کی کنارے بھیگنے لگے۔ مصعب کا دل ایک لمحے کو دھڑکنا بھول گیا۔ وہ خاموشی سے دونوں کو تکنے گیا۔

’’ک...... کیا...... ہوا؟‘‘ اس نے ہکلا کر بمشکل جملہ ادا کیا۔ نور نے اپنا چہرہ ہاتھوں میں چھپا لیا۔ عبادہ نے آگے بڑھ کر اس کے کندھے تھپتھپائے۔

’’مصعب! مریم بہت سکون سے ہے!...... وہ بہت پیارے سے گھر میں ہے!...... وہ اپنے نانا، نانی، دادا اور خالہ ماموں کے درمیان کھیل رہی ہو گی...... اور وہ سب اس کو دیکھ کر خوش ہو رہے ہوں گے!‘‘ عبادہ دھیرے سے بولتا گیا۔ مصعب بے یقینی سے آنکھیں پھاڑے اسے دیکھ رہا تھا۔

’’عبادہ؟...... نور؟......‘‘ وہ کبھی عبادہ کی طرف دیکھتا، کبھی نور کی طرف۔ نور اور جویریہ کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ مصعب کی آنکھیں پتھرا گئیں اور وہ خالی خالی نگاہوں سے ان کو دیکھنے لگا۔ ’’مگر!...... نور...... میں تو اس کے لیے خاص چلغوزے لایا تھا...... تم مذاق کر رہی ہو ناں؟...... پلیز کہہ دو کہ تم نے بہت بھیانک مذاق کیا ہے!...... میں کچھ نہیں کہوں گا! پلیز کہہ دو یہ غلط ہے!‘‘ مصعب بولتے بولتے رو پڑا۔

’’بھائی! بھائی! میں سچ کہہ رہی ہوں!‘‘ نور یکدم سسکیاں لے کر رونے لگی۔ جویریہ نے اس کو اپنے ساتھ لگا لیا اور چپ کرانے لگی۔

’’بھائی! مجھے تمہاری ضرورت تھی!...... اس کو خون کی ضرورت تھی!‘‘ وہ بلک بلک کر رو پڑی۔

’’نور! بس کرو!‘‘ وہ بمشکل بول پایا۔ آنسوؤں کی لڑی اس کے گال پر پھسل گئی۔ ’’مجھے قصوروار مت ٹھہراؤ! پلیز!‘‘

نور نے اپنا چہرہ اٹھا کر اس کی جانب دیکھا اور ایک ٹھنڈی آہ بھری۔

’’اللھم اجرنی فی مصیبتی!‘‘ وہ دھیرے سے بولی۔

’’ربنا تقبل منا!‘‘ مصعب بھی آہستہ آواز میں بولا اور آنسو پونچھ لیے۔ ’’جیا! پانی دینا!‘‘

جویریہ جگ میں سے پانی ڈالنے لگی۔

☆☆☆☆☆

دو سال پلک جھپکتے ہی گزر گئے۔ عبادہ امریکہ کے لیے مطلوب ترین شخص بن گیا تھا۔ جس کی وجہ سے وہ انتہائی احتیاط سے رہتا تھا۔ مجموعی حالات پہلے سے بہتر تھے۔ وہ لوگ شہری علاقوں میں ہی رہ رہے تھے۔ مصعب، ابو بکر اور علی کے گھر قریب قریب ہی تھے۔ ارمغان بھی اکثر و بیشتر جہادی کاموں کے سلسلے میں عبادہ سے ملاقات کرنے آتا رہتا تھا۔ نور کو اس کا آنا ایک آنکھ نہ بھاتا تھا اور اس کو ارمغان کا یوں عبادہ کا قریبی ساتھی اور یک دم سے ہمدرد بن جانا زیادہ پسند نہ تھا۔ وہ عبادہ کو کئی بار اس بات کا احساس دلا چکی تھی کہ اس پر اندھا اعتماد نہ کرے۔ مگر وہ ہمیشہ یہی جواب دیتا کہ وہ پکی توبہ کر چکا ہے!

☆☆☆☆☆

’’ابو بکر! سوچ لو!...... یہ کوئی چھوٹی بات نہیں...... یہ تقریباً فدائی ہی ہے!‘‘ عبادہ دھیمی آواز میں ابو بکر سے بات کر رہا تھا۔ ’’اب تم شادی شدہ ہو اور ایک بچی کے باپ بھی...... اس صورت میں بھی تم اس کارروائی میں حصہ لینا چاہتے ہو؟‘‘

’’عبادہ! تم کیسی باتیں کر رہے ہو؟...... رسول اللہ ﷺ کی عزت پر آنچ آجائے اور میں اپنے بیوی بچوں کے بارے میں سوچتا رہوں!...... کیا تم پاگل ہو گئے ہو؟‘‘ ابو بکر بپھر کر بولا۔ اتنے میں کمرے کا دروازہ کھلا۔ ان دونوں نے چونک کر سر اٹھایا۔ اس وقت ان کی خفیہ میٹنگ میں خلل ڈالنے والا کون آ گیا تھا۔

’’السلام علیکم!‘‘ وہ ارمغان تھا۔

’’وعلیکم السلام! ارمغان تمہارا ہی انتظار تھا!...... اچھا ہوا کہ آ گئے!...... بتاؤ کیا بنا؟‘‘

’’فرانس جانے والی فلائٹ کے ٹکٹ مل گئے ہیں...... اگلے مہینے کی دس تاریخ کی فلائٹ ہے!‘‘ ارمغان بولا تو ابو بکر اچھل کر کھڑا ہو گیا۔

’’کیا واقعی؟‘‘ اس نے خوشی سے پوچھا۔ ارمغان کے اثبات میں سر ہلانے پر اس نے اس کے ہاتھ چوم لیے۔

’’کیا مؤمنہ کو پتہ ہے؟‘‘ عبادہ نے پھر پوچھا۔

’’ہاں! پتہ ہے!...... اس نے بہت خوشی سے مجھے اجازت دی ہے...... اور کہا ہے کہ اگر میں اس کارروائی میں شہید ہو جاتا ہوں تو یہ اس کے لیے اعزاز کی بات ہے!‘‘

’’ہوں ٹھیک ہے!...... مگر اور کسی کو نہ پتہ چلے!...... مؤمنہ کو بھی منع کر دو!...... نور کو بھی نہ پتہ چلے!‘‘

ابو بکر نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

☆☆☆☆☆

مصطفیٰ بول بول کر نور کا دماغ کھا رہا تھا۔ جبکہ نور تفسیر پڑھنے کی ناکام کوشش کر رہی تھی۔ اتنے میں ننھی عائشہ جو اس وقت صرف پانچ ماہ کی تھی، کا بھی باجا بج گیا۔ مصطفیٰ اس کی نقل میں آوازیں نکالنے لگا۔ نور نے اپنا سر تھام لیا۔

’’مصطفیٰ! چپ کرو! تم تو چپ کرو!‘‘

مگر مصطفیٰ پر اثر نہ ہوا۔ جتنا زور سے عائشہ روتی اس سے زیادہ زور کی آواز مصطفیٰ نکالتا۔

’’چپ کرو! چپ کرو! مصطفیٰ! مصطفیٰ!‘‘ آخر کافی چیخ و پکار کر بعد کہیں جا کر مصطفیٰ خاموش ہوا۔ کمرے میں خاموشی ہوئی تو عبادہ کی ہنسی کی آواز سنائی دی جو دروازے پر کھڑا نور کو دونوں بچوں کے ساتھ لڑتا دیکھ کر محظوظ ہو رہا تھا۔ نور نے خفگی سے اس کی جانب دیکھا اور عائشہ کو چپ کرانے لگی۔

’’نور! میں کچھ دنوں کے لیے جا رہا ہوں!...... شاید تین چار ماہ لگ جائیں!‘‘ وہ کچھ دیر کے بعد اچانک بولا۔ ’’ابھی ابھی نکلنا ہے! جلدی سے میرا بیگ پیک کر دو!‘‘

نور کا دل ایک لمحے کو بیٹھا مگر اس نے اپنے چہرے سے ظاہر نہ ہونے دیا۔

’’اچھا! صحیح!‘‘

اور وہ جلدی جلدی اس کا بیگ پیک کرنے لگی۔ عبادہ مصطفیٰ کے ساتھ کھیلنے لگا۔

آدھے گھنٹے کے بعد عبادہ امینہ خالہ اور نور کو کسی کو بھی اس کی روانگی کے بارے میں بتانے سے منع کر کے گھر سے باہر نکل گیا۔ اس کے انداز سے لگ رہا تھا کہ وہ کوئی بڑا کام کرنے جا رہا تھا۔

☆☆☆☆☆

’’ارمغان! عادل بھائی ابھی تک پہنچے کیوں نہیں؟ دن نکلتے جا رہے ہیں! ان کو اب تک پہنچ جانا چاہیے!‘‘ عبادہ نے فکرمندی سے اس کی جانب دیکھا۔ ’’ان کے بغیر تو یہ کارروائی نہیں ہو سکتی!‘‘

’’پتہ نہیں انہوں نے کہا تھا کہ وہ بیس تاریخ تک پہنچ جائیں گے! مگر اب یکم ہو گئی ہے!‘‘ ارمغان نے بھی فکرمندی سے ہی جواب دیا۔

’’اچھا! تم جا کر دیکھو! کل میں دوبارہ آجاؤں گا!...... میں اسلام آباد میں زیادہ لمبا عرصہ رہ بھی نہیں سکتا!...... کسی کو میرے آنے کا پتہ تو نہیں چلا؟‘‘

’’نہیں ان شاء اللہ ابھی تک تو نہیں پتہ چلا!‘‘

’’ٹھیک ہے پھر کل ملیں گے ان شاء اللہ!‘‘

☆☆☆☆☆

ارمغان جنرل کے آفس میں باادب سا کھڑا تھا۔ جنرل کولن پار کر گہری نظروں سے اس کا جائزہ لے رہا تھا۔

’’ہوں! تو وہ اس وقت کہاں ہوں گے؟‘‘

’’آج تو پتہ نہیں کہاں ہوں گے...... مگر کل انہوں نے سیٹلائٹ ٹاؤن کے ایک گھر میں جمع ہونا ہے!‘‘

’’پکی بات ہے کہ کل وہ وہاں جمع ہوں گے؟‘‘ جنرل نے سوچتے ہوئے پوچھا تو ارمغان بے چینی سے پہلو بدلنے لگا۔

’’سر! وہ...... میں نے ان کو عادل خان کی گرفتاری کا بتا دیا ہے!...... شاید وہ بھاگنے کی کوشش کریں!‘‘

’’گدھے ہو تم!‘‘ جنرل چنگھاڑا۔ ارمغان سر سے پاؤں تک کانپ گیا۔ ’’کیوں بتا دیا؟‘‘

’’وہ...... منہ سے نکل گیا تھا!‘‘ اس کی آواز میں لرزش بر آئی۔ ’’وہ بار بار پوچھ رہا تھا...... اور اسی دن بھاگنے کا سوچ رہا تھا۔ اس کو پہلے ہی شک ہو گیا تھا...... اس لیے میں نے اس کو مزید روکے رکھنے کے لیے یہ بتا دیا...... اب وہ اپنے باقی ساتھیوں کو نکلوانے کی فکر میں لگ جائے گا!‘‘

’’ہوں! تو تمہیں کنفرم نہیں کہ وہ کل آئیں گے یا نہیں!‘‘

’’اسّی فیصد امید ہے کہ آئیں اور بیس فیصد کہ نہ آئیں!...... مگر سر ٹرائی کرنے میں حرج کیا ہے؟ آپ کوشش تو کریں...... ہو سکتا ہے آپ کی قسمت اچھی ہو!‘‘ ارمغان دھیرے سے بولا۔

جنرل سوچ میں گم ہو گیا۔

☆☆☆☆☆

’’کیوں نہیں آئے ابھی تک عادل بھائی!‘‘ عبادہ بے چینی سے ٹہلتے ہوئے بولا۔

’’عبادہ! وہ گرفتار ہو گئے ہیں!‘‘ ارمغان کی بات اس کے لیے دھماکے سے کم نہ تھی۔

”کیا؟“وہ چونک کر بولا۔”ارمغان! جلدی سے ابو بکر کو بلاؤ!“

ارمغان کمرے سے نکل گیا اور کچھ ہی دیر میں ابو بکر کو بلا لایا۔

”ابو بکر! تیاری کرو!...... کارروائی اس دفعہ نہیں ہو سکتی!...... عادل بھائی گرفتار ہو گئے ہیں...... اور ہمیں جلد از جلد یہاں سے نکلنا ہے!“

عبادہ کی بات سن کر ابو بکر کے چہرے کی چمک ماند پڑ گئی۔ ارمغان غور سے ان دونوں کو دیکھ رہا تھا۔

”مگر......“ ابو بکر نے بولنا چاہا مگر عبادہ نے اس کی بات کاٹ دی۔

”ابو بکر! اس وقت اس کارروائی کی کوشش کرنے کا نتیجہ سوائے گرفتاری کے اور کچھ نہیں!...... اس لیے اس کو اللہ تعالیٰ کی مشیت سمجھو اور تیاری کرو! ہم واپس جا رہے ہیں!“

”عبادہ! مگر باقی ساتھیوں کا کیا بنے گا؟“ ارمغان نے پہلی دفعہ گفتگو میں حصہ لیا۔

عبادہ سوچ میں گم ہو گیا۔ پھر کافی دیر کی سوچ بچار کے بعد سر اٹھایا۔

”ابو بکر! تم جاؤ...... خلیل بھائی، احمد بھائی اور عبد اللہ کو لے کر واپس جاؤ!...... میں ایک دو دن میں باقی ساتھیوں کو نکلوا کر واپس آ جاؤں گا! ارمغان! تم بے شک ادھر ہی رہو!...... عادل بھائی کو تمہاری پہچان تو نہیں ناں...... تم تو خالد بھائی کے ذریعے سے ملتے تھے ناں؟“

ابو بکر اور ارمغان نے خاموشی سے سر ہلا دیا، اور دونوں کمرے سے نکل گئے۔ عبادہ پھر بے چینی سے ٹہلنے لگا۔

☆☆☆☆☆

دروازہ زور زور سے بج رہا تھا۔ نور مصطفیٰ کو سلانے کی کوشش کر رہی تھی۔ عائشہ امینہ خالہ کے پاس تھی۔ مصطفیٰ کو سلا کر وہ دروازہ کھولنے کمرے سے باہر نکلی۔ دروازہ کھلتے ہی اس کو ایک خوشگوار حیرت کا سامنا ہوا۔ دروازے پر عبادہ کھڑا تھا۔ وہ تو ایک ہفتے میں ہی آ گیا تھا۔

”السلام علیکم!“ وہ اپنے مخصوص انداز میں مسکرایا۔

”آپ؟“ نور نے حیران ہو کر پوچھا۔

”اندر نہیں آنے دو گی؟“ عبادہ بے ساختہ ہنس دیا تو نور نے خفت سے راستہ چھوڑ دیا۔

”ابھی آ گیا ہوں!...... کام نہیں ہو سکا!...... ماما کہاں ہیں، کمرے میں ہی ہیں؟“ وہ امینہ خالہ سے سلام کرنے ان کے کمرے کی طرف بڑھنے لگا کہ اچانک رک گیا۔ ”کچھ کھانے کو ہے؟ بہت بھوک لگی ہے!“

وہ اپنے پیٹ پر ہاتھ پھیرتے ہوئے بولا۔ نور نے مسکرا کر سر ہلا دیا۔

”مصعب اور ابو بکر ٹھیک ہیں...... علی وغیرہ کیسے ہیں؟“

”مصعب اور جویریہ تو خیریت سے ہیں!...... ابو بکر تو کافی دنوں کے بعد آیا ہے...... اس کے پیچھے خدیجہ کی طبیعت بہت خراب ہو گئی تھی، ملیریا ہو گیا تھا۔ ہم سب تو بہت پریشان ہو گئے تھے...... شکر ہے ابو بکر آ گیا!...... اور آپ کے جانے کے اگلے دن علی اور منال آئے تھے!“

”ہوں!“ عبادہ نے سوچتے ہوئے ہنکارا بھرا۔ نور کچن میں گھس گئی۔

اس کا مطلب تھا کہ نور کو اندازہ نہیں ہوا۔ شاید اللہ تعالیٰ نے خدیجہ کی خاطر ہی اس کو واپس بھیجا تھا۔

”اسلام علیکم ماما!“ ابو بکر دروازہ کھٹکھٹا کر اندر داخل ہوا۔ امینہ خالہ بھی اس کو دیکھ کر خوش ہو گئیں اور اس کی بلائیں لینے لگیں۔

”ماما! ہم نے اس گھر کو شفٹ کرنا ہے!“ عبادہ کی بات سن کر کمرے میں داخل ہوتی نور رک گئی۔

”کیوں بیٹے؟“

”وہ اصل میں ایک دو گرفتاریاں ہوئی ہیں...... پھر ہمارے پیچھے ایک مرکز پر چھاپہ بھی پڑا ہے، اس لیے گھر شفٹ کرنا ہے!“

نور ٹرے اٹھائے کمرے کے اندر آ گئی۔

”اوہ!...... قیمہ بنا ہے؟“ عبادہ نے ٹرے پر جھکتے ہوئے خوشی سے کہا۔ ”ماما! آپ نے بنایا ہے؟“

”نہیں!...... جویریہ نے بھیجا ہے!“ امینہ خالہ نے کہا۔

”اچھا؟...... ماشاء اللہ میری بہن اتنی بڑی ہو گئی ہے!“ عبادہ نے لقمہ منہ میں ڈالتے ہوئے کہا تو نور کو اس کی بات پر بے ساختہ ہنسی آ گئی۔

☆☆☆☆☆

(جاری ہے، ان شاء اللہ)

سُلطانئ جمہور

علی بن منصور

تاریخ: ۱۶ مارچ ۲۰۱۹ء

وقت: شام، ساڑھے پانچ بجے

مقام: ابّا جی کا کمرہ......

ہاشمی ہاؤس کے تمام مکین اس وقت کمرے میں موجود تھے۔ کمرہ کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ پریشان صورت و متفکر صولت بیگم اور فائزہ بیگم کھڑکی کے پاس کرسیاں ڈالے بیٹھی تھیں۔ بیمار و مضمحل سے ابّا جی، اپنے بیڈ پر پیر اونچے کیے اور ٹانگوں پر ہلکا کمبل اوڑھے، ان کی پائنتی کی جانب نسرین اور اس کی گود میں عبد اللہ۔ کھڑکی کے مقابل دیوار کے ساتھ ایک ترتیب سے سلمیٰ اور وسیم، آپائی، لبنیٰ اور اس کی ماں، قالین پر ایک دوسرے کے ساتھ ذرا جڑ کر بیٹھی تھیں۔ ان سے ذرا سے فاصلے پر نور، ہادیہ، جویریہ، فاطمہ، بینش اور بتول تھیں۔ سبھی چہرے سنجیدہ تھے، فکر مند تھے، اور جیسے کسی انہونی کے منتظر تھے۔

کمرے کے دوسرے کونے میں کتابوں کے شیلف کے پاس گھر کے تمام لڑکے بیٹھے تھے۔ زین، اویس، صہیب، حسن، حسین اور شہیر......خواتین کے برعکس ان کے چہرے جوش و جذبے سے دمک رہے تھے، جیسے کچھ طے کر کے آئے ہوں، اور اپنی منوا کر جانے کے ارادے سے بیٹھے ہوں۔ ادھ کھلے دروازے کے پاس زوار دیوار سے ٹیک لگائے، یوں کہ ایک گھٹنا موڑ کر پاؤں دیوار پر رکھا تھا، جبکہ دوسرے پاؤں اور کمر کی ٹیک کے سہارے دیوار سے لگا کھڑا تھا۔ دروازے کے باہر اور کمرے میں موجود افراد کی آنکھوں سے اوجھل، سیکورٹی گارڈ امانت چوکس کھڑا تھا۔ اس کے ساتھ دروازے کے پیچھے نذیر، سلطان اور پرویز بھی موجود تھے، مگر کمرے کے اندر بیٹھے افراد کی نظروں سے اوجھل تھے۔

کمرے کے وسط میں جو چند گز کی خالی جگہ بچی تھی، وہاں عمیر بے چینی سے ٹہل رہا تھا۔ وہ دونوں ہاتھ کمر پر باندھے، کسی گہری سوچ میں گم، چلتے چلتے نور کے سر پر پہنچ جاتا، جو ابّا جی کے بیڈ کے قریب بیٹھی تھی۔ پھر واپس پلٹتا اور کمرے کے دوسرے کونے میں، داخلی دروازے کے ساتھ رکھے اس سنگل صوفے تک کے چند قدم طے کرتا جس پر اس وقت صہیب براجمان تھا۔

وہ شدید فکری خلفشار کا شکار لگ رہا تھا۔ جیسے کسی فیصلے پر پہنچنا چاہ رہا ہو اور پہنچ نہ پا رہا ہو۔ اور یہی......اس وقت کمرے میں موجود کم و بیش ہر ایک شخص کی ذہنی کیفیت تھی۔ وہ پچھلے ڈھائی تین گھنٹوں سے یہاں جمع تھے۔ اور صبح کے واقعے کے بعد جس طرح نبیلہ ذہنی صدمے کا شکار ہو کر تقریباً ناکارہ ہو کر اپنے کمرے میں پڑی تھی، عمیر نے ان سب کو اس لیے جمع کیا تھا کہ ان کے لیے اس صورتحال میں اپنے لیے کسی لیڈر کا تعین کرنا ضروری تھا۔ گھر کی بھاری اکثریت کی نذیر کے حق میں نکالے جانے والی احتجاجی ریلی نے نبیلہ کو شدید متاثر کیا تھا۔ زوار کے مطابق اس نے جب نبیلہ کو اس کے کمرے میں بحفاظت پہنچایا تو نبیلہ ہذیانی انداز میں رو اور چیخ رہی تھی۔ اسے سنبھالنا اس قدر مشکل ہو گیا کہ زوار نے اس کو ٹرینکولائزر (سکون آور دوا) کھلا کر سلا دیا۔ یہی اس کی ذہنی صحت کے پیشِ نظر ضروری بھی تھا۔ اور وہ اب تک اپنے کمرے میں دوا کے زیرِ اثر مدہوش پڑی تھی۔

اب اس صورتحال میں جبکہ ہاشمی ہاؤس اندرونی تنازعوں اور جھگڑوں میں گھرا ہوا تھا، گھر کے اہم قائدین جیسے عثمان صاحب بیمار تھے اور ابو بکر صاحب شہر سے باہر، جبکہ جاوید صاحب ان دونوں کی کمی پوری کرنے کے لیے اکیلے معاشی محاذ سنبھالے ہوئے تھے، سربراہِ خانہ کی اچانک خالی ہونے والی جگہ سے کاروبارِ زندگی میں جو خلا متوقع طور پر پیدا ہونے والا تھا، اس کا سدِ باب کیسے کیا جائے؟ اس سوال کا جواب تلاشنے میں وہ پچھلے ڈھائی گھنٹے سے سرگرداں تھے۔ تجاویز سب کے پاس تھیں، اور ہر ایک کی دوسرے سے مختلف تھیں۔ اپنی اپنی تجویز کے حق میں دلائل دیے جا چکے تھے، بحث مباحثہ بار بار خطرناک حد تک ماحول کو گرما دیتا اور عمیر کو بلند آواز میں سب کو جمہوریت کی روح یاد کروا کے یہ یاد دلانا پڑتا کہ وہ مہذب افراد کی طرح اپنے مسائل گفتگو و مذاکرات سے حل کر سکتے تھے۔

فاطمہ کا خیال تھا کہ نبیلہ کی مدت ختم ہونے سے پہلے اسے ہٹانا یا معطل کرنا ناانصافی ہے۔ انہیں اس کو اس کا موقع پورا پورا دینا چاہیے، لیکن اس تجویز کی حمایت کرنے والا کوئی نہیں تھا۔ البتہ بینش کا خیال تھا کہ سربراہِ خانہ کے معطل ہونے کا یہ مطلب نہیں تھا کہ برسرِ اقتدار پارٹی کو ہی معطل کر دیا جائے، بلکہ پارٹی کو اپنے درمیان سے ہی کسی نئے سربراہ کو نامزد کر دینا چاہیے۔ ہادیہ اور جویریہ کے نزدیک بھی یہی زیادہ قرینِ انصاف بات تھی۔ صولت بیگم کا کہنا تھا کہ چند دن کی بات تھی، انہیں ابو بکر صاحب کی واپسی تک انتظار کر لینا چاہیے۔ جلد بازی میں کوئی نیا فیصلہ نہیں کرنا چاہیے۔

گھر کے لڑکوں کی رائے بھی بٹی ہوئی تھی۔ ایک گروہ اویس کے حق میں تھا، چونکہ وہی لڑکوں کی جانب سے پارلیمانی نمائندہ بھی تھا، اور نبیلہ کا تختہ الٹنے میں سب سے نمایاں اور پیش پیش بھی، تو کسی فاتح کی طرح اسے مفتوح کی سلطنت و اقتدار ورثے میں ملنا چاہیے۔ جبکہ دوسرا گروہ شاید کمرے کی سب سے جمہوری صدا بلند کرنے کی کوشش کر رہا تھا اور وہ یہ کہ نئے سرے سے الیکشن کرائے جائیں۔

دفعتاً عمیر کے قدم رکے، وہ کمرے کے وسط میں کھڑا اب دو انگلیوں سے اپنی پیشانی مسل رہا تھا۔ کمرے میں موجود تمام افراد کی نظریں اس کے چہرے پر جمی تھیں۔

’’...... ہم ایک جمہوریت ہیں......‘‘، بالآخر عمیر ان سب سے مخاطب تھا۔ اس کے سنجیدہ چہرے پر سوچ اور فکر کی پرچھائیاں واضح تھیں، اور آنکھوں سے سنجیدگی اور خلوص جھلکتا تھا۔ ’’......سب سے پہلے......ہر حال میں......کوئی بھی مشکل ہو......کیسی بھی پریشانی ہو...... ہمیں سب سے پہلے یہ یاد رکھنے کی ضرورت ہے کہ ہم ایک **جمہوریت** ہیں......!‘‘، وہ ایک ایک لفظ پر زور ڈالتا ہوا، گویا یہ پیغام ان کے اندر، ان کی روحوں تک پہنچا دینا چاہتا تھا۔

’’......اور جمہوریت کا حسن یہ ہے کہ یہ کسی ایک کی نہیں......بلکہ سب کی حکومت ہوتی ہے۔ لہٰذا میں چاہتا ہوں کہ آپ سب یہ بات سمجھ لیں......اچھی طرح جان لیں......ذہن نشین کر لیں...... کہ کچھ بھی ہو جائے، میں جو بھی فیصلہ کروں گا، وہ آپ سب کی مرضی و منشا کے مطابق ہو گا۔ وہ آپ سب کے بھلے کے لیے ہو گا، ہم سب کے مجموعی مفاد میں ہو گا......‘‘۔ قالین پر بیٹھے چند سر اثبات میں ہلنے لگے۔

’’یہ بات واضح کر دینے کے بعد میں چاہتا ہوں کہ آپ سب اب ذرا اس گھر کی صورتحال پر غور کریں۔ پہلی اور اہم ترین حقیقت جو ہمیں سمجھنے اور تسلیم کرنے کی ضرورت ہے وہ یہ ہے کہ ان حالات میں ہم گھر کو بغیر کسی سربراہ کے نہیں چھوڑ سکتے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہماری سکیورٹی کی نازک صورتحال، معاشی حالات کی گھمبیرتا اور پھر آج کل نسرین کا مقدمہ جس نہج پر چل رہا ہے، اسے بغیر کسی نمائندے کے چھوڑ دینا، گویا خود اپنا مقدمہ تباہ کر دینے کے مترادف ہے۔ لہٰذا، ہمیں جلد از جلد ایک لیڈر پر متفق ہونے کی ضرورت ہے۔‘‘ اس نے ذرا سا رک کے ایک طائرانہ نگاہ حاضرین پر ڈالی۔ سب کی نگاہیں اسی پر جمی تھیں، وہ سب ہمہ تن گوش تھے۔

’’اصولاً تو ایک سربراہ کی غیر دستیابی کی صورت میں اس کے قائم مقام کو اس کی جگہ لینی چاہیے، لیکن چونکہ ہم پہلی دفعہ ایسی صورتحال کا سامنا کر رہے ہیں اور پہلے سے کوئی قائم مقام یا نائب سربراہ متعین نہیں کیا گیا، تو میرے خیال میں اصولی اور آئینی طریقہ یہی ہے کہ نئے سرے سے الیکشن کرائے جائیں...... مگر مجھے یقین ہے کہ آپ سب میری اس بات سے اتفاق کریں گے کہ اس وقت چونکہ سربراہی کے لیے موزوں افراد میں سے اکثر گھر میں موجود نہیں ہیں، لہٰذا ان کی غیر موجودگی میں انتخابات کرانا کچھ عجیب سا لگتا ہے......پھر یہ بھی ممکن ہے کہ گھر واپسی پر ایسے کسی انتخابات کے نتائج پر ان افراد کو اعتراض ہو......‘‘

’’......لہٰذا بہت زیادہ سوچ بچار کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں، ......کہ اس گھر کے بڑوں کی واپسی اور آئینی انتخابات منعقد کروانے تک......میں خود ہاشمی ہاؤس کا انتظام سنبھال لوں اور گھر کے قائم مقام سربراہ کے فرائض اپنے ذمے لے لوں!......‘‘، اس کی گہری نظریں ایک ایک کے چہرے کا جائزہ لے رہی تھیں، مگر وہ رکا نہیں، بلکہ تیزی سے اپنی بات مکمل کرنے لگا، ’’......مگر آپ میرے اس فیصلے سے یہ تاثر ہرگز مت لیں کہ میں خود سربراہ بننا چاہتا ہوں......نہیں بالکل نہیں!! بلکہ میں نے یہ فیصلہ محض اس لیے کیا ہے کیونکہ ہمارے گھرانے میں اس وقت مجھ سے زیادہ تجربہ کار شخص کوئی نہیں، جس نے سب سے لمبی مدّت اس گھر کی سربراہی کی ہو اور بطریقِ احسن کی ہو......مجھے یقین ہے کہ آپ سب کو یاد ہو گا کہ ماضی میں میرے ادوار ہاشمی ہاؤس کے لیے ترقی اور خوشحالی، امن اور استحکام کے ادوار ثابت ہوئے ہیں......میں صرف یہ اضافہ مزید کروں گا کہ یہ میرا آپ سے وعدہ ہے کہ...... مستقبل میں بھی میری ترجیح ہمیشہ آپ سب کا مفاد ہی ہو گا......!!‘‘۔

کمرے میں دبیز خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ ساکت چہروں پر کوئی بھی تاثر نہیں ابھرا۔ شاید وہ ابھی تک سمجھے ہی نہ تھے کہ عمیر کیا کہہ رہا ہے۔ یوں بھی بڑے بڑے الفاظ و اصطلاحات کے استعمال کے باعث اس کی گفتگو اب گھر کی اکثریت کے لیے سمجھنا مشکل ہو گئی تھی۔ یا شاید وہ سب سمجھ گئے تھے مگر کچھ بھی ایسا غیر متوقع نہیں تھا کہ کسی ردِّ عمل کا اظہار کرتے۔ مگر عمیر ان کے تاثرات پر غور کرنے نہیں رکا، اسے اپنی بات مکمل کرنا تھی۔

’’......یہ بات کہنا تو میرے نزدیک احمقانہ فعل ہو گا کہ ہم سب کو اپنے گھرانے کی بدحالی کا شدت سے احساس کرنے کی ضرورت ہے۔ آج جس مقام پر ہمارا گھرانہ کھڑا ہے، شاید ماضی میں کبھی بھی ایسی نازک صورتحال سے دوچار نہیں ہوا۔ یہ وہ حالات ہیں جن تک ہماری سابقہ سربراہ نے ہمیں پہنچایا ہے......اس کے باوجود......میں آپ سے وعدہ کرتا ہوں کہ......میرا ہر عمل اور ہر فعل، اس گھرانے کو اس پاتال سے نکالنے کے لیے ہو گا......مجھے جو کرنا پڑا میں کروں گا، جو بھی قربانی دینی پڑی، میں دوں گا......لیکن ہاشمی ہاؤس کو ایک بار پھر اس کے سابقہ مقام تک پہنچانے کی خاطر دن رات ایک کر دوں گا......!!‘‘، پرخلوص لہجہ، ماتھے پر چمکتا ہلکا سا پسینہ، جذبات کی شدت سے سرخ پڑتا چہرہ......عمیر ہاشمی ایک پیدائشی لیڈر تھا، اور ان حالات میں ہاشمی ہاؤس کی واحد امید۔

’’......چند دن......میرا آپ سے وعدہ ہے......چند دنوں کی بات ہے، میں آپ سب سے گزارش کرتا ہوں کہ آپ میرا ساتھ دیں......ہم ان حالات سے مل کر لڑیں گے، یہ چند دن کی مشکل ہے، ہم مل کر اس کو شکست دیں گے اور ہاشمی ہاؤس کو دوبارہ معاشی و معاشرتی، ہر دو اعتبار سے اس بلند مقام تک پہنچائیں گے جس کا یہ حقدار ہے......!‘‘۔

اس کی تقریر اگلے کئی منٹ جاری رہی۔ ان حالات سے نبٹنے کے لیے اس کے پاس کیا تجاویز اور حل ہیں، اس نے اپنی ٹیم کی مدد سے پہلے ہی اس سلسلے میں غور و فکر شروع کر رکھا تھا۔ اور اب تک تو وہ ایک قابلِ عمل لائحہ بھی تیار کر چکا تھا۔ اس کا نائب ان سب کے درمیان اس لائحہ کی کاپیاں تقسیم کر دے گا۔ وہ جانتا تھا کہ آنے والے چند مہینے شاید گھر کے افراد کے لیے قدرے مشکل ثابت ہوں، مگر دنیا میں کوئی قابلِ قدر چیز محنت اور قربانی کے بغیر کہاں ملتی ہے۔ آخر

میں بس وہ تمام افرادِ خانہ کو یہ یقین دہانی کرانا چاہتا تھا کہ وہ ان کا سب سے ادنیٰ خادم ہے۔ وہ ان کے لیے ہر پل، ہر لمحہ موجود ہو گا۔ ان میں سے کسی نے بھی اپنی کوئی مشکل یا پریشانی اس سے کہنے میں تردد محسوس کیا تو وہ خود کو مجرم تصور کرے گا۔ اس کی پہلی ترجیح، اور اس کے وجود کا مقصد ہی ہاشمی ہاؤس کے لوگوں کی فلاح و بہبود ہے۔

جس وقت وہ بالآخر کمرے سے نکلا، تو مغرب کی اذان ہو چکی تھی۔ زوار اب بھی کمرے میں حاضرین کے درمیان ضروری ہدایات پر مبنی سرکلرز اور ہزار ہزار روپے پر مشتمل اس 'تحفہ' کو تقسیم کرنے میں مصروف تھا جو عمیر کی جانب سے سربراہی سنبھالنے پر تمام اہلِ خانہ کے لیے خصوصی طور پہ جاری کیا گیا تھا۔ اسے زوار کی اپنے کمرے میں آمد کا انتظار تھا، اصل خوشی تو ان دونوں نے مل کر ہی منانی تھی۔ مگر خوشیاں منانے سے پہلے ابھی اور بھی بہت کام تھے۔ اسے ابھی نبیلہ سے استعفیٰ حاصل کرنا تھا۔ مگر وہ جانتا تھا کہ یہ کام وہ بآسانی کر لے گا۔ نبیلہ کی سب سے بڑی کمزوری، اس کا تنہا اور کسی مخلص مشیر کا نہ ہونا تھا۔ اسے نبیلہ کو کیا کہنا تھا، اس کا ذہن ابھی سے فقرے ڈھال رہا تھا۔ وہ اوپر جانے کے لیے سیڑھیوں تک پہنچا ہی تھا کہ قریب ہی کچن کے کھلے دروازے میں اسے وزیر خان کھڑا نظر آیا۔ اسے دیکھ کر وہ لپک کر اس کے قریب آیا۔

"سر!...... وہ آدھا گھنٹہ پہلے کوئی مہمان بچہ آیا تھا...... سامان بھی ساتھ تھا۔ اپنا نام ولید ہاشمی بول رہا تھا سر!...... اَم نے نذیر سے پوچھ کر اسے آپ کے آفس میں بٹھایا ہے......"۔

"ولید...!؟"، عمیر نے چونک کر پوچھا، "......وہ کیسے اچانک ٹپک پڑا؟...... اچھا، ہوں...... کسی اور نے تو نہیں دیکھا اسے ابھی تک...... گھر والوں میں سے؟"۔

"نئیں سر!...... سب تو اندر کمرے میں تھے...... البتہ سر، وہ...... ولید صاب بوت ناراض ہو رہے تھے، کہہ رہے تھے میں مہمان نہیں ہوں، گھر کا بندہ ہوں، مگر سر آپ نے بولا ہے کہ جو بھی گھر پہ آئے، سب سے پہلے آپ کو......"

"ہاں ہاں ٹھیک ہے...... میں دیکھ لیتا ہوں...... اسے بھی آج ہی آنا تھا"، عمیر بیزاری سے بولتا ہوا تیزی سے سیڑھیاں چڑھنے لگا۔ اسے سرپرائز بالکل پسند نہیں تھے۔ وہ پہلے سے مطلع و خبردار ہونا پسند کرتا تھا۔ اور ایسے سرپرائزز جن سے حلق کٹا ہوتا ہو، وہ تو بالکل بھی پسند نہیں تھے۔

وہ جس وقت دفتر میں داخل ہوا، ولید انتظار سے اکتا کر بک شیلف میں رکھا کوئی میگزین اٹھا کر اس کی ورق گردانی میں مصروف تھا۔

"ولید!! بڑا زبردست سرپرائز دیا ہے تم نے یار......! یہ اچانک کہاں سے نازل ہو گئے تم......؟"، عمیر چہرے پر بڑی سی مسکراہٹ سجائے، بڑے بڑے قدم اٹھاتا اس تک پہنچا اور مصافحے کے لیے ہاتھ بڑھا دیا۔ ولید میگزین پرے رکھ کر اٹھ کھڑا ہوا اور گرمجوشی سے چچا کے گلے لگ گیا۔

"یقین کریں، اس سے زیادہ بڑا سرپرائز آپ نے مجھے دیا ہے، جو ریسپشن (استقبال) مجھے گھر آ کر ملی ہے...... ایک جامہ تلاشی نہیں لی گئی، ورنہ باقی رویہ تو ایسا ہی تھا گویا طالبان واشنگٹن چلے آئے ہوں......"، وہ عمیر سے علیحدہ ہوتے ہوئے مسکراتے ہوئے بولا۔

"بس یار...... کیا کریں...... حالات ہی ایسے ہیں...... مجبوری ہے، سکیورٹی پروٹوکول فالو کرنے پڑتے ہیں......"، عمیر کی مسکراہٹ سمٹی۔ اس کی محتاط اور جانچتی ہوئی نظریں ولید کے چہرے پر تھیں۔ نجانے وہ کتنا جانتا تھا گھر کے حالات اور سیاست کے بارے میں۔ دور ہونے کے باعث ایک ولید ہی تھا جس پر نظر رکھنا ممکن نہیں تھا۔ جس کا واضح ثبوت اس کی یوں اچانک اور غیر متوقع آمد تھی۔

"......اور سناؤ!...... کیسا رہا تمہارا کورس......؟...... مکمل ہو گیا ہے کیا؟...... میرا تو خیال تھا کہ اگست میں مکمل ہو گا......"، اسے بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے وہ گھوم کر میز کے پیچھے رکھی اپنی پاور چیئر کی طرف بڑھ گیا۔

"......میں نے مرجر (merger) کے لیے اپلائی کر دیا تھا چاچو۔ آخری دو سمسٹر مرج کرا لیے، ٹیسٹ کلئیر کیے اور جلدی فارغ ہو گیا......"، ولید صوفے پر پیچھے ہو کر بیٹھتے ہوئے مختصراً بتانے لگا۔ کیا تھا جو اسے چبھ رہا تھا، وہ سمجھ نہ پا رہا تھا۔ عمیر کا بدلا بدلا سا انداز...... یہ تو وہ فون پر بارہا ابو بکر صاحب، صولت بیگم، نسرین اور دیگر گھر والوں سے سن چکا تھا کہ عمیر اب پہلے جیسا نہیں رہا تھا۔ گھر کے تیزی سے بدلتے اور چکراتے حالات کے بارے میں بھی کچھ نہ کچھ اسے پتہ چلتا ہی رہتا تھا۔ مگر...... نہیں...... یہ کچھ تکلّف سا تھا عمیر کے رویّے میں۔ اس کی بات پوری توجہ سے سنتے ہوئے بھی وہ بتا سکتا تھا کہ عمیر کا دھیان کہیں اور ہے۔ یہ کچھ اس کی مسکراہٹ میں تھا، جو یوں تو چہرے پر پھیلی ہوئی تھی مگر اس کی گرمی بھی عمیر کی آنکھوں کی ٹھنڈک دور کرنے سے قاصر تھی۔ یا گرمجوشی سے اس سے مصافحہ کرتے ہوئے بھی...... اس کے ساتھ بیٹھنے کے بجائے ایک افسرانہ شان سے اسے بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے خود دور سربراہی کرسی پر جا بیٹھنا...... شاید یہ تھی وہ بات جو اسے کھٹک رہی تھی...... محبت اور گرمجوشی کے اظہار کے باوجود کچھ اوپری پن......

"...... تو گویا کہ اب تم سنگاپور سے ڈگری لے کر آئے ہو...... یہ تو بہت اچھا ہوا...... اب تم یہ بتاؤ کہ تمہارے ارادے کیا ہیں...... کاروبار کی بہتری کے لیے کوئی آئیڈیا...... منصوبہ...... کوئی تجویز...... کچھ ہے تمہارے پاس؟...... یقیناً......"، عمیر نے رک کر اس پر ایک گہری نظر ڈالی، "یقیناً تم باخبر ہو گے کہ آج کل ہمارا گھرانہ شدید ترین معاشی بحران سے گزر رہا ہے...... ایسے میں تم کیا کر سکتے ہو ہمارے لیے؟"۔

"ارادہ......"، ولید مسکرایا، "فی الحال تو چاچو...... ارادہ صرف اچھا سا کھانا کھانے، گھر والوں سے ملنے اور لمبی تان کر سونے کا ہے...... آپ کا سوال ذرا تفصیل طلب ہے، اجازت دیں تو پھر کسی

وقت بات کریں گے اس پر...... یوں بھی نماز کا وقت اب بس ختم ہی ہونے والا ہے......"، وہ گھڑی پر نگاہ ڈالتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا۔

"ہاں......ہاں......کیوں نہیں......مجھے خیال ہی نہ رہا......"، عمیر قدرے خفّت سے جلدی سے بولا۔ وہ دونوں اکٹھے ہی دفتر سے نکلے اور اپنے اپنے کمرے کی جانب بڑھ گئے۔

☆☆☆☆☆

اس کا کمرہ نسرین کے زیرِ استعمال تھا۔ وہ جس وقت کمرے میں داخل ہوا، نسرین دیوار کی جانب جائے نماز بچھائے نماز میں مشغول تھی۔ بیڈ پر عبد اللہ نسرین کے موبائل سے بیٹھا کھیل رہا تھا۔ ولید کے اندر آنے پر اس نے سر اٹھا کر اس کی جانب دیکھا، چند لمحے ٹکر ٹکر دیکھتا رہا، پھر اس سے پہلے کہ ولید کچھ کرتا یا کہتا، وہ اچانک منہ پھاڑ کر بھاں بھاں رونا شروع ہو گیا۔ "ابے یار!"، ولید نے جلدی سے کندھے سے لٹکتا اپنا بیگ اتار کر کونے میں رکھا، اور عبد اللہ کو گود میں لے کر چپ کرانے کی سعی کرنے لگا۔

نسرین سلام پھیرتے ہی پریشان ہو کر اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔ مگر اس کی یہ پریشانی پہلے شدید ترین حیرت اور پھر بے تحاشا خوشی میں ڈھل گئی تھی۔

"ولید......!"، وہ مسرّت سے سرخ پڑتے چہرے کے ساتھ تقریباً چیخ کر بولی، "اوہ خدایا......! ......ولید......!!"۔

"......آرام سے آپا!......"، اس کے تاثرات سے محظوظ ہوتے ہوئے ولید مسکرایا، "......یہ ذرا اپنے اس باجے کو سنبھالیں اور مجھے نماز پڑھنے دیں......اس کے بعد باہر جا کر بی بی سی کی رپورٹنگ کیجیے گا......ورنہ میری نماز نکل جائے گی......"۔

مگر نسرین کے لیے اتنی بڑی خوشی سنبھالنا مشکل تھا۔ وہ وضو کر کے باہر آیا تو وہ "صرف امّی کو بتاؤں گی" کا کہہ کر جھپاک سے کمرے سے نکل گئی، اور ابھی اس نے دوسری رکعت بھی مکمل نہ کی تھی کہ کمرے کا بار بار کھلتا دروازہ اسے ہاشمی ہاؤس کے مکینوں کا اپنی آمد سے باخبر ہونے کا پتہ دینے لگا تھا۔ سلام پھیرا تو کمرا پورے خاندان سے بھرا ہوا تھا۔

اچانک آ گئے! بتایا کیوں نہیں......کب پہنچے؟ گھر کیسے آئے؟ سفر کیسا رہا؟ کھانا کھایا ہے؟ کہاں کھایا ہو گا، جہاز والے تو ایک نمبر کے کنجوس ہوتے ہیں! آنے سے پہلے بتایا کیوں نہیں؟ ہم پھولوں کا ہار لے کر ائیر پورٹ پر لینے آتے......یہ آخری شکوہ حسن اور حسین کی جانب سے تھا، جس پر اس نے ہنس کر اللہ کا شکر ادا کیا کہ وہ بنا بتائے آنے سے ان کے پھولوں کے ہار سے بچ گیا۔ سوالوں کی بھرمار میں ولید کو سمجھ نہ آ رہا تھا کہ کس کا جواب دے اور کس کو جواب دے۔ نسرین جا کر اباجی کو بھی اس کے آنے کا بتا چکی تھی۔ ذرا دیر بعد ہی وہ اباجی کے بلاوے پر اٹھ کھڑا ہوا تو صولت بیگم کو اس کو کچھ کھلانے پلانے کی فکر ہوئی۔

کچھ دیر بعد وہ اپنے گھر والوں کے جھرمٹ میں اباجی کے کمرے میں بیٹھا تھا۔ اویس، صہیب، فائزہ چچی اور بینش چچی، ابتدائی ملاقات کے بعد اب رات کے کھانے کے لیے اپنے پورشن کی طرف چلے گئے تھے۔ جاوید صاحب کی تاحال واپسی نہ ہوئی تھی۔ زوار اس کا سن کر آیا تھا، اور بہت گرمجوشی سے ملا۔ مگر کچھ دیر بیٹھنے کے بعد تھکاوٹ کا عذر کر تا جلدی اٹھ گیا۔

"بس یار......گھر کے حالات اچھے نہیں ہیں......سارا دن کاموں میں جتا رہتا ہوں......ایک دکان کا چکر......پھر دوسری......پھر تیسری......ان چکروں میں ہی خرچ ہو گیا ہوں......رات کو اتنی تھکاوٹ ہوتی ہے کہ پیروں پر کھڑا ہونا مشکل ہوتا ہے......"، زوار اسے اپنی مصروفیت کی روداد سنا رہا تھا، "مگر خیر......اب تُو آ گیا ہے ناں......اب تو کچھ تُو بھی سنبھال لے گا......ہاں......یہاں سنگاپور والے مزے نہیں ہیں......عادت ڈلتے ڈلتے کچھ وقت لگے گا......"، وہ عادتاً آخر میں طنز کر گیا۔

گھر کے بقیہ افراد کے متفقہ فیصلے کے مطابق دستر خوان اباجی کے کمرے میں ہی بچھا دیا گیا۔ نبیلہ کہیں نظر نہیں آ رہی تھی۔ اس کے پوچھنے پر نسرین نے بتایا کہ بیمار تھی اور سو رہی تھی۔ وہ مزید تفصیل پوچھ نہ سکا، حسن اور حسین اب اس سے تحفوں اور ٹریٹ کا مطالبہ کر رہے تھے۔ اباجی پہلے کی نسبت بہت کمزور ہو گئے تھے۔ صولت بیگم نے کئی بار کہا کہ ان کے سونے کا وقت ہے لہٰذا وہ لوگ اپنی محفل کسی اور کمرے میں سجائیں، لیکن اباجی نے خود ہی اصرار کر کے انہیں روک لیا تو کھانے کے بعد بھی وہ سب وہیں بیٹھے رہے۔ حسن، حسین اور زین اس کے موبائل کی گیلری میں سنگاپور کے مختلف مقامات کا تصویری دورہ کرنے میں مصروف ہو گئے جبکہ وہ نسرین، صولت بیگم، فاطمہ اور اباجی کے ساتھ گپ شپ میں۔ وقت گزرنے کا احساس تب ہوا جب ساڑھے گیارہ بجے کسی نے مرکزی دروازہ کھٹکھٹایا۔ زین اٹھ کر دیکھنے گیا اور جب لوٹا تو جاوید صاحب ساتھ تھے۔ وہ کوئی آدھ گھنٹہ پہلے گھر آئے تھے اور کھانا کھانے کے دوران بینش سے انہیں ولید کی اچانک واپسی کی اطلاع ملی۔ وہ سونے سے پہلے یہ دیکھنے کے لیے آئے تھے کہ اگر ولید جاگ رہا ہو تو اس سے ملاقات ہو جائے، جو حسبِ توقع ہو بھی گئی۔ اسے دیکھ کر جاوید صاحب کے بقول ان کی آدھی تھکاوٹ دور ہو گئی تھی، مگر بقیہ آدھی دور کرنے کی خاطر وہ سب اس کے بعد جلدی اٹھ گئے، اور ان کی محفل برخاست ہوئی۔

☆☆☆☆☆

کھڑکیوں کے پردے سمیٹ کر نفاست سے ڈوری سے باندھ دیے گئے تھے۔ پورا کمرہ سورج کی اجلی اجلی روشنی سے بھرا ہوا تھا۔ عثمان صاحب اپنے بستر پر بیڈ کراؤن سے ٹیک لگائے نیم دراز تھے۔ ہاتھ میں کوئی کتاب اور آنکھوں پر قریب کی نظر کا چشمہ، وہ حسبِ عادت اپنی کتاب میں غرق تھے۔ دروازے پر ہلکی سی دستک پر انہوں نے سر اٹھایا، سامنے دیوار گیر گھڑی صبح کے نو بجے کا وقت بتا رہی تھی۔

”آ جاؤ......“، وہ جانتے تھے کون ہو گا۔ نرم مسکراہٹ اور خوشگوار طبیعت کے ساتھ انہوں نے آنے والے کا استقبال کیا۔

”السلام علیکم چچا جان......“، ولید نے داخل ہو کر سلام کیا۔”آؤ...... آؤ بیٹا......وعلیکم السلام......وہ کرسی لے لو اور ادھر قریب آ کر بیٹھ جاؤ“، انہوں نے دیوار کے پاس رکھی کرسی کی طرف اشارہ کیا۔ ولید پہلے بھی دو بار ان سے ملنے آ چکا تھا۔ مگر اتفاق سے جب پہلی دفعہ آیا تو عین اسی وقت نذیر عثمان صاحب کی معمول کی فزیو تھراپی کے لیے آ گیا، اور دوسری دفعہ ان کی دوا کا وقت تھا، دوا بھی نیند آور تھی، ولید بمشکل پانچ سات منٹ ہی ان کے پاس بیٹھا ہو گا، تو عثمان صاحب نے خود ہی اسے صبح آنے کا کہہ کر رخصت کر دیا۔

”سنائیں کیا حال ہے چچا جان......سنا ہے خوب مزے ہو رہے ہیں“، ولید مسکراتے ہوئے بے تکلفی سے بولا۔”آرام کرتے ہیں......کتابیں پڑھتے ہیں......کچھ لکھنے لکھانے کا شغل بھی جاری ہے......یہی حال رہا تو مجھے ڈر ہے جلد ہی شاعری بھی نہ شروع کر دیں آپ......“۔

”شاعری کے لیے بیٹا......ٹوٹی ہوئی ٹانگ کی نہیں......ٹوٹے ہوئے دل کی ضرورت ہوتی ہے......“، انہوں نے اس کی بات سے لطف اندوز ہوتے ہوئے جواب دیا۔”اس کے لیے تمہاری منظر کشی کچھ یوں ہونا چاہیے تھی کہ آہیں بھرتے ہیں......تنہائی میں پڑے سڑتے ہیں......کچھ پینے پلانے کا شغل بھی جاری ہے......ڈر ہے آپ شاعری نہ شروع کر دیں......“۔

”توبہ چچا......آپ کے خیال میں کوئی حد ادب ملحوظ نہیں مجھے......ایسا گستاخ سمجھ رکھا ہے؟“، ولید نے ان کا ہاتھ دباتے ہوئے شرارت سے کہا۔

”یعنی کہنا یہی چاہ رہے تھے......“، انہوں نے ایک گہری سانس لی اور ہاتھ میں پکڑی کتاب سائیڈ ٹیبل پر رکھتے ہوئے ذرا مزید سیدھے ہو کر بیٹھ گئے۔”خیر......کچھ ایسی حقیقت سے دور بھی نہیں تمہاری منظر کشی......“

”یعنی دال میں ہے کچھ کالا......؟“، اس کے لہجے میں تجسس در آیا۔

”کچھ......؟! یہاں ساری دال ہی کالی ہے،......گھور تاریک،...... اندھیر نگری ہے......“، ان کے لہجے میں مایوسی و شکستگی کی جھلک تھی۔ ولید کو اچنبھا ہوا، اس کی توقع کے برخلاف، ہمیشہ ہنسنے ہنسانے والے اس کے یہ چچا بہت اداس و مضمحل لگ رہے تھے۔ کیا بیماری اتنا شکستہ کر دیتی ہے انسان کو......؟

☆☆☆☆☆

ابوبکر صاحب جب گھر واپس آئے تو سارا نقشہ ہی بدلا ہوا پایا۔ عمیر پوری تندہی سے ہاشمی ہاؤس کے حالات معمول پر لانے کی ہر ممکن کوشش میں مصروف تھا۔ ولید کے آ جانے سے گھر کے تمام مرد ہی پہلے کی نسبت اپنا بوجھ ہلکا محسوس کر رہے تھے، سو عمیر نے یہ کہہ کر زوار کو دکان کے کام سے بالکل ہی چھٹی دلا دی کہ چونکہ اب یہ کام دیکھنے کے لیے ولید موجود ہے، لہٰذا زوار پہلے کی طرح سربراہِ خانہ کی نیابت کے فرائض ادا کرنے کے لیے تیار ہو جائے، کیونکہ کام اس قدر زیادہ تھے کہ ایک اکیلے آدمی کے بس کی بات نہ تھی۔

یہ حقیقت تھی۔ ابوبکر صاحب اپنی واپسی کے بعد دو تین دفعہ عمیر کو جلد از جلد نئے الیکشن کروانے کی یاد دہانی کرا چکے تھے۔ مگر عمیر کے صبح و شام اس قدر مصروف تھے کہ باوجود مخلصانہ کوشش کے وہ گھر کے ان اندرونی معاملات کی جانب توجہ نہیں دے پا رہا تھا۔ وہ اکثر صبح کا نکلا، رات گئے گھر پہنچتا تھا، نہ جانے کس کس سے ملاقاتیں کرتا، کون کون سے معاملات نمٹاتا پھر رہا تھا۔ اس نے اپنے مختلف تعلقات استعمال کرتے ہوئے، گھر کے لیے بینک سے ایک بھاری قرضہ حاصل کیا تھا۔ گو کہ اس قرضے کی عثمان و جاوید اور ولید، سب ہی نے مخالفت کی، کہ ان کا خیال تھا کہ وہ اپنے بل پر بھی حالات کا رخ موڑ سکتے ہیں۔ مگر عمیر انہیں جلد ہی قائل کرنے میں کامیاب ہو گیا کہ قائم مقام سربراہِ خانہ کی حیثیت سے، جن امور و معاملات پر اس کی نظر تھی، تصویر کے وہ رخ باقی سب کی نظروں سے اوجھل تھے۔

نسرین کے کیس کی سماعت آخری مرحلے میں داخل ہو چکی تھی۔ ایک یا دو پیشیوں میں ہی مقدمے کا فیصلہ متوقع تھا۔ ارشد اور اس کے گھر والوں کی سرتوڑ کوشش کے باوجود نسرین اور ہاشمی ہاؤس کے دیگر مکین اپنے موقف میں مضبوط رہے تھے۔ انہوں نے ارشد سے ملنے یا بات کرنے یا عدالت سے بالا کوئی بھی سیٹلمنٹ کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ انہیں انصاف چاہیے تھا، اس دھوکہ دہی کا جس کا سامنا پچھلے پانچ سالوں میں نسرین نے کیا تھا۔ مگر اب مسئلہ عبداللہ کی کسٹڈی کا تھا۔ ماں کی حیثیت سے فی الحال تو عبداللہ نسرین ہی کو ملنا تھا مگر نسرین یہ چاہتی تھی کہ ارشد اور اس کے گھر والے آئندہ کبھی اس سے یا عبداللہ سے کوئی واسطہ نہ رکھیں۔ وہ عبداللہ کی کفالت کے مکمل حقوق حاصل کرنا چاہتی تھی، اس نے کورٹ سے یہ مطالبہ کر رکھا تھا کہ چونکہ ارشد نے باپ کی حیثیت سے غیر ذمہ دارانہ رویّے کا مظاہرہ کیا ہے لہٰذا اس کی عبداللہ سے ملاقات پر مکمل پابندی عائد کر دی جائے۔ المختصر، وہ اپنی زندگی سے ارشد نام کا صفحہ قطعی طور پہ پھاڑ دینا چاہتی تھی۔ چاہے یہ کام کورٹ آرڈر کے ذریعے ہو یا ارشد کے ساتھ کوئی ڈیل کر کے، اسے پیسے دے دلا کر۔

ایسے میں یہ عمیر کی دور اندیشی ہی تھی کہ اس نے مالی حالات کا اندازہ کرتے ہوئے گھرانے کے بینک بیلنس کو قرضے کے ذریعے سہارا دیا۔ پھر دو ماہ بعد ان کے گھر کے چھ بچے بورڈ کے امتحانات دینے والے تھے۔ فاطمہ، جویریہ، ہادیہ، نور، زین اور اویس، سبھی اپنی اپنی مختلف کلاسز کے بورڈ کے امتحانات کے لیے داخلہ بھجوا چکے تھے۔ یکدم ہی اکیڈمیوں اور امتحانات کی تیاری کے لیے شروع کیے گئے کورسز کی بھاری بھرکم فیسوں کے بل پے در پے گھر آنا شروع ہو گئے۔

سبھی بچّے اپنی اپنی پڑھائیوں میں مصروف سے ہو گئے۔ نسرین نے بھی بالآخر عبد اللہ کو سکول میں داخل کرا دیا تھا، آجکل وہ ہر وقت عبد اللہ یا ابّا جی، ان دونوں کی صحت کی فکر میں مشغول رہتی تھی۔ ایسے میں اگر کوئی فارغ نظر آتا تو وہ نبیلہ تھی۔ وہ زیادہ وقت اپنے کمرے میں ہی بسر کرتی۔ گھر کے سبھی افراد سے وہ کھنچ سی گئی تھی، یا وہ اس سے کھنچ گئے تھے۔ بہر حال کوئی بھی اس سے زیادہ بات نہ کرتا، اور جو کوئی بھولے بھٹکے کوئی بات کر لیتا، تو وہ خود ہی جواب دینا قصرِ شان تصور کرتی تھی۔ اس کا بنیادی مشغلہ آج کل انٹرنیٹ تھا۔ وہ اپنا وقت یا تو اپنے ٹیبلٹ پی سی پر مُوویز دیکھ کر، یا اپنے فیس بک پیج پر نت نئے فلسفے اور اقوال شئیر کر کے بسر کرتی تھی۔ چونکہ فاطمہ نے اس پیج کو دیکھنا اور ہینڈل کرنا بالکل ہی چھوڑ دیا تھا، لہٰذا نبیلہ نے کچھ کہے بغیر ہی یہ ذمّہ داری سنبھال لی تھی۔ اپنا وقار قائم و بحال رکھنا بہر حال ایک کام تھا، اور یہ کام وہ کسی صورت ترک نہیں کر سکتی تھی۔

دوسری طرف عثمان صاحب کے پورشن میں بھی ایک بلبلِ نالاں کا بسیرا تھا۔ بینش نے گو کہ اپنی خود اختیاری نظر بندی ختم کر دی تھی، لیکن وہ پہلے کی نسبت بے حد چڑچڑی ہو گئی تھی۔ بچوں کی طرف توجہ مزید کم ہو گئی، گھریلو معاملات کی جانب توجہ تو پہلے ہی ختم تھی۔ فائزہ بیگم اور ان کی بچیاں اب حتی الامکان اس کا سامنا کرنے یا اس سے کوئی بھی بات چیت کرنے سے احتراز کرتی تھیں۔ یہ اور بات کہ اس کے بیگانگی بھرے رویّے پر فائزہ بیگم شدید گرم ہو جاتیں اور تاحال اسے تو کچھ نہ کہا تھا، مگر بیٹیوں کے سامنے اچھی طرح بینش کو برا بھلا کہہ کر وہ دل کی بھڑاس نکال لیتیں۔ عثمان صاحب، جو اب پہلے کی نسبت بہتر تھے، اور کچھ کچھ ٹانگ کو جنبش دینے کی کوشش کرتے رہتے، اپنی جگہ لیٹے لیٹے کچن میں برتنوں کے پٹخنے کی، زوردار دھڑ دھڑاہٹ سے بند ہوتے دروازوں اور غصّہ بھری بڑبڑاہٹوں کی جھنجھناہٹ سنتے رہتے۔

☆☆☆☆☆

”اس سارے معاملے میں، میں کیا چاہتی ہوں، میں یہ بات کئی دفعہ دہرا چکی ہوں، آپ میرے موقف سے واقف ہیں...... پھر دوبارہ کیا پوچھنا چاہ رہے ہیں؟“، نسرین نے قدرے تکان آمیز لہجے میں پوچھا۔

عمیر نے آنکھوں سے نفیس سا چشمہ اتار کر میز پر رکھا، دو انگلیوں سے ماتھا رگڑتے ہوئے وہ سنجیدہ، متفکر اور کافی تھکا ہوا الگ رہا تھا۔ دوبارہ چشمہ ناک پر جماتے ہوئے وہ اپنی کرسی پر آگے کو ہو کر بیٹھ گیا، جب وہ بولا تو اس کے الفاظ احتیاط سے چنے گئے تھے۔

”...... جانتی ہو نسرین، یہ کرسی جس پر میں اس وقت بیٹھا ہوں ناں، اس کے بے شمار تقاضے ہیں...... اور ان میں سے ایک اہم تقاضا یہ ہے کہ میں تم سب کے لیے وہ فیصلہ کروں جو تمہاری زندگی کے لیے، مستقبل کے لیے بہترین ہو......“، وہ رکا، نسرین نے کوئی جواب نہیں دیا، وہ خاموش و سپاٹ اپنی جگہ بیٹھی اسے سن رہی تھی۔

”...... یہاں بیٹھ کر...... چھوٹے سے چھوٹا فیصلہ کرنے سے پہلے بھی میں اپنے فیصلے کو ایک ہزار ایک رخ سے جانچتا پرکھتا ہوں...... بے تحاشا غور و فکر کرتا ہوں...... اور پھر ہی کوئی حتمی قدم اٹھاتا ہوں...... اس لیے کیونکہ میرا چھوٹے سے چھوٹا فیصلہ بھی تم سب کی زندگیوں پر اثر انداز ہوتا ہے...... اور جس اعتماد و اعتبار کا تم لوگوں نے مجھے امین بنایا ہے...... یہ اس کا تقاضا ہے کہ میں تم لوگوں کی زندگی کے لیے بہترین اور مفید فیصلے کروں......“

”سو ہاں...... میں جانتا ہوں کہ تم کیا چاہتی ہو، میں تمہارے ہر فیصلے سے متفق ہوں...... میں تمہارا ساتھ دوں گا...... مگر یہ بھی میرا فرض ہے کہ میں اس وقت تمہیں دستیاب تمام آپشنز سے تمہیں آگاہ کروں......“، وہ پھر رکا، نسرین ہنوز بے تاثر سی بیٹھی تھی۔

”تم ابھی کم عمر ہو...... اس...... اس ’حادثے‘ کے اثرات سے مجھے امید ہے کہ ان شاء اللہ جلد نکل آؤ گی...... اس کے بعد تمہارے آگے پوری زندگی پڑی ہے۔ تم اس حقیقت سے انکار نہیں کر سکتیں کہ بہر حال جلد یا بدیر تمہیں زندگی میں ایک ساتھی کی ضرورت پڑے گی...... ایسے میں عبد اللہ تمہارے لیے سہارا نہیں...... بلکہ شاید ’آزار‘ بن جائے گا“، نسرین نے ان الفاظ پر تڑپ کر اس کی طرف دیکھا، اس کی آنکھوں میں آنسو چھلکنے لگے تھے، ”...... نہیں، سنو! جذباتی مت ہو......“، عمیر نے جلدی سے ہاتھ اٹھا کر اسے کچھ کہنے سے روکا، ”...... میں نے کہا ناں...... یہ میرا فرض ہے...... حقائق چاہے تلخ ہی ہوں، مگر تمہیں بے خبری اور جذباتیت میں کوئی فیصلہ نہیں کرنا چاہیے......“

”عبد اللہ ابھی اتنا چھوٹا ہے کہ اس وقت وہ جس بھی فیملی کا حصّہ بنے گا، اسے قبول کر لے گا۔ حتی کہ...... تم سے جدائی بھی...... چاہے مشکل سے سہی...... مگر بالآخر اس کا عادی ہو جائے گا...... کیا تم واقعی اسے اس کے باپ سے محروم کرنا چاہتی ہو؟...... یہ جانتے ہوئے کہ ارشد ایک محبت کرنے والا باپ ہے...... کیا تم واقعی عبد اللہ کو سوتیلے باپ اور سوتیلے رشتہ داروں کے ساتھ زندگی گزارنے پر رضامند ہو؟...... کیونکہ عبد اللہ کے لیے یہی دو آپشنز ہیں...... سوتیلا باپ...... یا بن باپ کے یتیموں کی سی زندگی...... اور یا پھر...... اگر تم اپنے بیٹے کے لیے دل بڑا کر سکو...... تو باپ کا ساتھ، اس کی محبت و شفقت اور اس کا سہارا......“

”...... اور ماں......؟ کیا ماں کی کوئی ضرورت نہیں میرے ننھے سے بچے کو؟...... کیا آپ مجھ سے یہ توقع کرتے ہیں کہ میں اپنا دل اتنا بڑا کروں کہ ایک معصوم سی ننھی سی جان کو اتنی دور...... اتنی دور کہ جہاں سے اس کی خوشبو بھی مجھ تک نہ آسکے...... میں اپنے بیٹے...... اپنے دل کے ٹکڑے کو ایک عیسائی عورت کے حوالے کر دوں؟...... کیا وہ سوتیلی ماں نہ ہو گی؟ کیا اس سے وابستہ سارے رشتے سوتیلے نہیں ہوں گے؟...... اور باپ...... وہ باپ جو اس عیسائی عورت کے لیے عبد اللہ کی ماں کو ذرا سی عزت نہ دے سکا...... جو عبد اللہ کی کے لیے چند روپے نکالتے ہوئے اپنی جیب پر بھاری بوجھ محسوس کرتا تھا......

(باقی صفحہ نمبر 104 پر)

حقیقی عید

عمارہ رشید

عید کا دن قریب تھا میں اپنے بچوں کو خریداری کے لیے لے گیا۔ وہاں میرے بڑے بیٹے حمزہ نے عجیب فرمائش کی۔ اس نے کہا ”ابو جی! مجھے جو بھی چیز دلوائیں، وہ دو دو دلوائیں“۔

مجھے اس کی اس بات پر غصہ تو آیا لیکن پھر اس کے اصرار پر ہر چیز دو دو دلوا دیں۔ گھر آئے تو اس کی ماں نے اسے خوب ڈانٹا...... ”ہر چیز دو دو کی تعداد میں لینے کی ضد کیوں کی؟ کیا ضرورت تھی؟ اتنی مہنگائی ہے؟ دیکھتے نہیں کہ ابو کتنی محنت سے پیسے کما کر لاتے ہیں؟“۔ حمزہ ماں کی باتیں سن کر خاموش ہو گیا۔

آخر عید کا دن آ پہنچا۔ میں اپنے بچوں کے ساتھ عید کی نماز پڑھنے گیا۔ واپسی پر میں اپنے دوستوں سے عید ملتا ہوا آ رہا تھا تو اچانک حمزہ نے ایک لڑکے کو آواز دی وہ اس کے نزدیک آیا تو میں حیران رہ گیا، اس نے بالکل حمزہ جیسے کپڑے اور جوتے پہنے ہوئے تھے، حمزہ نے بتایا اس کا نام عبد اللہ ہے۔ میں نے عبد اللہ سے ہاتھ ملایا تو حمزہ نے میرے کان میں کہا:

”اسے عیدی بھی تو دیں ناں!“

میں نے جلدی سے چند نوٹ نکال کر اسے دے دیے۔ پہلے تو وہ لینے سے انکار کرتا رہا، لیکن پھر بے حد اصرار پر لے لیے۔ اس کے جانے کے بعد میں نے حمزہ سے پوچھا: ”برخودار! یہ کون تھا؟“۔

حمزہ نے بتایا:

”ابو یہ عبد اللہ ہے، میرا کلاس فیلو ہے اور دوست بھی ہے، بہت ذہین ہے۔ مگر اس کے والد کشمیر میں شہید ہو گئے۔ اس کی والدہ لوگوں کے کپڑے سی کر بہت مشکل سے گزارا کرتی ہیں، مجھے اچھا نہ لگا کہ میں عید کے دن نئے کپڑے پہنوں اور عبد اللہ کے بدن پر پرانے کپڑے ہوں۔ اس مرتبہ یہ کلاس میں اول آیا ہے۔ سو میں نے یہ کپڑے اور جوتے اسے اول آنے کی مبارک باد کے بہانے تحفے میں دے دیے، ورنہ تو یہ کبھی بھی نہ لیتا“۔

اپنے بیٹے حمزہ کی باتیں سن کر میں نے کہا:

”بیٹا! تم نے مجھے عید منانے کا صحیح طریقہ بتایا۔ عیدی تو مجھے دینا تھی تمہیں، الٹا تم نے مجھے عیدی دے دی۔ میرا مطلب ہے کہ تم نے مجھے اتنا اچھا پیغام دے کر مجھے عیدی دے دی۔ اللہ میرے بیٹے کو مزید نیک بنائیں“۔

یہ سن کے حمزہ کے چہرے پر ایک دلکش مسکراہٹ پھیل گئی اور وہ خوشی سے میرے گلے لگ گیا۔

☆☆☆☆☆

بقیہ: شہباز ’سپیڈ‘ اور سمی دین بلوچ

وزیر دفاع سیانے نواز شریف خود تھے اور اتنے سیانے تھے کہ سپریم کورٹ میں پیش ہونا اپنی توہین سمجھتے تھے۔ انہوں نے عدالت میں پیشی سے ایک دن پہلے خواجہ آصف کو وزیرِ دفاع بنا دیا اور وہ ہنسی خوشی بے عزتی کروانے چودھری صاحب کی عدالت میں پہنچ گئے۔

بے عزتی کروا کر مِسنگ پرسنز کے کیمپ میں آئے اور کہا کہ تمہیں ٹرین کا کرایہ میں دیتا ہوں گھر واپس چلے جاؤ۔ سمی بلوچ نے کسی کو بد دعا نہیں دی۔ لیکن خواجہ آصف اور اس کے وزیر اعظم گھروں کو واپس گئے، جیلوں میں گئے۔ اور اب ایک نئے وزیرِ اعظم ہیں شہباز شریف جن پر اربوں کی کرپشن کے کیس بھی ہیں، اور صبح سات بجے اٹھ کر بڑے پرانے مسئلے حل بھی کر دیتے ہیں۔

سمی کا دعویٰ تھا کہ ڈاکٹر دین محمد نے اپنی بچیوں کے لیے سرکاری ہسپتال سے کبھی اسپرین بھی نہیں اٹھائی۔ سمی شہباز شریف کو کبھی بد دعا نہیں دے گی، لیکن سوال اس کا وہی ہے، جو ۱۲ سال کی عمر سے پوچھتی آئی ہے۔ میرے باپ نے کوئی جرم کیا ہے تو عدالت میں لاؤ۔ سزا دو۔ بتا دو اس نے کیا جرم کیا تھا۔

سمی نہیں کہتی لیکن اس کے ارد گرد بیٹھے، اپنے باپ بھائیوں کو ڈھونڈتے، تھکے ہوئے لوگ یہ پوچھتے ہیں کہ اگر مار دیا ہے تو قبر ہی دکھا دو تا کہ ہم فاتحہ پڑھیں اور گھروں کو جائیں۔

سمی نے اپنی چھوٹی سی زندگی میں چھ وزیرِ اعظم آتے جاتے دیکھے ہیں۔ ان میں سے ایک بھی اس کے بنیادی سوال کا جواب نہیں دے سکا کہ ایک رات میں خود بچی تھی، بیمار تھی، خضدار کے ہسپتال سے میرے باپ کو فون آیا وہ مجھے بیمار چھوڑ کر اپنی ڈیوٹی پر چلا گیا اور اس کو عینی شاہدوں کے سامنے ویگو والوں نے اغوا کیا۔ اب وہ کہاں ہے۔

جب تک شہباز شریف سمی کے سوالوں کا جواب نہیں دے سکتے اپنی سپیڈ اپنے پاس رکھیں۔ اپنے سے پہلے آنے والوں کا انجام یاد کریں۔ سمی نے کسی کو بد دعا نہیں دی لیکن اس کے دل سے آہ تو ہر روز نکلتی ہے۔

☆☆☆☆☆

سوشل میڈیا کی دنیا سے......

یہاں درج فاضل لکھاریوں کے تمام افکار سے ادارہ 'نوائے غزوۂ ہند' کا متفق ہونا ضروری نہیں۔

جمع و ترتیب: ہشام سالم

رہنما اور راہزن کا فرق | فیض اللہ خان نے لکھا

عمرو اسامہ اور حقانی دوغلے نہ تھے، جو راہ چُنی اولاد سمیت چلے اور اسی پہ جان بھی دی۔ اختر عبدالرحمان جیسے صرف مالی بدعنوان نہیں فکری بددیانت بھی ہیں، جو افغان جہاد کی گنگا میں مال بناتے رہے۔ قوم کے بچے بھیجتے تھے اپنے سنبھال کر رکھے، حالیہ افغان جنگ کے راز کھلے تو کوئی اختر عبدالرحمان ملیں گے۔

وَالَّذِينَ آمَنُوا أَشَدُّ حُبًّا لِّلَّهِ | شیخ حامد کمال الدین نے لکھا

ایک حقیقی اسلامی معاشرے میں "اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت" پر اتنی ہی شدت اختیار کی جاتی ہے جتنی کہ آج کی کسی ماڈرن سوسائٹی میں "آئین" پر اختیار کی جاتی ہے۔ بلکہ اس سے بھی زیادہ۔

دینی جماعتوں کیلئے یاد دہانی!

اگلے مرحلے میں مریخ کو قریب کر کے فتح کریں گے | محمد عبد اللہ نے لکھا

"پیٹرول کی قیمت کم کرنا ممکن ہے البتہ کلومیٹر کی تختیاں قریب قریب کرنے پر کام ہو رہا ہے تا کہ گاڑیوں کی ایوریج بڑھ سکے۔ جلد قوم کو خوشخبری سنائیں گے۔" وفاقی وزیر برائے سائنس و ٹیکنالوجی

مکافاتِ عمل | ابو بکر قدوسی نے لکھا

انسان جب مظلوم ہوتا ہے تو اس کو اپنے کیے گئے ظلم بھول جاتے ہیں، تب اس کو صرف اپنا درد یاد رہتا ہے۔

یہی یوکرین تھا کہ جس کے فوجی نیٹو فورسز کا حصہ نہ ہونے کے باوجود اس ظلم میں اپنا حصہ شامل کرنے کے لیے مسلم ممالک میں آئے۔۔۔ دیکھا جائے تو یوکرین کی کسی مسلم ملک سے کیا دشمنی تھی یا جھگڑا تھا؟

لیکن جب امریکہ نے نان نیٹو فورسز کو اپنے ظلم میں ساجھے دار بنانے کے لیے 'ایساف' کو تشکیل دیا تو یوکرائن اس کا سرگرم حصہ تھا۔ اس کے فوجی شقاوت میں دوسروں سے بھی نسبتاً بڑھے ہوئے تھے۔ انہوں نے افغانستان اور عراق میں خون کی ندیاں بہادی تھیں۔

دوسری طرف جب یہی روس اسی انداز میں شام پر بمباری کر رہا تھا اور یونہی خون بہہ رہا تھا تو اہل مغرب کی اکثریت اپنی حکومتوں کی خاموش تائید کنندہ تھی، جو اب روسی بمباری پر بلک بلک جا رہی ہے۔ کم از کم میں جمہوریت کے نظام میں عوام کو حکومتوں کے جرائم میں مکمل حصے دار سمجھتا ہوں کیونکہ حکمران ان کے ووٹوں سے منتخب ہوتے ہیں اور منتخب ہونے کے بعد بھی جواب دہ ہوتے ہیں، اور بعد ازاں اگلے الیکشن کی تلوار بھی سر پر لٹکتی رہتی ہے۔ سو اس ظلم میں ان کے عوام بھی برابر کے شریک تھے۔

رہی یہ جنگ۔۔۔۔ تو اللہ ظالموں کو ظالموں کے ذریعے ہلاک کر رہا ہے۔

تہذیب کے فرزندوں کے منافقانہ معیار | اشرف محمود نے لکھا

پچھلے ۲۰ سال میں ایک طعنہ بار بار دیا گیا کہ تم مامے لگتے ہو امت کے؟ کون سی امت، کہاں کی امت؟

اپنی فکر کرو، کوئی کسی کے لیے نہیں لڑتا۔ کشمیر، افغانستان میں لڑنے والے دہشتگرد ہیں۔ نیشن سٹیٹ دہشتگردی بارڈر کراسنگ کی اجازت نہیں دے گی۔

یوکرینی اپنے ملک کا دفاع کریں تو حریت پسند اور ہیرو کہلائیں اور اگر فلسطینی، کشمیری اور افغانی کریں تو دہشت گرد کہلائیں۔

یوکرین جنگ نے منافقوں کے چہروں سے سارے نقاب اتار دیے ہیں۔۔۔

پوٹن کی فراخ دلی | کامران علی خان نے لکھا

اگر میری وجہ سے مغربی دنیا عمران خان جیسے ایک عالمی لیڈر کے خلاف سازشیں کر رہی ہے تو میں یوکرین سے اپنی فوج واپس بلا لیتا ہوں یوکرین تو آنی جانی چیز ہے، دنیا ایسا ہیرا پھر کہاں سے لائے گی؟ ولادمیر پوٹن

کاہلی اور اس کا قدرتی علاج | زبیر منصوری نے لکھا

کہیں پڑھا تھا،

بڑے فشنگ ٹرالر ہفتوں بعد گہرے سمندروں سے واپس لوٹتے تھے تو برف لگی مچھلی باسی ہو چکی ہوتی تھی۔ پھر ٹرالرز میں بڑے بڑے ٹینک بنائے جانے لگے تاکہ زندہ مچھلی ساحل پر لائی جا سکے۔ مگر بات نہیں بنی اتنا لمبا عرصہ ٹینک میں کاہل پڑے رہ کر مچھلی کی لذت کم ہو جاتی

تھی۔ پھر انہوں اس ٹینک میں ایک شارک مچھلی چھوڑنا شروع کر دی جس کا خوف، بچنے کے لیے بھاگ دوڑ اور جدوجہد انہیں تازہ دم رکھتی تھی۔ تبھی سے یہ کہا جانے لگا،

Put a Shark in the tank

کبھی لگتا ہے عورت مارچ، ڈاکٹر ہود بائے ٹائپ لوگ اور واقعات اسلام پسندوں کے کاہل پڑے 'ٹینک' میں دراصل وہ شارکس ہیں جن سے الجھنے، جھپٹنے، پلٹنے اور پلٹ کر جھپٹنے سے آہستہ آہستہ برسوں کی گرد جھڑ رہی ہے۔ اسلامی فکر کے خشک ہوتے سوتے پھر سے پھوٹ رہے ہیں، بے قراری بڑھ رہی ہے۔ بس مسئلہ تو صلاحیت اور اسکل (skill) کا بے سمت اور پلاننگ کا ہے ورنہ جذبات تو ابلے پڑ رہے ہیں۔

انسانیت | قاسم الطاف نے لکھا

آنکھیں کھول کر اور دیدے پھاڑ کر دیکھ لیں کہ مغربی میڈیا کس طرح یوکرائن اور روس کی جنگ پر رپورٹنگ کر رہا ہے۔ جسے بھی لگتا ہے کہ انسانیت سے بڑا کوئی دھرم نہیں، وہ جان لے کہ اس فلسفے کے علمبردار صرف اسے ہی انسان گنتے ہیں جو ان کے مفادات سے منسلک ہو۔ روسی فوج کو روکنے کے لئے پل سمیت خود کو بم سے اڑا لینے والا یوکرائینی فوجی ہیرو ہے لیکن امریکی ٹینک پر خودکش حملہ کرنے والا افغانی مسلمان دہشت گرد ہے۔

غمزدہ بیک گراؤنڈ میوزک کے ساتھ یوکرائن کے عوام کی تکلیف دہ کہانیاں سارا دن اسی بی بی سی پر چلتی رہتی ہیں جہاں کبھی مغربی جارحیت میں اجڑتے مسلمان گھرانوں کا ذکر تک نہیں ہوتا۔

منافقت | محمد سعد نے لکھا

"یوکرینی فوجی اہلکار کی بہادری نے روسی افواج کو لمبا راستہ اختیار کرنے پر مجبور کیا۔" جیو نیوز

اہم اصول سمجھ لیں۔۔۔

فدائی تدبیر تب ہی بہادری ہے جب وہ امریکہ اور اتحادیوں کے خلاف نہ ہو، ورنہ دہشتگردی ہے۔ یہی کام اگر کشمیری مجاہد پلوامہ میں کرے تو پاکستانی ریاست، میڈیا اور سب دانشور اس کو 'دہشتگرد' کہیں لیکن اگر ایک گوری چمڑی والا کافر کرے تو بہادر۔

ایک نہیں دو پاکستان | خالد محمود عباسی نے لکھا

بندہ غائب کر دیا جائے تو خیال آیا اس نے کچھ تو کیا ہوگا مگر جب سوئس اکاونٹس میں نام آئے تو اب لگے کہ کوئی جرنیل ایسا کیسے کر سکتا ہے تو سمجھ لیں یا تو آپ شاہ دولے کے چوہے ہیں یا غیر اللہ کی محبت بنی اسرائیل کے بچھڑے کی طرح آپ کے دل میں گھسی ہوئی ہے۔۔۔

ملفوظات | وسیم احمد نے لکھا

زیادہ متانت کا نام کبر ہے۔ متانت کی بھی ایک حد ہے۔ کچھ نہ کچھ شوخی بھی ہونی چاہیے۔ شوخی علامت ہے تواضع کی، شوخ آدمی متواضع ہوتا ہے۔

شوخ آدمی میں مکر و فریب نہیں ہوتا، بہت متانت میں بعض دفعہ یہ بات ہوتی ہے۔

(ملفوظاتِ حکیم الامت)

جج صاحب کی ذہنی بلوغت پر سوالیہ نشان | عبد الباسط نے لکھا

۱۸ سال سے کم عمر لڑکی بے حیائی کی ساری حدیں پار کر سکتی ہے، مگر جائز طریقے سے حیا کی حفاظت نہیں کر سکتی۔ کس طرح کے نامعقول لوگ ہمارے اوپر مسلط ہیں۔ جب شریعت نے بتا دیا کہ بلوغت کیا ہوتی ہے تو پھر یہ ۱۸ سال کو بلوغت کی حد کس طور پر مقرر کر رہے ہیں؟

حتیٰ کہ امریکہ میں بھی ۱۶ سال کی عمر میں والدین کی اجازت سے شادی ہو سکتی ہے مگر یہ نجانے کس آقا کی غلامی میں اندھے بنے ہوئے ہیں۔

ترقی کہتے کسے ہو؟؟ | شیخ حامد کمال الدین نے لکھا

کچھ منطق سمجھ آئی کبھی اس #لبرل تبلیغ کی؟

گاڑیاں اور طیارے بنانے کا عمل اصل میں شروع ہوتا دین کو زندگی میں متروک ٹھہرانے، عورت کے بے پردہ ہونے، اور لچرپن کو عام کرنے سے!

اور یہ کہ

راتیں نماز اور ذکر کی بجائے نائٹ کلبوں اور شراب خانوں میں گزریں تو ترقی کا دور دورہ ہو سکتا ہے!!!

بندے دے پتر | رضوان اسد خان نے لکھا

ایسی بے شمار مزاحیہ ویڈیوز ہیں جن میں ماں کسی گڑیا یا بھالو وغیرہ کی پٹائی کرتی ہے تو بچہ، جو پہلے کھانے میں تنگ کر رہا ہوتا ہے، فوراً ڈر کے مارے منہ کھول کر بندے کا پتر بن جاتا ہے۔

ہنسنے کے بعد یہ بھی سوچیں کہ یہ عین انسانی نفسیات کے مطابق معاملہ ہے۔ سنگین جرائم پر عبرت ناک سزائیں دی جائیں تو معاشرے کے باقی افراد خود بخود بندے کے پتر بن جائیں۔

پر جن لوگوں کو بدترین مجرموں کو بھی سزائے موت دیتے موت پڑتی ہے، وہ ظلم کے سب سے بڑے حمایتی ہیں۔ انکے مقابلے میں قرآن تو کہہ رہا ہے کہ جان لو قصاص میں تمہارے لیے

حیات ہے، اگر تمہارے اندر کوئی تھوڑی بہت عقل ہے تو۔ پر عقل ہوتی تو بندے کے پتر نہ بن چکے ہوتے۔۔۔!!!

خواتین کے حقوق اور عورت مارچ | علامہ ابتسام الٰہی ظہیر نے لکھا

دنیا بھر میں ۸ مارچ کو خواتین کے عالمی دن کی مناسبت سے تقاریب کا انعقاد کیا جاتا ہے۔ پاکستان میں گزشتہ کچھ عرصے سے اس دن مختلف طرح کے اجتماعات، جلوسوں اور سیمینارز کا انعقاد کیا جارہاہے۔ اس موقع پر بالعموم عورت کی آزادی سے متعلقہ نعرے لگائے جاتے ہیں۔ بحیثیت مجموعی مردوں کو بھی شدت سے معتوب کیا جاتا ہے اور عورت کے استحصال کے حوالے سے معاشرے کے ناہموار روّیوں کے خلاف اعلانِ بغاوت اور اظہارِ نفرت کیا جاتا ہے۔ اس موقع پر لہرائے جانے والے پلے کارڈز اور بینرز پر جس قسم کی تحریریں کنندہ ہوتی ہیں وہ کسی بھی طور پر مشرقی روایات اور ہماری مذہبی اقدار کے ساتھ مطابقت نہیں رکھتیں۔

عورت مارچ کا مقصد یہ بتلایا جاتا ہے کہ عورت اپنے حقوق کی طلبگار ہے لیکن جو نعرے لگائے جاتے ہیں ان میں عام طور پر مردوزن کے اختلاط اور تعلقات کی حمایت نظر آتی ہے۔ کئی مرتبہ سرعام عورت مارچ کے شرکا شادی بیاہ کے خلاف گفتگو کرتے ہوئے بھی نظر آئے ہیں۔ یہ بات بھی کہی جاتی ہے کہ عورت کو اس وقت تک حقوق نہیں مل سکتے جب تک عورت نکاح کے بندھن سے آزاد نہیں ہو جاتی۔ یہ باتیں سن کر جہاں معاشرے کا ایک طبقہ طمانیت محسوس کرتا ہے، وہیں معاشرے کی ایک بڑی تعداد اس حوالے سے اضطراب اور بے چینی کا شکار ہو جاتی ہے کہ یہ نعرے نجانے ہمیں کہاں لے کر جا رہے ہیں؟

جب ہم ان معاشروں کے بارے میں مشاہدہ یا مطالعہ کرتے ہیں جہاں سے یہ نعرے ہمارے معاشرے میں درآمد کیے گئے ہیں تو یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ ان معاشروں میں عورت کو چراغِ خانہ کی بجائے شمعِ محفل بنانے پر زور دیا جاتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ ان معاشروں میں شادی بیاہ کی اہمیت بتدریج کم ہوتی جا رہی ہے اور عورتیں بغیر شادی کے اپنی زندگی کو آسودہ محسوس کرتی ہیں۔ بعض مغربی معاشروں میں اس حوالے سے یہ بات بھی دیکھنے میں آئی ہے کہ اولاد کی پیدائش کے لیے عورتیں آمادہ و تیار نہیں ہوتیں اور وہ بچوں کو نعمت سمجھنے کے بجائے اپنے اوپر ایک بوجھ تصور کرتی ہیں۔ ان کا یہ مقصد ہوتا ہے کہ بچوں کے بغیر ہی اپنی زندگی کو گزار لیا جائے۔ بعض ممالک میں ہونے والی بیشتر شادیاں طلاق پر منتج ہوتی ہیں اور شادی کے باوجود بھی عورتیں اور مرد دیگر تعلقات استوار کیے رکھتے ہیں۔

عورت کی آزادی کا نعرہ یقیناً کئی اعتبار سے دلفریب ہے اور کم سن خواتین اس نعرے میں غیر معمولی کشش محسوس کرتی ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ نعرہ کسی بھی طور پر عورت کے حقوق کے ساتھ مطابقت نہیں رکھتا اور اس نعرے کے نتیجے میں عورت گھریلو نظام میں اپنا کردار ادا کرنے کی بجائے معاشرے کی آوارہ نگاہوں کا نشانہ بنتی چلی جاتی ہے۔ ہمیں اس ضمن میں اس بات کو دیکھنے کی ضرورت ہے کہ اسلامی تعلیمات اس حوالے سے ہماری کیا رہنمائی کرتی ہیں۔

اسلام نے عورت کو ہر طرح کے حقوق دیے ہیں اور اس کو گھر کے ساتھ ساتھ معاشرے کی تطہیر کے لیے اپنا کردار ادا کرنے سے نہیں روکا لیکن اس کے ساتھ ساتھ اس سے اس بات کا بھی تقاضا کیا گیا ہے کہ وہ معاشرے کی ضروریات یا معاشرے میں اپنا کردار ادا کرنے کے ساتھ ساتھ کسی بھی طور اپنے گھریلو امور میں کمی اور کوتاہی کی مرتکب نہ ہو۔ یہ بات انتہائی قابلِ توجہ اور غور طلب ہے کہ عورت اگر معاشرے میں اپنا معاشی کردار ادا کرنے کے لیے گھر سے باہر نکلتی ہے اور اس کے نتیجے میں اس کے شوہر اور اولاد کی حق تلفی ہوتی ہے یا اس کی اولاد مناسب تربیت سے محروم رہ جاتی ہے تو یہ بات کسی بھی طور پر درست نہیں۔ اس لیے کہ عورت کے شوہر اور اس کی اولاد کا اس پر سب سے پہلا حق ہے۔ اس کو چاہیے کہ وہ شوہر کی ضروریات اور اولاد کی کفالت کے لیے اپنی ذمہ داریوں کو بھرپور انداز سے ادا کرے۔ 'میرا جسم، میری مرضی' کا نعرہ کسی بھی طور پر عورت کے حقوق سے مطابقت نہیں رکھتا۔ ہماری رائے میں اس نعرے کے نتیجے میں معاشرے میں جو بگاڑ پیدا ہونے کے خدشات ہیں وہ کسی سے ڈھکے چھپے نہیں۔ اسلام میں برائی و فحاشی کی کوئی گنجائش موجود نہیں۔ دینِ اسلام ان تمام راستوں سے عورتوں اور مردوں کو منع کرتا ہے جس کے نتیجے میں وہ بدکرداری کی دلدل میں اترنا شروع ہو جائیں۔ چنانچہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے سورۂ بنی اسرائیل کی آیت نمبر ۳۲ میں ارشاد فرمایا: "خبردار زنا کے قریب بھی نہ پھٹکنا کیونکہ وہ بڑی بے حیائی ہے اور بہت ہی بری راہ ہے"۔ اس آیت مبارکہ سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ برائی کا ارتکاب کرنا تو بڑی دور کی بات ہے، اسلام اس کے قریب جانے سے بھی منع کرتا ہے۔ جہاں تک تعلق ہے ہم جنس پرستی کی بات کا، تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآنِ مجید میں متعدد مقامات پر جن مغضوب قوموں پر آنے والے عذاب کا ذکر کیا ان میں قومِ لوط بھی شامل ہے۔ قوم لوط میں یہ برائی پائی جاتی تھی کہ وہ بدکرداری کا ارتکاب کرتے تھے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآنِ مجید کے مختلف مقامات پر ان پر آنے والے عذاب کا ذکر کیا جن میں سورۂ ہود کی آیت نمبر ۷۷ سے ۸۳ کا مقام درج ذیل ہے:

"جب ہمارے فرشتے لوط کے پاس پہنچے تو وہ ان کی وجہ سے بہت غمگین ہو گئے اور دل ہی دل میں کڑھنے لگے اور کہنے لگے کہ آج کا دن بڑی مصیبت کا دن ہے، اور ان کی قوم دوڑتی ہوئی ان کے پاس آ پہنچی کہ وہ تو پہلے ہی سے بدکاریوں میں مبتلا تھی۔ لوط (علیہ السلام) نے کہا: اے میری قوم کے لوگو! یہ ہیں میری (قوم کی) بیٹیاں جو تمہارے لیے بہت ہی پاکیزہ ہیں۔ اللہ سے ڈرو اور مجھے میرے مہمانوں کے بارے میں رسوا نہ کرو، کیا تم میں ایک بھی بھلا آدمی نہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ تم بخوبی جانتا ہو کہ ہمیں تمہاری بیٹیوں پر کوئی حق نہیں ہے اور تم ہماری اصلی چاہت سے بخوبی واقف ہے۔ لوط (علیہ السلام) نے کہا: کاش کہ مجھ میں تم سے مقابلہ کرنے کی قوت ہوتی یا میں کسی زبردست کا آسرا پکڑ پاتا۔ اب فرشتوں نے کہا: اے لوط!

ہم تیرے پروردگار کے بھیجے ہوئے ہیں، ناممکن ہے کہ یہ تجھ تک پہنچ جائیں پس تو اپنے گھر والوں کو لے کر جب کچھ رات رہے نکل کھڑا ہو۔ تم میں سے کسی کو مڑ کر بھی نہ دیکھنا چاہیے؛ بجز تیری بیوی کے، اس لیے کہ اسے بھی وہی پہنچنے والا ہے جو ان سب کو پہنچے گا، یقیناً ان کے وعدے کا وقت صبح کا ہے، کیا صبح بالکل قریب نہیں؟ پھر جب ہمارا حکم آپہنچا تو ہم نے اس بستی کو زیروزبر کر دیا، اوپر کا حصہ نیچے کر دیا اور ان پر کنکریلے پتھر برسائے جو تہ بہ تہ تھے۔ تیرے رب کی طرف سے نشان دار تھے اور وہ ان ظالموں سے کچھ بھی دور نہ تھے۔‘‘

ان آیاتِ مبارکہ سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ اسلام میں ہم جنس پرستی کی کوئی گنجائش نہیں ہے اور اس حوالے سے ہمیں اسلامی تعلیمات کو مد نظر رکھتے ہوئے اپنی زندگی کو گزارنا چاہیے۔

اسلام بنیادی طور پر انسان کے جبلی تقاضوں کو پورا کرنے کے لیے نکاح کے راستے کی طرف رہنمائی کرتا ہے اور اس حوالے سے پیش آنے والی معاشی رکاوٹوں کو زیادہ اہمیت نہیں دیتا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کے کلام کے مطالعے سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ نکاح اگر غربت اور فقیری میں بھی کیا جائے تو اللہ تبارک وتعالیٰ انسان کو خوشحالی عطا فرما دیتے ہیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ سورہ نور کی آیت نمبر ۳۲ میں ارشاد فرماتے ہیں: ’’تم میں سے جو مرد وعورت بے نکاح کے ہوں، ان کا نکاح کر دو، اور اپنے نیک بخت غلام اور لونڈیوں کا بھی، اگر وہ مفلس ہوں گے تو اللہ تبارک وتعالیٰ انہیں اپنے فضل سے غنی بنا دے گا، اللہ تعالیٰ کشادگی والا اور علم والا ہے‘‘۔

نکاح کے بندھن کے نتیجے میں انسان کو اولاد جیسی نعمت حاصل ہوتی ہے جو انسان کے بڑھاپے کا سہارا بنتی ہے۔ جوانی کے ایام گزرنے کے بعد انسان اپنی اولاد کی خدمت کا طلبگار ہوتا ہے۔ اگر نکاح کے بندھن کو فراموش کرکے اولاد کی نعمت کو نظر انداز کر دیا جائے تو اس کے نتیجے میں انسان کو غیر معمولی بحرانوں کا سامنا کرنا پڑ سکتا ہے اور بڑھاپے میں گزاری گئی تنہائی کی زندگی کے دکھ، تلخیاں اور کربناکیاں انسان کی روح کو گھائل کرنے کا سبب بن سکتے ہیں۔ میرا جسم، میری مرضی کا نعرہ ناپختہ ذہنوں کو ورغلانے کا سبب تو بن سکتا ہے لیکن اس کے نتیجے میں زندگی میں آنے والی تلخیوں اور تاریکیوں کا مقابلہ نہیں کیا جا سکتا؛ چنانچہ ہمیں عورتوں کے حقوق کے حوالے سے عورت مارچ میں لگائے گئے نعروں کو اہمیت دینے کے بجائے اسلامی تعلیمات کو اہمیت دینی چاہیے اور عورت کے جائز حقوق؛ یعنی حق وراثت، نکاح کے موقع پر اس کی رضامندی، زندگی کے دیگر اُمور اور معاملات میں اس کی ذات کو اہمیت، اس کے ساتھ حسن سلوک اور گھریلو سطح پر لڑکے اور لڑکی کے مابین تفریق جیسے اُمور کو ختم کرنے پر توجہ دینی چاہیے تاکہ ہمارا معاشرہ حقیقی معنوں میں صحت مند معاشرے کی شکل اختیار کر سکے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ ہمیں حقیقی معنوں میں عورت کے حقوق کو سمجھنے اور انہیں ادا کرنے کی توفیق دے، آمین!

★★★★★

بقیہ: سلطانی جمہور

جس کو مہینوں اس سے بات کرنے کی فرصت نہیں ملتی تھی......اس کے حوالے کر دوں اور یہ سمجھوں کہ میں نے اپنا دل ’بڑا‘ کر کے عبد اللہ کے لیے بہت بڑی قربانی دی ہے......؟‘‘۔

’’نہیں......‘‘، وہ اپنے آنسو صاف کرتے ہوئے قطعیت سے بولی، ’’عبد اللہ کے حوالے سے میں کوئی سمجھوتہ نہیں کروں گی......وہ میرا بیٹا ہے......میری جان ہے......چار سال سے میں ہی اس کے سب رشتے نبھا رہی ہوں......اور آئندہ بھی میں جو ضروری ہوا کروں گی، مگر عبد اللہ کو اس بے رحم شخص کے حوالے نہیں کروں گی!!......اونہہ! اگر اس کو اولاد اتنی پیاری ہوتی تو وہ چھوڑ دیتا اپنی بیوی کو بیٹے کی خاطر......مگر نہیں......اس کو سب کچھ چاہیے......‘‘

’’مگر آپ سن لیں......عبد اللہ میں میری جان ہے......کچھ بھی ہو جائے، میں عبد اللہ کو نہیں چھوڑ سکتی۔ زندگی میں مجھے مزید کون سے رشتے نبھانے ہوں گے......یہ سوال ابھی پیدا نہیں ہوا۔ مگر عبد اللہ موجود ہے، اور فی الحال مجھے ایک ماں کی حیثیت سے اپنا رشتہ نبھانے کی ضرورت ہے......آئندہ بھی، میں اپنے لیے جو بھی فیصلہ کروں گی، آپ بے فکر رہیں، میں عبد اللہ پر کبھی آنچ نہیں آنے دوں گی......وہ میرا بیٹا ہے، مجھ سے زیادہ کسی کو اس کی فکر نہیں......!‘‘۔

عمیر اسے ٹوکے بغیر سن رہا تھا۔ اس کی بات ختم ہوئی تو اس نے سر کو ذرا سا خم دے کر گویا اس کی تائید کی۔ ’’تم ٹھیک کہہ رہی ہو......میں تم سے متفق ہوں......سو فیصد!‘‘۔

(جاری ہے، ان شاء اللہ)

☆☆☆☆☆

اموات کی کثرت اور معاشی خوشحالی

’’اگر ہم مسلم امت میں شرحِ اموات کا تقابل کریں، تو یہ بات واضح ہوتی ہے کہ جب امت جہاد فی سبیل اللہ میں مصروف تھی تو اموات کی تعداد بہت کم تھی، لیکن جب امت نے جہاد کو چھوڑ دیا، تو یہ تعداد لاکھوں تک جا پہنچی۔ اگر ہم امت کی معاشی حالت کا تقابل کریں، تو پھر یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ جہاد کے زمانہ میں امت پر خوش حالی کا دور دورہ تھا، اور جب ہم جہاد فی سبیل اللہ سے پیچھے بیٹھ رہے تو ہم مفلس ترین اقوام میں شامل ہو گئے۔‘‘

(شیخ انور العولقی شہید رحمہ اللہ)

افغانستان: امارتِ اسلامیہ کی جانب سے مختلف اسلامی قوانین کا نفاذ

امارت اسلامیہ افغانستان کی وزارتِ امر بالمعروف و نہی عن المنکر نے دارالحکومت کابل کے تفریحی پارکوں میں مردوں اور خواتین کے لیے الگ الگ دن مقرر کر دیے ہیں۔ وزارت کی طرف سے جاری کردہ بیان میں کہا گیا ہے کہ اتوار، پیر اور منگل کے دن خواتین کے لیے مختص ہیں اور بدھ، جمعرات، جمعہ اور ہفتہ کے دن مرد حضرات پارک میں جاسکتے ہیں۔ واضح رہے کہ امارت اسلامیہ نے خواتین کے لیے پارکوں اور دیگر تفریحی مقامات پر شرعی حجاب اور مخلوط محفلوں سے اجتناب کو لازم قرار دیا ہے، اور کہا ہے کہ خلاف ورزی کی صورت میں (شرعی) قانونی کارروائی کی جائے گی۔

گزشتہ بیس سالوں میں افغان دارالحکومت کابل میں امریکہ اور اس کے اتحادیوں نے ایک سیکولر، لادین اور دین بیزار معاشرہ قائم کرنے کی بھرپور کوششیں کی، اور اس مقصد کے حصول کے لیے ہر ممکن اسباب اور مصارف فراہم کیے۔ یہاں معاشرتی بے راہ روی، فحاشی اور عریانی کو فروغ دینے کے لیے امریکہ نے خود یہاں رہتے ہوئے معاشرے میں غلاظت اور گندگی کو فروغ دیا، حتیٰ کے کابل میں باقاعدہ ایک بہت بڑی جگہ پر فحاشی اور بدکاری کا اڈہ قائم کیا۔

گزشتہ سال فتح کے بعد جب طالبان مجاہدین نے کابل کا کنٹرول سنبھالا تو میڈیا پر کیے جانے والے طالبان کی سخت گیری کے پروپیگنڈے کے نتیجے میں کابل کی وہ عوام، جو امریکی وقتوں میں مادر پدر آزاد معاشرے کی عادی ہو چکی تھی، اسلامی شعائر و روایات کی طرف راغب ہونے لگی۔ خواتین گھروں میں بیٹھ گئیں، جو نکلیں بھی تو پردے میں نکلیں۔ لیکن طالبان کی جانب سے مسلمانوں کے لیے فطری طور پر پائے جانے والے نرم رویے کو دیکھ کر آہستہ آہستہ یہ چند باپردہ خواتین بے پردہ ہوتی گئیں اور گھروں میں بیٹھی خواتین سڑکوں اور بازاروں میں آ نکلیں۔

اب جبکہ طالبان افغانستان میں مکمل طور پر کنٹرول رکھتے ہیں، ایسے میں عوام میں اسلامی شعائر و احکامات کی دعوت کے ساتھ ساتھ اسلامی اقدار اور قوانین کو معاشرے میں نافذ کرنے کے لیے اقدامات کیے جا رہے ہیں۔

اسی طرح امارت اسلامیہ افغانستان نے ملک بھر میں ٹی وی چینلوں پر غیر ملکی ڈراموں پر پابندی عائد کر دی ہے، اس کے علاوہ بی بی سی اور وائس آف امریکہ کی ٹی وی نشریات پر بھی پابندی عائد کر دی گئی ہے۔ واضح رہے کہ بی بی سی اور وائس آف امریکہ کے ادارے اُمتِ مسلمہ میں فحاشی کے فروغ، سیکولرازم اور لادینیت کے نظریات کو عام کرنے کے لیے کوشاں ہیں۔ اس کے علاوہ یہ چینلز افغانستان میں امارتِ اسلامیہ کے خلاف پروپیگنڈہ مہم میں بھی سب سے آگے ہیں۔

اسی کے ساتھ ہی ٹی وی چینلوں پر خبروں اور دیگر مواقع پر چلنے والی موسیقی پر بھی پابندی لگا دی گئی ہے۔ یہ حکم بھی جاری کیا گیا ہے کہ خبریں نشر کرنے والے افراد مغربی لباس اور حلیے کے بجائے اسلامی لباس اور حلیے میں خبریں نشر کریں۔

وزارتِ امر بالمعروف و نہی عن المنکر نے حکومتی اداروں میں کام کرنے والے افراد کے لیے داڑھی اور سر پہ ٹوپی رکھنے کو بھی لازم قرار دے دیا ہے، خلاف ورزی کی صورت میں حکومتی مقامات میں داخل ہونے کی اجازت نہیں ہو گی۔

صومالیہ: القاعدہ کی شاخ الشباب کا موغادیشو میں صلیبی افواج کے مرکز پر بڑا حملہ

۲۳ مارچ کو الشباب نے موغادیشو میں آدم عدی انٹرنیشنل ایئرپورٹ کے قریب قائم حیلانی ملٹری بیس پر حملہ کیا، جس میں درجنوں صلیبی ہلاک اور زخمی ہوئے۔

دو مجاہدین ایئرپورٹ ملازمین کے روپ میں کیمپ کے مرکزی دروازے سے داخل ہوئے اور مختلف چیک پوائنٹس سے گزرتے ہوئے صلیبی ملٹری کمپلیکس میں داخل ہو کر حملہ کر دیا جو کئی گھنٹوں تک جاری رہا۔

الحمدللہ مجاہدین نے کامیابی سے منصوبے کے مطابق اہداف کو نشانہ بنایا، جس کے نتیجے میں چار اعلیٰ سطح کے مغربی صلیبی افواج کے افسران اور ۱۳ افریقی صلیبی فوجی جہنم واصل ہوئے۔ حملے میں ۱۵ دیگر افریقی صلیبی فوجی زخمی ہوئے۔ مجاہدین نے فوجی املاک اور تنصیبات کو دھماکے سے اڑایا، جس کے نتیجے میں صلیبیوں کا بھاری مالی نقصان بھی ہوا۔

ہالان ملٹری کمپلیکس صومالیہ کا سب سے بڑا ملٹری بیس ہے اور اس میں درج ذیل اہم دفاتر موجود ہیں:

- امریکہ، برطانیہ اور اٹلی سمیت دیگر مغربی ممالک کے سفارتخانے۔

- سی آئی اے (CIA)، ایم آئی سکس (MI6) اور موساد (MOSSAD) سمیت خفیہ ایجنسیوں کے مرکزی دفاتر۔
- صومالیہ کا سب سے بڑا زیرِ زمین قید خانہ جس کا مکمل کنٹرول امریکی خفیہ ایجنسی سی آئی اے کے پاس ہے۔
- اقوام متحدہ اور دیگر مغربی ایجنسیوں کے دفاتر۔
- صومالیہ میں متحدہ افریقیائی فوجی مشن (AMISOM) کا کمانڈ سینٹر۔
- صومالیہ میں جاسوسی اور ڈرون طیاروں کی کارروائیوں کے لیے قائم امریکی سی آئی اے کا کمانڈ اینڈ کنٹرول سینٹر۔

ایک بیان میں الشباب نے کہا کہ یہ حملے صلیبی افواج کو یہ پیغام ہیں کی وہ مسلم ملک صومالیہ سے نکل جائیں۔

الشباب ایک عرصے سے خطے میں صلیبی افواج کے خلاف برسرِ پیکار ہے اور ان حملوں کا مقصد اس خطے سے ان صلیبی افواج کا انخلا اور طالبان طرز کا ایک اسلامی شرعی نظام حکومت قائم کرنا ہے۔

صرف دو مجاہدین کے ذریعے دارالحکومت موغادیشو کے انتہائی حساس اور دفاعی طور پر مضبوط ترین علاقے میں گھس کر حملہ کرنے سے یہ اندازہ ہوتا کہ الشباب کے پاس یہ صلاحیت ہے کہ وہ اپنے کسی بھی ہدف کو نشانہ بنا سکتی ہے۔

اس حملے کے ایک دن بعد ہی ۲۴ مارچ کو الشباب کی جانب سے وسطی صومالیہ کے شہر بلدوین میں مرتدین کے ایک مرکز پر کیے جانے والے فدائی حملوں میں ۴۹ سے زائد مرتدین ہلاک اور ۹۰ سے زائد زخمی ہوئے۔

ہلاک و زخمی افراد میں اعلیٰ حکومتی عہدہ داران، انتخابی امیدواران، اعلیٰ سطحی آرمی کمانڈرز اور مرتد فوجی شامل ہیں۔

الشباب کے مطابق حملوں میں ان حکومتی اور فوجی افراد کو نشانہ بنایا گیا جو پارلیمان میں ایسے افراد کو لانے کے لیے کوشاں ہیں جن کا مقصد اس اسلامی سرزمین پر کفری مغربی اقدار اور ایک ایسے نظام کا فروغ ہے، جس سے یہاں بداخلاقی اور شریعت سے متصادم قوانین نافذ ہوں گے۔

ان حملوں کے بعد الشباب کی جانب سے اس سال کیے جانے والے فدائی حملوں کی تعداد دس ہو گئی ہے۔

ملٹری بیس پر حملے کے بعد ایک بیان میں الشباب کا کہنا ہے کہ مجاہدین اللہ کے اذن سے اپنی امتِ مسلمہ اور مسلم سرزمینوں کی حفاظت و دفاع کے لیے مغربی صلیبی افواج کے حساس اور محفوظ ترین مقامات پر ٹوٹ پڑنے کے لیے تیار ہیں۔ کوئی بھی طاقت مجاہدین کو اللہ کے احکامات کی پابندی اور اپنے دین، مسلم سرزمین اور مسلمان امت کے دفاع سے نہیں روک سکتی۔

واضح رہے کہ الشباب القاعدہ کی فعال شاخوں میں سے ایک شاخ ہے، اور جنوبی صومالیہ کے ایک بڑے حصے پر الشباب کو کنٹرول حاصل ہے۔ یہ تنظیم صومالیہ اور کینیا میں اعلیٰ سطح کی سرکاری و فوجی تنصیبات پر حملے کرتی رہی ہے۔

بھارت: ہندو قوم پرست حکومت کی جانب سے مدھیہ پردیش میں مسلمانوں کے گھروں اور دکانوں کو مسمار کر دیا گیا

بھارت کی ریاست مدھیہ پردیش میں ہندو حکومت کی جانب سے مسلمانوں کے متعدد گھروں اور دیگر املاک کو مسمار کر دیا گیا۔ اطلاعات کے مطابق ہندو تہوار رام نوامی کے موقع پر مسلمان اور ہندوؤں کے درمیان کشیدگی اور پتھراؤ کے بعد حکومت کی جانب سے علاقے میں مسلمانوں کے متعدد مکانات اور دکانوں کو مسمار کر دیا گیا۔

ریاست میں پر تشدد واقعات کا آغاز اس وقت ہوا تھا جب دس اپریل کو ہندو تہوار کے دوران ہندوؤں کے بڑے جلوس مسلم علاقوں سے گزرے جس میں اشتعال انگیز موسیقی لگائی گئی تھی، جس میں مسلمانوں کے خلاف تشدد کرنے پر اکسایا گیا تھا۔ جلوس میں شریک ہندوؤں نے مسلم علاقوں سے گزرتے ہوئے مسلمانوں کی املاک پر حملے کیے اور مساجد کی بے حرمتی کی۔ اس اقدام سے مختلف علاقوں میں مسلمان مشتعل ہو گئے اور انہوں نے گھروں اور عمارتوں سے جلوس اور حملہ آوروں پر پتھراؤ کیا، جس سے دو طرفہ لڑائی کی صورتحال پیدا ہو گئی۔ اس موقع پر پولیس نے بھی ہندوؤں کے پر تشدد ہجوم کی حمایت کی اور انہیں توڑ پھوڑ کرنے کی کھلی چھوٹ دی۔ سوشل میڈیا پر شیئر کی جانے والی متعدد ویڈیوز میں دیکھا جا سکتا ہے کہ جلوس میں شریک ہندوؤں نے تلواریں لہراتے ہوئے توڑ پھوڑ کی اور مساجد کی بے حرمتی کی۔

ان واقعات کے بعد صوبائی وزیر داخلہ مشرا نے مسلمانوں کو دھمکی دیتے ہوئے کہا کہ ”جن گھروں سے پتھر پھینکے گئے تھے، اب ان گھروں کو خود پتھروں کا ڈھیر بنا دیا جائے گا۔“ اور اگلے دن علی الصبح ہی پولیس کی سرپرستی میں متعدد بلڈوزر لائے گئے اور مسلمان کو گھروں سے باہر نکال کر ان کے گھروں اور دکانوں کو مسمار کیا جانے لگا۔

اس موقع پر پولیس نے مسلمانوں کو اتنا موقع بھی نہیں دیا کہ وہ اپنے گھروں سے قیمتی اشیاء اور ضروری سامان نکال سکیں۔

واضح رہے کہ پچھلے ایک عرصے میں یہ پہلا موقع تھا جس میں مسلمانوں نے اجتماعی طور پر ہندوؤں کے خلاف محاذ بنا کر اپنا دفاع کیا۔

ریاستی حکومت کا کہنا ہے کہ گھروں کو مسمار کرنے کی یہ کارروائیاں ان افراد کے لیے سزا ہیں جنھوں نے مبینہ طور پر پتھراؤ اور جلاؤ گھیراؤ میں حصہ لیا۔ لیکن حیرت انگیز

طور پر ان فسادات میں شامل ایک بھی ہندو کے گھر یا املاک کو مسمار نہیں کیا گیا ہے۔

بھارت: دارالحکومت نئی دہلی میں ہندوؤں کی جانب سے مسجد پر حملے کے نتیجے میں تصادم

بھارت کے دارالحکومت نئی دہلی کے شمال مشرقی علاقے جہانگیر پوری میں ۱۷ اپریل کی شام، ہندوؤں کے ایک جلوس کے دوران تلواروں اور دیگر اسلحے سے لیس شرکا نے پولیس کی سرپرستی میں مسلمانوں اور مسجد پر حملہ کیا، جس کے دفاع میں مسلمانوں کی جانب سے کیے جانے والے پتھراؤ کے بعد علاقے میں صورتحال کشیدہ ہوگئی۔ تصادم کے نتیجے میں آٹھ پولیس اہلکار زخمی ہوئے۔

واقعے کے بعد علاقے میں پولیس کی اضافی نفری تعینات کی گئی، اور دو بچوں سمیت ۱۴ مسلمانوں کو گرفتار کر کے ان کے خلاف مختلف دفعات کے تحت مقدمات درج کیے گئے۔

عینی شاہدین کے مطابق جلوس کے شرکا جو کہ ہتھیاروں سے لیس تھے، اشتعال انگیز نعرے لگا رہے تھے۔ انہوں نے مسجد کے سامنے جب ہنگامہ کرنے کی کوشش کی تو مسلمانوں کی جانب سے اعتراض کیا گیا اور پھر ہندوؤں نے حملہ کیا لیکن پولیس نے صرف مسلمانوں کو گرفتار کیا ہے۔

تفصیلات کے مطابق جب ہندوؤں کا جلوس جہانگیر پوری کے سی-بلاک میں ایک مسجد کے پاس پہنچا تو انہوں نے مسجد کا گھیراؤ کر کے 'جے شری رام'، 'بھارت میں رہنا ہو گا جے شری رام کہنا ہو گا' اور دیگر اشتعال انگیز نعرے لگائے۔

جلوس میں شامل افراد اشتعال انگیز نعرے لگاتے ہوئے مسجد میں زبردستی داخل ہوگئے اور احاطے میں زعفرانی پرچم باندھنے شروع کر دیے۔ ان میں سے کچھ مسجد کی چھت پر چڑھ گئے اور وہاں بھی انہوں نے زعفرانی پرچم لگا دیا۔ انہوں نے مسلمانوں کو تلواریں دکھائیں اور دھمکیاں دیں۔ اس کے بعد پتھراؤ شروع ہوا۔

شواہد کے برعکس دہلی پولیس کا کہنا ہے کہ ہندوؤں کا جلوس پُرامن انداز میں گزر رہا تھا اور مسلمانوں نے اس پر حملہ کیا۔

اسرائیل: صہیونی غاصبوں پر حملوں میں تیزی، متعدد واقعات میں ۱۴ یہودی ہلاک

گزشتہ ایک ماہ کے دوران اسرائیل میں غاصب یہودیوں کے خلاف متعدد حملے کیے گئے جس میں ۱۴ یہودی جہنم واصل اور متعدد زخمی ہوئے۔ ان حملوں کے بعد صیہونی عوام وخواص میں کافی خوف وہراس پایا جاتا ہے۔

۲۳ مارچ کو اسرائیل کے شہر بئر سبع میں فلسطینی نوجوان ابوقیعان نے غاصب یہودیوں پر حملہ کیا اور چاقو کے وار اور گاڑی چڑھانے کے نتیجے میں ۴ یہودی ہلاک اور متعدد زخمی ہوئے۔

میڈیا رپورٹس کے مطابق بئر سبع کے علاقے میں ایک چاقو بردار فلسطینی نے پیٹرول پمپ کے قریب خاتون کو نشانہ بنایا پھر گاڑی سے متعدد افراد کو ٹکر مار کر زخمی کر دیا، آخر میں حملہ آور نے ایک شاپنگ سینٹر کے باہر موجود افراد پر چاقو سے وار کیے جس سے متعدد افراد زخمی ہوگئے۔

موقع پر موجود ایک مسلح یہودی نے حملہ آور فلسطینی کو گولی مار کر شہید کر دیا۔

۲۷ مارچ کو مقبوضہ شہر حضیرہ میں فائرنگ کے حملے میں ۲ اسرائیلی پولیس اہلکار ہلاک اور ۱۲ زخمی ہوگئے۔ یہ حملہ دو فلسطینیوں نے کیا تھا۔

۲۹ مارچ کو تل ابیب کے نواح میں واقع علاقے بنی براک میں ایک فلسطینی ضیا ارمشاہ نے فائرنگ کر کے پانچ افراد کو ہلاک کر دیا۔

حملہ آور نے بنی براک کے مرکزی حصے میں راہگیروں اور ایک کار پر فائرنگ کی، جس کے نتیجے میں ایک دکان کے باہر بیٹھے ہوئے دو یوکرینی یہودی ہلاک ہوگئے۔ حملہ آور نے اس سے قبل قریب ہی دو یہودی غاصبوں کو ہلاک کر دیا تھا۔

پولیس نے بتایا کہ ارمشاہ نے مارے جانے سے قبل جائے وقوعہ پر پہنچنے والے ایک پولیس افسر کو بھی گولی مار کر ہلاک کر دیا تھا۔

گزشتہ ایک ماہ کے دوران اسرائیل میں بندوق یا چاقو سے کیا جانے والا یہ تیسرا مہلک حملہ تھا۔

۷ اپریل کو تل ابیب کی ڈرنزگوف سٹریٹ پر ایک ۲۸ سالہ فلسطینی رعد حازم نے یہودیوں پر خودکار اسلحے سے فائرنگ کی، جس کے نتیجے میں ۲ یہودی ہلاک اور ۱۳ زخمی ہوئے۔ بعد ازاں ایک زخمی اگلے دن ہسپتال میں دم توڑ گیا۔

اس سے پہلے ہونے والے حملوں کی باعث علاقے کی سخت سیکیورٹی کے باوجود حملے کے بعد حازم پیدل ہی علاقے سے فرار ہوگیا، جس کی تلاش کے لیے ایک ہزار سے زیادہ فوج اور پولیس اہلکاروں نے علاقے اور اطراف میں سرچ آپریشن شروع کر دیا۔ اس آپریشن میں اسرائیلی فوج کا ایلیٹ یونٹ بھی شامل تھا۔ ۸ اپریل کو علی الصبح ایک مسجد میں حازم کو گھیر لیا گیا اور یہودی فوج و پولیس سے مقابلے کے بعد حازم جامِ شہادت نوش کر گیا۔

یہ حملہ اسرائیل میں کیے جانے والے بڑے حملوں میں سے ایک تھا۔

حازم کے والد اور خاندان کے دیگر افراد نے اُس کے اِس اقدام پر مثبت ردعمل کا اظہار کرتے ہوئے اُسے ایک ہیرو قرار دیا اور اس کے لیے تعریفی کلمات کہے۔

ٹائمز آف اسرائیل کے مطابق حالیہ حملوں میں ہلاک ہونے والوں کی تعداد اتنے عرصے میں ہلاک ہونے والوں کی سب سے زیادہ تعداد ہے، جبکہ ۲۰۰۶ میں ایک بس پر حملے میں ۱۱ یہودی ہلاک ہوئے تھے۔

ان حملوں کے باعث اسرائیل میں ہتھیاروں اور اسلحے کے مانگ بڑھ گئی ہے۔ عبرانی ذرائع ابلاغ کے مطابق پیر کے روز خضیرہ میں ہونے والے حملے کے بعد اسرائیل میں ہتھیار رکھنے کے لیے لائسنس حاصل کرنے کی درخواستوں کی شرح میں ۷۰۰ فیصد اضافہ ہوا ہے۔

یمن: صوبہ حضرموت کی جیل سے القاعدہ کے دس قیدی مجاہدین فرار

یمن کے مشرقی صوبہ حضرموت میں القاعدہ سے تعلق رکھنے والے دس مجاہدین جیل سے فرار ہوگئے۔ یہ واقعہ ۱۴ اپریل، جمعرات کی شب سیئون شہر میں واقع جیل میں پیش آیا۔ ان قیدیوں نے آپس میں جھگڑے کا ڈرامہ رچایا تاکہ جیل کے سکیورٹی اہلکار مداخلت کے لیے بیرک میں ان کے قریب آجائیں۔ لیکن جب سکیورٹی اہلکار لڑائی رکوانے کے لیے ان مجاہدین کے قریب آئے تو منصوبے کے مطابق قیدیوں نے ان پر قابو پالیا۔ ان کے اسلحے پر قبضہ کرکے ان کے ہاتھوں کو باندھ دیا اور اسلحے سمیت جیل سے فرار ہوگئے۔

مالی: فرانس کا مالی سے اپنی صلیبی مشن کے خاتمے اور فرانسیسی افواج کے انخلا کا اعلان

فرانس کے صدر میکرون نے مغربی افریقیائی ملک مالی سے فرانسیسی فوج کے انخلا کا اعلان کیا ہے۔ فرانسیسی فوج مالی اور متصل خطے میں ۲۰۱۳ سے مجاہدین کے خلاف لڑ رہی تھی۔

مالی اور اس سے متصل ممالک میں فرانس کی فوج کی تعداد تقریباً ۵۰۰۰ تھی، اور اس کا مقصد یہاں موجود عالمی جہادی تحریک القاعدہ اور دیگر مجاہدین کا خاتمہ کرنا تھا۔ یہ فوج مالی کی کٹھ پتلی فوج کو تربیت دینے کے ساتھ ساتھ مجاہدین کے خلاف زمینی اور فضائی آپریشنز میں بھی شرکت کرتی رہی۔

افریقہ میں القاعدہ پچھلے ایک عرصے سے 'ساحل' کے علاقے میں اپنی پناہ گاہیں رکھتی ہے۔ ساحل کا علاقہ صحرائے صحارا کے ساتھ ساتھ نیم بنجر زمین پر مشتمل ہے اور اس کا رقبہ چاڈ، نائجر، مالی، برکینا فاسو اور موریطانیہ تک پھیلا ہوا ہے۔

۲۰۱۳ میں مالی میں ہونے والی مسلح بغاوت کے دوران مجاہدین نے کمال حکمت عملی سے اس پوری بغاوت کو اپنے کنٹرول میں لے لیا تھا اور وہ اس کے ذریعے مالی میں حکومت کا تختہ الٹ کر ایک اسلامی نظام قائم کرنا چاہتے تھے۔ اس دوران مجاہدین مالی کے شمالی علاقوں کے تین مراکز پر قبضہ کرچکے تھے۔ اس بغاوت سے نمٹنے کے لیے مالی حکومت کی ایما پر فرانس نے اپنے ۵۰۰۰ فوجی مالی میں بھیجے۔ فرانس کی مداخلت اور مجاہدین کے خلاف حملوں کی وجہ سے مجاہدین علاقے چھوڑ کر صحرائے صحارا میں جا بسے۔ مجاہدین کے خلاف فرانس کا یہ آپریشن واضح مقاصد رکھتا تھا کہ مجاہدین کے قبضے میں آنے والے شہری علاقوں سے مجاہدین کا صفایا کیا جائے۔ اس آپریشن میں فرانس کو مقامی حکومت کا تعاون بھی حاصل تھا۔ لیکن یہ آپریشن فرانس اور مجاہدین کے درمیان ایک بڑے تنازعے کا باعث بنا، اور آج فرانس یہ جنگ جیتنے کی صلاحیت کھو چکا ہے۔ فرانس کا خیال تھا کہ یہ چند مسلح گروہ ہیں اور انہیں ختم کرنا آسان ہے۔ لیکن حقیقت یہ تھی کہ عوام میں مجاہدین کی مقبولیت کے سبب انہیں دوبارہ منظم ہونے میں زیادہ وقت نہیں لگا۔ ۲۰۱۵ میں قبائلی مجاہدین کے ساتھ مل کر القاعدہ دوبارہ منظم ہوگئی اور مالی کے شمال اور وسط میں دوبارہ حملوں کا سلسلہ شروع کردیا۔

سن ۲۰۱۷ میں القاعدہ نے دیگر جہادی گروہوں کے ساتھ مل کر ایک نیا اتحاد قائم کیا، جس کا نام 'جماعت نصرۃ الاسلام والمسلمین (JNIM) رکھا گیا۔

یہ گروپ اب مالی، برکینا فاسو اور نائجر کے متعدد علاقوں کو کنٹرول کرتے ہیں۔ مجموعی طور پر ان کے زیر کنٹرول رقبہ جرمنی کے رقبے سے بھی بڑا ہے۔

فرانس نے مالی میں اپنے فوجیوں کے ساتھ مجاہدین کے خلاف اس لڑائی کی قیادت کی ہے۔ نائجر میں امریکا کے ۸۰۰ فوجی موجود ہیں اور وہ اپنے فوجی اڈے سے مسلح ڈرونز کے ذریعے کارروائیاں کرتے ہیں۔ نائجر میں جرمنی اور اٹلی کے فوجی بھی موجود ہیں۔ یورپی ممالک وہاں "تقبہ اسپیشل فورسز مشن' میں شریک ہوئے۔ اس مشن کی سربراہی بھی فرانس کے ہاتھ میں تھی لیکن اب یہ مشن بھی ختم ہوجائے گا۔

اسی خطے میں افریقی فورسز، جس کا نام 'جی فائیو ساحل' ہے، تعینات ہیں۔ اس فوجی اتحاد میں مالی، نائجر، چاڈ، برکینا فاسو اور موریطانیہ کی سرکاری فورسز شامل ہیں۔

لیکن بین الاقوامی فورسز کو اس جنگ کی بھاری قیمت ادا کرنا پڑی ہے۔ فرانس نے ساحل مشن پر سالانہ تقریباً ایک ارب یورو خرچ کیے ہیں اور اس کے تقریباً ۵۹ فوجی ہلاک ہوئے۔ علاوہ ازیں فرانسیسی فوجیوں کی عوام کے خلاف وحشت کی وجہ سے فرانس کے خلاف عوامی نفرت میں بھی بے حد اضافہ ہوا ہے۔

گزشتہ برس وسطی مالی میں ایک شادی پر فضائی حملے کے نتیجے میں ۱۹ عام شہری جاں بحق ہوگئے تھے۔ فرانس ابھی تک اس حملے کی ذمہ داری اٹھانے سے انکار کررہا ہے۔

دریں اثناء مجاہدین کے حملے بلا توقف جاری ہیں۔

(باقی صفحہ نمبر 51 پر)

وقت کا تقاضا

اشعار: وسیم حجازؔی

سیاہیوں میں روشنی کا ارتکاب کر
درازیِ فسونِ شب کا سدِ باب کر

وسائل سکونِ کفر جانچ پرکھ کے
اُنہی کا مال اُنہی پہ نفس نفس عذاب کر

جو پَل رہے ہیں قوم کا لہو نچوڑ کر
کسی بھی رنگ میں ہوں ان کا احتساب کر

مقدساتِ دین پہ چلے کوئی زباں
کفن بدوش ہوکے اس کو لاجواب کر

لباسِ خضر میں نہاں گروہِ رہزناں
فراستِ ایماں سے سب کو بے نقاب کر

ہجومِ خاص و عام کی رضا و رخ کو چھوڑ
صراطِ مستقیم کا بس انتخاب کر

جفائے دوستاں سے بھی یہ کرکے لطف اٹھا
غموں کو دل کا ساز دل کو اک رباب کر

اگر مگر کے جال میں پھنسے ہوئے نہ دیکھ
نکل کھڑے ہوؤں کا خود کو ہم رکاب کر

مقصودِ اصلی ہندوستان ہے!

''اس ملک سرحد کو مشرکین کی نجاستوں سے پاک کرنے اور منافقین کی گندگی سے صاف کرنے کے بعد حکومت وسلطنت کا استحقاق اور ریاست وانتظام سلطنت کی استعداد رکھنے والوں کے حوالے کر دیا جائے گا، لیکن اس شرط کے ساتھ کہ وہ احسانِ خداوندی کا شکر بجالائیں گے اور ہمیشہ اور ہر حال میں جہاد کو قائم رکھیں گے اور کبھی اس کو موقوف نہیں کریں گے اور انصاف اور مقدمات کے فیصلے میں شرعِ شریف کے قوانین سے بال بھر بھی تجاوز وانحراف نہیں کریں گے اور ظلم وفسق سے کلیتہً اجتناب کریں گے، اس کے بعد میں اپنے مجاہدین کے ساتھ ہندوستان کا رُخ کروں گا تاکہ اس کو شرک وکفر سے پاک کیا جائے، اس لیے کہ میرا مقصودِ اصلی ہندوستان پر جہاد ہے نہ کہ ملک خراسان (سرحد وافغانستان) میں سکونت اختیار کرنا۔''

امیر المومنین سید احمد شہید ؒ